615
Acc. No. 33501
23
cloth 10" × 6¼"

ادبی سلسلہ نمبر ۱۴

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

جہانِ نَو

ڈاکٹر غلام جیلانی برق
ایم۔ اے، پی، ایچ، ڈی

کتاب منزل لاہور

۲۹۷.۵
B23

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY LIBRARY
No. 33501
Date 21-5-60
SRINAGAR

ST 01

جملہ حقوق محفوظ !

بار اول ــــــــــ ۱۹۳۹ء

بار دوم ــــــــــ ۱۹۵۱ء

بار سوم ــــــــــ ۱۹۵۳ء

بار چہارم ۱۹۵۷ء

قیمت تین روپے

شیخ نیاز احمد پرنٹر پبلشر نے علمی پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر
کتاب منزل کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

ALLAMA IQBAL LIBRARY
33501

فہرست مضامین

حرفِ اوّل

یہ کتاب چند اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو گذشتہ چھ برس میں احقر کے قلم سے نکلے تھے۔ چونکہ عصر جدید میں بعض ایسے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے روشن خیال طبقہ میں مذہب سے یک گونہ بیزاری اور بےچینی سی پیدا کر دی ہے۔ اسلئے قرآن کی روشنی میں بعض ایسے مسائل ——— ——— کا حل پیش کیا جا رہا ہے۔ ہر چند کہ میری بعض تفاصیل عقائدِ عوام سے متصادم ہو رہی ہیں۔ لیکن مجھے اُمید ہے۔ کہ اہل فکر رسمی عقائد سے خالی الذہن ہو کر ان پر غور فرمائیں گے۔

ہم حاملینِ قرآن اس امر کے مُدعی ہیں۔ کہ قرآن عظیم تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لئے تاقیامت سامانِ ہدایت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کتاب نے گذشتہ بارہ صدیوں میں ہماری یوں رہنمائی کی۔ کہ ہم ہر میدان اور ہر انجمن سے کامیاب ہو کر نکلے۔ اور ہر دور کے مفکرین نے ہمارے اس منبع ہدایت کی توصیف و تمجید میں مقالے لکھے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عصر جدید کے آدمِ جدید کیلئے بھی اس کتاب میں رہبری موجود ہے؟

آج تصورات حیات میں بنیادی انقلاب آچکا ہے۔ قدریں بدل گئی ہیں زاویۂ نگاہ میں تبدیلی آچکی ہے۔ بلند و پست کا مفہوم بدل چکا ہے۔ وہ انسان جو کبھی خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات کو انسانیت کبریٰ کی آخری منزل سمجھتا تھا۔ آج آفاق افلاک کو ترقی کا پہلا زینہ قرار دیتا ہے۔ وہ جس کے علم و عرفان کی انتہا کبھی افلاطون و ارسطو کی دہلیز پہ جبیں سائی تھی۔ آج عجائبات تکوین کے تماشہ میں یوں کھویا ہوا ہے کہ ارسطو کی طرف آنکھ تک اٹھانا نگاہ کی توہین سمجھتا ہے۔

ہر الہامی کتاب کے الفاظ میں لچک ہوتی ہے۔ اکثر آیات مختلف تفاسیر کی متحمل ہوا کرتی ہیں۔ اور ہر تفسیر ایک پورے زمانے کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ رازی نے اس قرآن سے وہ اصول مستنبط کئے جو اس ماحول کے لئے موزوں تھے۔ سرسید نے اسی کتاب سے اپنے دور کے لئے رہنمائی حاصل کی اور آج دورِ حاضر کے اسلامی مفکر نئے ماحول۔ نئے تقاضوں اور نئے مسائل کے سلسلے میں نئی تفاسیر پیش فرما کر ملت اسلامی اور نسل انسانی پر وہ احسانِ عظیم کر رہے ہیں۔ اور "جہانِ نو" بھی اسی سلسلہ میں ایک کوشش کا اظہار ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس وقت سے لے کر ابتک ہندو پاکستان کے بیسیوں جرائد اس کتاب پر تبصرے شائع کر چکے ہیں۔ تبصرہ نگاروں میں دو قسم کے بزرگ تھے۔ ایک وہ جنہیں یہ کتاب پسند آئی۔ اور دوسرے وہ جنہیں پسند نہ آئی۔ میں اول الذکر کا شکر گزار ہوں۔ کہ انہوں نے

میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور مؤخر الذکر کا مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے میری کوتاہیوں سے آگاہ فرمایا۔

ان تمام تبصروں کے مطالعہ کے بعد میں نے اس کتاب پہ نظرِ ثانی کی بعض مقامات قلمزد کر دیئے۔ اور بعض جارحانہ جملوں کی تلخی کم کر دی۔ لیکن بنیادی مسائل جوں کے توں رہنے دیئے۔ اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ ہمارا مروجہ اسلام قرآنی اسلام سے بہت کم تعلق رکھتا ہے۔ قرآن صرف حقائق سے بحث کرتا ہے اور ان اصولوں کی تعلیم دیتا ہے جن کا لازمی نتیجہ ایک شاندار دنیا اور قابلِ رشک عقبیٰ ہو۔

ظاہر ہے کہ اس دوگونہ نصب العین کے حصول میں بیکار عقائد۔ بے معنی رسوم۔ موہوم تمنائیں۔ اور دور از عقل دعائیں کارآمد نہیں ہو سکتیں۔ زندگی ایک ٹھوس حقیقت کا نام ہے۔ جس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے چند ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر بالفرض آپ ایک باوقار فرد بننا چاہیں۔ تو آپ کو کئی اہم قدم اٹھانا پڑیں گے۔

(۱) حصولِ علم کے لئے کئی سال تک علمی اداروں میں گھومنا پڑیگا۔

(۲) حصولِ احترام کے لئے کردار میں بلندی پیدا کرنا ہوگی۔

(۳) اور احتیاج سے بچنے کے لئے عمدہ وسائلِ معاش ڈھونڈنا ہوں گے۔

اندازہ لگائیے کہ انفرادی شان حاصل کرنے کے لئے آپ کو کتنی محنت کرنا پڑے گی۔ اور اگر ہم ساری قوم کو بلند کرنا چاہیں تو لاتعداد ہمیں قومیت عظمیٰ کے عناصر قوی عناصر فراہم کرنا ہونگے۔

اوّل۔ افراد میں شاہانہ کردار پیدا کرنا ہوگا۔

دوم۔ افراد کو ایک منظم وحدتِ ملّی میں بدلنا ہوگا۔

سوم۔ اس وحدتِ ملّی کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ اسلحہائے جدید فراہم کرنا ہوں گے جن کی ہیبت سے اعدائے انسانیت لرز جائیں۔ اور کسی بد نیت قوم کو یہ جرأت نہ ہوسکے کہ وہ حملہ سے داخلی امن و سلام میں رخنہ انداز ہو۔

چہارم۔ آج حیاتِ ملّی کے تمام پہلو ایک باقاعدہ سائنس بن چکے ہیں جن کی تعمیر و تکمیل ماہرین کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک قوم کو زندہ رہنے کیلئے امن کی ضرورت ہے امن کے لئے قوت درکار ہے۔ قوت پہاڑوں سمندروں اور زمین کی تہوں میں نہاں ہے۔ جسے نکالنے کے لئے علومِ طبیعی کی ضرورت ہے۔ اگر یہ علوم آپکی درسگاہوں میں موجود نہیں تو ان کے حصول کے لئے اہل غرب کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا پڑے گا۔ بہرحال یہ حقیقت کسی تفصیل کی محتاج نہیں کہ مسلمان کو زندہ رہنے کے لئے علم الآفاق کی ضرورت ہے۔ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن حکیم نے اس سلسلے میں ہمیں کوئی ہدایت دی ہے۔ جواب صاف ہے۔ کہ اس موضوع پر ۷۵۶ آیات موجود ہیں۔ میں جب مسلمانوں کی توجہ ان آیات کی طرف مبذول کرتا ہوں تو پاکستان کے بیشتر مُلّا و نیم مُلّا پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑجاتے ہیں۔ میں بارہا سوچتا ہوں کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا ان حضرات کو قرآن سے چڑ ہے یا ملّت کی زندگی انہیں چبھتی ہے؟ آخر اس خشم بے جا کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ مُلّا اپنے خانقاہی اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتا ہے

مسلمان رہے یا مرے۔ اُسکی بلا سے۔ وہ نہیں چاہتا کہ آدم جدید کے نئے تقاضے اور عصر نو کے افکار تازہ۔ اُس کی تاریک، بوسیدہ اور دقیانوسی محفل میں داخل ہو کر اُس کی شانِ امامت پر ضرب لگائیں۔ اِسلئے وہ اور اُس کے چیلے چانٹے ہر مقام پر افکار نو کی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر سر پھوڑ رہے ہیں۔ لیکن زمانہ اور اُس کے تقاضوں کے سیلِ تُند کو روکنا کسی کے بس کی بات نہیں۔

ہماری محافل میں عموماً ہر جگہ یہ چرچا ہوتا رہتا ہے کہ مغربی ممالک ترقی کی دوڑ میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔ اور مسلمان ہر مقام پر بے حد پسماندہ ہے ہمارے پاس اسلحہ ساز کارخانے نہیں۔ کسی فن کے ماہرین نہیں۔ یہ نہیں، وہ نہیں۔ اور جب ان حضرات کو بتایا جاتا ہے۔ کہ حضرت!

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً

کا مفہوم بھی یہی ہے۔ کہ ہم دنیوی علوم میں وہ کمال پیدا کریں کہ ہماری دُنیا سنور جائے۔ اور دُنیا کو سنوارنا نصف اسلام ہے۔ تو ان حضرات کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے ہیں۔ اور فوراً منصب اِفتا پر فائز ہو کر فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں کہ دُنیا کو سنوارنا دُنیا طلبی اور مادہ پرستی ہے۔ اور شام تک ہر مسجد سے یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ فلاں کافر دُنیا و دیں کو جمع کر کے ساری ملت کے عقائد بگاڑ رہا ہے۔

میرے ایک دوست جو پی اے ہونے کے باوجود عقائد کے لحاظ سے عہد دقیانوس کے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ ایک دن حکومتِ پاکستان پر تنقید کرتے

ہونے فرمانے لگے :-

" پاکستان کو ظہور میں آئے چار برس ہو چکے ہیں۔ اور ہماری حکومت نے ابھی تک کوئی ایسا ادارہ قائم نہیں کیا، جہاں فضائی فوج کے متعلق تعلیم دی جاتی ہو۔ نہ یہاں سینڈ ہرسٹ جیسا کوئی فوجی کالج ہے۔ نہ فضا پر کوئی تحقیقی ادارہ۔ نہ فولاد ڈھالنے کا کوئی کارخانہ۔ نہ یہ نہ وہ۔ اگر کل ہم پر بھارت نے حملہ کر دیا۔ تو ہم کہیں کے نہیں رہینگے۔ حکومت کو چاہیئے کہ انگلستان اور امریکہ سے ماہرین منگوا کر ایسے ادارے جلد تر قائم کرے۔"

میں نے کہا۔ تو گویا آپ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ہم امریکہ و انگلستان کے مقابلہ میں ہم جاہل ہیں۔ کہ زندہ رہنے کے لئے علم کائنات کا حصول ضروری اولین ہے۔ کہ جنگی دستوں کے لئے پہلی شرط زندگی ہے اور زندگی علوم جدیدہ کے بغیر محال ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہی باتیں قرآن کہتا ہے۔ کہ کائنات پر غور کرو۔ دنیا کو شاندار بناؤ۔ فولاد کے استعمال سے باہیبت بنو۔ کائنات کی پہنائیوں میں تعمیر زندگی تلاش کرو۔ تو آپ جھلا اٹھتے ہیں۔ منہ سے جھاگ بہانے لگتے ہیں۔ اور سارا نزلہ غریب پرویز پہ گرا دیتے ہیں۔

میرے دوست جھینپے اور ایک گھر کا سودا لینے غائب ہو گئے۔

پاکستان اور بھارت کے چند جرائد نے میری تحریرات پر ایک طویل سلسلہ مقالات شائع کیا ہے۔ وہ کیا کہتے رہے۔ میں نہ سمجھ سکا۔ ان کے مقالات کا بنیادی نقطہ یہ تھا۔ کہ اسلام میں اصل الاصول اسلامی معاشرت ہے۔ اور اسلامی

معاشرت، کا بڑا حصہ وہ اسلامی اخلاق ہے۔ یہاں تک تو مجھے بھی اتفاق تھا لیکن جب ان حضرات نے علم الآفاق کی تحقیر پہ فصاحت و بلاغت کے دریا بہانے شروع کئے تو میرے فہم کا کمزور سفینہ اس سیل بے پناہ کی امواج متلاطم میں ڈوب کر رہ گیا۔

ملائیت کی دنیا کا مابہ الامتیاز ہر اس چیز پہ اعتقاد ہے جس پر خانقاہی رنگ چڑھا ہوا ہو۔ اور ہر اس چیز کے خلاف بغاوت ہے۔ جس کا تعلق حقائق سے ہو۔ جب ابن العربی نے وحدت الوجود (ہمہ اوست) کے نظریہ کا اعلان کیا۔ تو امام ابن تیمیہ کے بغیر باقی تمام ملا اس پہ ایمان لے آئے۔ جب حضرت علیؓ کے ایک پوتے حسن بن محمد بن حنفیہ نے کہا۔ کہ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے اور عمل شرط نہیں۔ تو ہزاروں ملا اس کے پیرو بن گئے۔ جب بیان بن اسماعیل التمیمی نے دعوےٰ کیا۔ کہ اللہ میرے جسم میں اتر آیا ہے تو سینکڑوں علماء نے اس کی حمایت کی۔ جب ہارون الرشید نے یہ عقیدہ قبول کیا۔ کہ قرآن مخلوق ہے تو امام احمد حنبل کے بغیر دنیائے اسلام کے تمام علماء خلق قرآن کے قائل ہو گئے۔ جب فرقہ مفوضہ نے اس عقیدہ کا اظہار کیا۔ کہ خدا تعالےٰ نے تخلیق عالم کے فرائض رسول اللہ صلعم کے سپرد کر کے خود آرام کر رہا ہے۔ تو سینکڑوں علماء ان کی تائید کے لئے بھی اٹھ پڑے۔ جب اہل بدعت نے قبر کو زیارت گاہ بنا کر مردوں کو سمیع و بصیر قرار دیا۔ تو ہمارے علماء نے اس عقیدہ کی اشاعت پہ لاکھوں صفحات لکھ ڈالے۔ اور جب عہد حاضر کے بعض مفکرین نے اعلان کیا۔ کہ نئے ماحول میں زندہ رہنے کے لئے علم الآفاق کا

حصول غرض ہے۔ اور اس پر سینکڑوں آیات موجود ہیں تو ملّا جھنجھلایا۔ بپھر کر اُٹھا اور تکفیر و تفسیق کے پنجوں سے اِن منکرین کا مُنہ نوچ ڈالا۔

لیکن

اے اوہام و اباطیل کے بوسیدہ کاشانوں میں رہنے والو! یاد رکھو زمانہ افکارِ نو کی بجلیاں پہلو میں لئے برشگالی بادلوں کی رفتار سے گرجتا اور دھاڑتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ اِسے روکنا اور اپنے بوسیدہ جھونپڑے کو بچانا تمہارے بس کی بات نہیں۔ اگر آنکھوں میں نورِ بصارت موجود ہے۔ تو وہ دیکھو اُفقِ اسلامی سے تجلّیوں کے اُبھرتے ہوئے طوفان۔ وہ افکارِ نو کے تابندہ انجم۔ وہ رجحاناتِ جدیدہ کی رقصاں شعاعیں۔ وہ عالمِ پیر کی آخری ہچکی اور اُس کی خاکستر میں کروٹیں لیتا ہوا ایک نیا عالم اک جہانِ تازہ

یعنی

جہانِ نو

برق۔ کیمبلپور

۲۲ر جون ۱۹۵۱ء

(۱)

ہم
اور
ہمارے اسلاف

ہم کیا تھے ——— اِس مضمون کو دیکھئے!

ہم کیا ہیں ——— اپنے آپ کو دیکھئے!

اور ———

پھر سوچیئے کہ ہمیں کیسا ہونا چاہیئے؟

دنیا میں ہزاروں جماعتیں اور تحریکیں مختلف مقاصد کے لئے وجود میں آئیں۔
کچھ زندہ ہیں کچھ مٹ گئیں۔ مثلاً وہابیت کا مقصد بدعات کو مٹانا تھا۔ اعتزال
اوہام و اباطیل کے خلاف جہاد کرنے کے لئے ابھرا تھا۔ شیعیت کی علتِ غائی
حضرت علیؓ کو مسندِ خلافت پر بٹھانا تھا۔ اور تحریک خوارج کا نصب العین
آلِ ہاشم کو اقتدار سے محروم کرنا تھا۔ عصرِ حاضر میں سوشلزم کا مقصد سرمایہ
داری کے خلاف صف آرائی ہے۔ آمریت تمام اقتدار نفسِ واحد کے اختیار میں
دے دینا چاہتی ہے اور جمہوریت جلوہ استبداد کو ایک نئی قبا عطا کرتی ہے لیکن
اسلامی تنظیم کا منتہا ان سب سے جداگانہ ہے۔

اسلام نام ہے خدائی مشیت کا اور مسلمانوں کا کام منشاء ایزدی کو
روئے زمین پر نافذ کرنا ہے۔ اللہ کی مشیت کیا ہے؟ قطعیہ اعتقادی بدی
بداخلاقی کی نجاست کو دامنِ کائنات سے دھو ڈالنا اور ہر کشتِ انسانی کا سر اللہ
کے سامنے جھکا دینا۔ لیکن یہ کوئی آسانی کا کام نہیں، اس لئے کہ گناہ لذیذ تر
بھی ہے اور دلکش بھی اور نیکی اور پاکیزگی کی راہیں مہیب وادیوں اور اونچے
اونچے کہساروں سے ہو کر نکلتی ہیں۔ نتیجہ کہ نظرِ انسانی گناہ کی نظر فریبیوں
میں کھو جاتا رہا ہے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (قرآن) | سارا زمانہ شاہد ہے کہ انسان اللہ کی راہ چھوڑ کر ہمیشہ خسارے میں رہا۔

کائنات پر ایک چھلتی سی نگاہ ڈالئے آپ کو ارض و سما کا ہر منظر اپنے لائحہ عمل کے نباہنے میں سرگرم نظر آئے گا۔ ازل سے یہ مہتاب و آفتاب اللہ کی عین منشا کے مطابق ساکنانِ گیتی پر نور و طاقت کے سیلاب انڈیل رہے ہیں۔ آغازِ آفرینش سے یہ ہوائیں گندھوں گھٹاؤں کے دَل لئے پھرتی ہیں۔ زمین حسین پھول اور سمندر تابدار موتی اُگلنے پر مجبور ہے۔ نحل ولادت سے موت تک شہد ہی تیار کرتی ہے۔ الغرض جلوہ گہِ ہستی کے یہ لاکھوں انواع اپنے دستور العمل یعنی مذہب کو نہایت باقاعدگی سے نباہ رہے ہیں۔ بہ دیگر الفاظ کائنات کی ہر چیز پوری طرح مومن ہے۔

وَلَهٗ اَسْلَمَ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (قرآن) | ارض و سما کا ہر منظر مسلمان ہو چکا ہے۔

لیکن اگر کوئی نوعِ اللہ کے عطا کردہ آئین کو بار بار توڑ کر ذلیل و رسوا ہوتی رہی ہے تو وہ ہے انسان۔ اللہ نے اس کی طرف لاکھوں پیغمبر بھیجے۔ سینکڑوں صحائف میں اپنی منشا کو واضح کیا۔ لیکن چند وقفوں کے بغیر یہ کبھی راہ راست پر نہ آیا۔ اور اس لئے ہمیشہ پٹتا ہی رہا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔

صفحہ ۲۸/48 — P — صفحہ ۱۷/17 — ج ۳ — صفحہ ۳۲/32

آگئی اور کچھ دیر بعد مسکراتے ہوئے جاگے، اور فرمانے لگے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری اُمت کے لوگ جہاد کے ارادے سے جہازوں میں سوار ہو رہے ہیں۔ اُم حرام نے التجا کی کہ حضورؐ دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے بھی اس فوج میں شمولیت کا فخر عطا فرمائے۔ آپ نے دعا کی اور پھر سو گئے۔ جاگنے کے بعد کہنے لگے، مجھے پھر ویسا ہی خواب نظر آیا ہے اور تم پہلے گروہ کے ساتھ سوار ہو رہی ہو۔

حضرت عثمانؓ کا زمانہ تھا۔ جناب امیر معاویہؓ حاکم شام نے جزیرہ قبرص (بحیرۂ روم کا جزیرہ ترکی ساحل کے جنوب میں) پر حملہ کرنے کیلئے ایک بیڑہ تیار کیا، اور فوجیں حمص کے ساحل سے سوار ہوئیں۔ تو ان میں حضرت اُم حرام بھی شامل تھیں۔ قبرص فتح ہوا، اور واپسی کے وقت اُم حرام سواری سے گر کر فوت ہو گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔

(بلقانی ج ۱۱ ص ۱۶ و بخاری)

جنگ یرموک میں حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اسماء، اُم ابان، اُم حکیم، خولہ، ہند اور اُم المومنین حضرت جویریہؓ بھی شامل ہوئیں۔ تلوار چلانے کے علاوہ بہادر مائیں چند اور خدمات بھی سر انجام دیتی تھیں۔ مثلاً پانی پلانا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا۔ زخمیوں اور مقتولوں کو میدان جنگ سے اٹھاتے جانا۔ کھانے کا انتظام کرنا۔ تیر اکٹھا کر دینا۔ رجز پڑھنا اور قبریں کھودنا سبحان اللہ شاہنشہی کی ایک نظر نے ان اکھڑ لوگوں کو کیا سے

صفحہ 32 سے 8 ورق آگے بڑھ گئے ہیں 76 ۔ 6 ۔ 8

کیا بنا دیا تھا ؎

وصلی اللہ علیٰ نور کز و شد نورہا پیدا

ہمارے اسلاف کا انصاف

انصاف کا قرآنی نام میزان یا توازن ہے۔ فضائے آسمانی میں ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑے کروڑوں کرّے بے پناہ تندہی سے گھوم رہے ہیں اور یہ حیرت انگیز نظام میزان یعنی توازن کا رہین منت ہے۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ۔ (قرآن)

اللہ نے آسمانوں کی تخلیق کے بعد ان میں توازن قائم کر دیا۔

سطح زمین پر یہ سلسلہ حیات بھی عدل و توازن کے بل پر قائم ہے اور ان افراد و اقوام کا زندہ رہنا محال ہے، جو جوہر انصاف سے عاری ہوں۔

حدیث شریف میں وارد ہے:۔

اَلْحُكُوْمَةُ تَبْقٰى مَعَ الْكُفْرِ وَلَا تَبْقٰى مَعَ الظُّلْمِ۔

کافر کی حکومت تو زندہ رہ سکتی ہے، لیکن ظلم کی سلطنت کبھی باقی نہیں رہ سکتی۔

ہمارے اسلاف، زندگی کے اس راز سے آشنا تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ کسی حالت میں یہاں تک کہ جنگ میں بھی انصاف کو ہاتھ سے نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ نے شام کی طرف فوج روانہ کی تو سپہ سالار کو

مندرجہ ذیل ہدایات دیں :-

(۱) عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔

(۲) آبادیوں کو ویران نہ کرنا۔

(۳) پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا۔

(۴) بکریوں اور اونٹوں کو ذبح نہ کرنا۔

(۵) باغوں میں آگ نہ لگانا۔

(۶) مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔

(۷) اور کسی حالت میں بدعہدی نہ کرنا۔

ان ہدایات کا موازنہ اقوام حاضرہ کے عمل سے کرو۔ آجکل لڑائی کا پہلا اصول "ساڑ پھونک" ہے۔ یعنی جب کسی شہر کو چھوڑنا پڑے تو اسکی بنیادیں تک کھود ڈالو۔ باغوں، کھیتوں، نہروں اور چشموں کو کلیتہً تباہ کر ڈالو۔ اپنی ہمسائیگی ہی میں دیکھو مشرقی پنجاب میں تارا سنگھ نے کیا کیا۔ بچوں اور بوڑھوں کا بے تحاشا قتل۔ نوجوان لڑکیوں کی بے دریغ عصمت دری اور لوٹ کھسوٹ۔ دوسری طرف مسلمانوں کے انصاف کا یہ عالم تھا، کہ اگر دشمن کے ہاتھ سے اتفاقاً تلوار گر پڑتی تو یہ ہاتھ روک لیتے۔ اور اگر اس کا گھوڑا زخمی ہوجاتا تو یہ خود بھی نیچے اتر آتے۔ انصاف ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، اور زندگی کے کسی شعبے میں بھی یہ اُسے ہاتھ سے نہیں دیتے تھے۔

۱- ایک دفعہ حضرت عمرؓ کاروبار سے تھک کر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی فریاد لے کر آپ کے پاس آیا۔ آپ نے کوڑا اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا

فریادی واپس چلا گیا۔ لیکن اس کے بعد آپ اس کے پیچھے دوڑے۔ دربارِ خلافت میں اُسے واپس لائے۔ کوڑا اس کے سامنے رکھ دیا اور اصرار کرنے لگے کہ اپنا بدلہ لے لو۔ اس آدمی نے بڑی مشکل سے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ میں خدا کے لئے آپ کو معاف کرتا ہوں۔ (اسد الغابہ)

---

(۲) حضرت عمرؓ کے عہد میں ان کے دونوں بیٹے بصرہ کو گئے۔ اس وقت وہاں ابو موسیٰ اشعری گورنر تھے۔ اُنہوں نے دونوں بھائیوں کو خزانے سے کچھ رقم دے کر کہا کہ آپ اس سے مالِ تجارت خرید لیں اور مدینہ جا کر بیچ ڈالیں۔ نفع خود رکھ لیں اور اصل سرکاری خزانہ میں جمع کر دیں۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت عمرؓ کو علم ہوا، تو اُنہوں نے پوچھا، کہ کیا ابو موسیٰ باقی لوگوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے ہیں یا صرف تمہیں خلیفہ کی اولاد سمجھ کر یہ امتیاز بخشا ہے۔ اس کے بعد اصل اور نفع دونوں سرکاری خزانے میں داخل کر دیئے۔

(موطا امام مالک کتاب البیوع)

---

(۳) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ لوگ شہد لے آئے ہاتھ میں پیالہ لے کر فرمانے لگے "اگر میں اسے پی لوں، تو اس کی مٹھاس چلی جائے گی اور تلخی دیر تک باقی رہے گی" یہ کہہ کر واپس کر دیا۔

---

(۴) ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس عتبہ بن فرقد آئے۔ دیکھا کہ فاروق اعظمؓ سوکھے ہوئے ٹکڑے کھا رہے ہیں۔ عتبہ کہنے لگے "آپ میدے کی روٹی کیوں نہیں کھاتے؟" فرمانے لگے "کیا باقی مسلمانوں کو بھی میدہ مل سکتا ہے؟" کہا "نہیں"۔ فرمایا "تو کیا تم چاہتے ہو کہ میں تنہا کھانے پینے کے مزے اُڑاؤں، حالانکہ یہ چیز باقی مسلمانوں کو میسر نہیں۔"

---

(۵) ایک مرتبہ حضرت حفصہ نے سالن میں روغن زیتون ڈال کر عمرؓ کے سامنے رکھ دیا۔ فرمانے لگے کہ میں دو غذائیں تا دم مرگ نہیں کھاؤں گا۔ اسلئے کہ میری رعایا کو ایک غذا بھی میسر نہیں۔

(اسد الغابہ تذکرہ عمرؓ)

---

(۶) جب حضرت عمرؓ شام کے دورے کو گئے تو شہر کے نزدیک اپنے اونٹ پر اپنے غلام سالم کو سوار کر دیا۔ جب لوگوں میں کانا پھوسی ہونے لگی تو کہنے لگے "یہ لوگ شاہان عجم کے جلوس کا انتظار کر رہے تھے۔"

(موطا امام محمد باب الزہد والتواضع)

---

(۷) حضرت قدامہ بن مظعون بڑے اونچے صحابی اور حضرت عمرؓ کے سالے تھے۔ انہوں نے شراب پی لی۔ تو حضرت عمرؓ نے انہیں سزا دینی چاہی چونکہ وہ بیمار تھے، اس لئے صحابہ نے مخالفت کی۔ فرمایا "اگر کوڑوں سے

یہ مر جائے تو زیادہ اچھا ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اس کو سزا دینے کی ذمہ داری میری گردن پر رہے۔ لاؤ ایک مضبوط کوڑا"

---

(۸) جبلہ بن ایہم غسانی شام کا ایک رئیس تھا۔ اس نے ایک مسلمان کی آنکھ پر تھپڑ مارا۔ شکایت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچی۔ آپ نے حکم دیا، کہ مضروب جبلہ کی آنکھ پر تھپڑ رسید کرے۔
جبلہ نے بھڑک کر کہا کہ کیا میری اور اس کی آنکھ برابر ہے۔ میں رئیس ہوں وہ ایک معمولی انسان۔ یہ کہہ کر وہ مدینہ سے بھاگ گیا۔ اور روم میں جا کر مرتد ہو گیا۔ (فتوح البلدان ص۱۴۲)

---

(۹) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک بچے کو دیکھا کہ ماں کی گود میں رو رہا ہے اور باوجود بہلانے کے خاموش نہیں ہوتا۔ آپ نے اس عورت سے وجہ پوچھی تو کہنے لگی کہ میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے۔ اسلئے روتا ہے۔ آپ نے دودھ چھڑانے کی وجہ پوچھی، تو کہنے لگی۔ کہ بیت المال سے وظیفہ اس وقت تک نہیں ملتا، جب تک کہ بچوں کا دودھ نہ چھڑایا جائے۔ حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمانے لگے۔ خدا جانتے میں اس طرح کتنے بچوں کو رلا چکا ہوں۔ آپ فوراً واپس آئے اور حکم جاری کر دیا کہ آئندہ بچہ پیدا ہونے ہی وظیفہ جاری کر دیا جائے۔

---

(۱۰) ایک رات حضرت عمرؓ گشت کو نکلے اور مدینہ سے تین میل دور ایک گاؤں صرار میں پہنچے، دیکھا کہ ایک عورت ہانڈی میں خالی پانی ڈال کر بچوں کو فریب دے رہی ہے اور بچے دو تین دن سے بھوکے ہیں۔ آپ فوراً واپس آئے اور بیت المال سے آٹے، گوشت اور گھی وغیرہ کی ایک بوری بھر کر غلام سے کہنے لگے کہ میری پیٹھ پر رکھ دو۔ غلام نے اصرار کیا کہ میں اُٹھاتا ہوں۔ فرمانے لگے مسلمانوں کا خادم میں ہوں یا تم۔ اور پھر قیامت کے دن میرا بوجھ کون اُٹھائے گا؟ جب آپ نے یہ سامان اُس عورت کے حوالے کیا تو وہ کہنے لگی۔ خلیفہ بننے کے قابل تم ہو نہ کہ عمرؓ۔

---

(۱۱) زید بن سعد ایک یہودی تھا۔ جس نے رسول کریم صلعم سے کچھ قرض لیا تھا۔ ایک دن بھرے مجمع میں حضورؐ سے گستاخانہ کلام کرنے لگا حضرت عمرؓ جو بھڑکے تو حضورؐ نے فرمایا۔ عمرؓ! تم ظلم کر رہے ہو۔ قرض میں نہیں دیتا، اور تم قرض خواہ سے اُلجھ رہے ہو۔ بدیگر الفاظ تم ایک مجرم کی حمایت کر رہے ہو۔ (شرح شفا)

---

(۱۲) حضرت عمرؓ اپنے حکام اور گورنروں کو مقرر کرنے سے پہلے اُن سے ان باتوں کا عہد لیا کرتے تھے:۔

(۱) کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے۔

(۲) باریک کپڑے نہیں پہنیں گے۔

(۳) چھنا ہوا آٹا نہیں کھائیں گے۔

(۴) چپڑاسی نہیں رکھیں گے۔

(۵) اور اہلِ حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔

عاملوں کو ان کی اسامیوں پر پہنچنے سے پہلے اُن کے سامان کی فہرست ہوا لیتے تھے اور اگر واپسی پر اُن کے سامان میں کوئی اضافہ ہوتا تھا، تو سخت مواخذہ کرتے تھے۔ جس عامل کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ بیماروں کی عیادت کو نہیں جاتا، یا کمزور اس کے دربار تک پہنچ نہیں سکتا، تو اُسے فوراً موقوف کر دیتے۔ (کتاب الخراج ص۶۶)

---

(۱۳) ایک مرتبہ مصر کے حاکم عیاض بن غنم کے متعلق رپورٹ پہنچی، کہ وہ باریک کپڑا پہنتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے پولیس آفیسر محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جاؤ اور عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ۔ محمد مصر میں پہنچے تو دیکھا کہ دروازے پر دربان موجود ہے اور عیاض باریک کپڑے پہن کر بیٹھا ہوا ہے۔ آپ اُسے اُسی حالت میں لے آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اُتروا کر بالوں کا کرتہ پہنایا، اور پھر بکریوں کا گلہ منگوا کر فرمایا، کہ تم انسانوں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں، جاؤ اور بکریاں چرایا کرو۔

(کتاب الخراج ص۶۶)

---

(۱۴) جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ فاتح ایران سعد بن ابی وقاص نے

کوفہ میں اپنے لئے ایک محل بنوایا ہے، تو آپ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جاؤ اور اُس محل کو آگ لگا دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

(مسند ابن حنبل ج ۱ صہ ۵۴)

---

(۱۵) ایک مرتبہ حج کے میدان میں ایک شخص نے شکایت کی کہ فلاں گورنر نے مجھے ثبوت جرم کے بغیر چند دُرے لگائے ہیں۔ حضرت عمر رض نے اُس شخص کو حکم دیا کہ سر محفل گورنر کو دُرے لگائے، وہ دُرے لگانے کو تھا کہ دو سو اشرفی پر عمر بن عاص نے صلح کرادی۔

---

(۱۶) حضرت عمر رض کو معلوم ہوا کہ حضرت عبادہ بن حذافہ نے مصر میں ایک دو منزلہ مکان بنوایا ہے۔ آپ نے مصر کے گورنر عمر بن عاص کو لکھا کہ اس بالا خانے کو فوراً گرادو، اِسلئے کہ اس سے ہمسایوں کی پردہ دری ہوتی ہے۔ (حسن المحاضرہ ج ۱ صہ ۵۹)

---

(۱۷) ایک مرتبہ عتبہ بن فرقد نے کوئی لذیذ سی چیز پکوا کر حضرت عمر رض کو بھیجی آپ نے پوچھا کہ کیا کُل مسلمان یہی کھاتے ہیں؟ بولے نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ کی کمائی نہیں ہے کہ یوں عیاشیوں میں برباد کرتے پھرو۔ تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ وہی چیزیں کھاؤ جو عوام کھاتے ہیں۔

(یعقوبی ج ۲ صہ ۱۶۸)

(۱۸) حضرت عمرؓ کی اس سخت گیری نے سب کو صراطِ مستقیم پر رکھا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ ایک گورنر سعد بن عامر دربار میں آئے۔ اُن کے پاس ایک تھیلا، ایک لاٹھی اور ایک پیالہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا تمہارا سامان صرف اتنا ہی ہے، کہا بس اتنا ہی۔ لاٹھی کے ساتھ تھیلا لٹکا دیتا ہوں۔ اور پیالے میں کھانا کھا لیتا ہوں۔

(استیعاب۔ تذکرہ سعد بن عامر)

---

(۱۹) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مصر کے گورنر عمرو بن عاص کو لکھا کہ جب ہم نے تمہیں گورنر مقرر کیا تھا، تو اس وقت تمہارے پاس اتنا سامان نہیں تھا جتنا اس وقت ہے۔ اس لئے فالتو سامان فوراً بیت المال میں جمع کراؤ۔ (فتوح البلدان صـ۲۳۶)

---

(۲۰) حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے واپس آئے، تو اپنے ساتھ بارہ ہزار روپے لائے۔ حضرت عمرؓ نے یہ رقم لے کر خزانہ میں داخل کر دی اور فرمایا کہ تم نے خدا کا مال چرایا ہے۔ (فتوح البلدان صـ۹۰)

---

(۲۱) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے تمام گورنروں کے سامان کا جائزہ لیا، اور سب کا مالی ہمہ گیری خزانے میں داخل کر کے صرف جوتوں کا ایک ایک جوڑا رہنے دیا۔ (فتوح البلدان صـ۲۹۲)

(۲۲) فتح خیبر کے بعد رسول کریمؐ اور اہلِ خیبر میں ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی رُو سے زرعی پیداوار نصف نصف کر لی گئی تھی۔ جب کھیتیاں تیار ہو گئیں، تو حضورؐ نے عبداللہ بن رواحہ کو تقسیم پیداوار کے لئے بھیجا۔ آپ نے پیداوار کے دو حصے کئے، اور اہلِ خیبر کو اختیار دیا کہ وہ جو حصہ چاہیں لے لیں۔ ان لوگوں نے عورتوں کے زیور جمع کر کے آپ کو رشوت دینا چاہی۔ آپ نے فرمایا مجھے یقین ہے کہ تم لوگ اسلام کے دشمن ہو لیکن یہ یقین مجھے بے انصافی کی ترغیب نہیں دے سکتا۔ تم نے رشوت پیش کر کے مجھے اشتعال دلایا۔ لیکن یاد رکھو کہ اس اشتعال کے باوجود میں انصاف کو نہیں چھوڑوں گا۔ یہ سُن کر یہودیانِ خیبر نے کہا۔ خدا کی قسم زمین و آسمان اسی عدل و انصاف کے بل پہ قائم ہیں۔

(موطائے امام مالک کتاب المساقاۃ)

---

(۲۳) غیر مسلم شور مچاتے ہیں کہ اسلام ان پر جزیہ لگاتا ہے۔ حالانکہ اسلام جو کچھ مسلمانوں سے وصول کرتا ہے۔ مثلاً عشر۔ زکوٰۃ۔ صدقہ وغیرہ وہ اس جزیہ سے بہت زیادہ ہے۔ جزیہ کی مقدار خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ تھی:۔

(۱) سرمایہ دار۔ ۴ درہم ماہوار (درہم ۱۰ کے برابر ہوتا ہے)

(۲) متوسط جماعت ۲ درہم ماہوار۔

(۳) نسبتاً غریب ایک درہم ماہوار۔

حضرت ابوبکرؓ نے نادار۔ معذور اور بیکار غیر مسلموں کو جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ چونکہ غیر مسلموں کی حفاظت مسلمانوں کے فرائض میں شامل تھی اور چونکہ ان لوگوں کے لئے فوج میں بھرتی ہونا ضروری نہیں تھا۔ اسلئے یہ معمولی سا ٹیکس ان سے وصول کیا جاتا تھا۔ اور وہ لوگ اس ٹیکس کے عوض تمام رعایات سے مستفید ہو سکتے تھے مثلاً سڑکوں، سکولوں، شفا خانوں اور دیگر مفید اداروں کا استعمال جان و مال کی حفاظت وغیرہ

---

(۴۳) جب بعض حالات کی بناء پر حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو حمص چھوڑنا پڑا، تو آپ نے شہر کے تمام یہود و نصاریٰ کو بلا کر فرمایا کہ ہم نے تم سے جزیہ تمہاری حفاظت کی خاطر لیا تھا۔ چونکہ اب ہم جا رہے ہیں اور تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ اسلئے یہ اپنا جزیہ واپس لے لو۔ اس پر یہود اور نصاریٰ نے قسم کھا کر کہا کہ اگر ہمیں اپنا بادشاہ منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا، تو ہم تمہیں ہی اپنا بادشاہ انتخاب کریں گے۔

---

(۴۴) حضرت عمرؓ نے وفات سے پہلے غیر مسلموں کے متعلق فرمایا تھا میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلموں سے اپنے معاہدے کو نبھائے۔ ان کی حفاظت کے لئے جان لڑانی پڑے تو لڑا دے اور انہیں تکلیف نہ دے۔

حضرت خالدؓ نے جس قدر معاہدے غیر مسلموں سے کئے تھے اُن میں یہ

تحفظات لازماً موجود ہوتے تھے۔

(۱) کہ اُن کی عبادت گاہوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

(۲) انہیں اختیار ہوگا کہ وہ جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں۔ اوقاتِ نماز کے بغیر۔

(۳) وہ مذہبی جلوس جب چاہیں نکال سکتے ہیں۔

(۴) کسی پادری کو اس کے عہدے سے الگ نہیں کیا جائے گا۔

(کتاب الخراج)

---

(۲۵) ایک مرتبہ غیر مسلموں کا ایک وفد حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا میرے حکام آپ کو تنگ تو نہیں کرتے اُنہوں نے جواب دیا۔

ما رأینا منھم الا وفاءً وملکۃ	ہم نے اُن میں وفاداری اور بہترین سلوک کے بغیر اور کچھ نہیں دیکھا۔ (طبری ص ۲۵۶)

---

(۲۶) خلفائے کئی غیر مسلموں کو ملکی عہدے دے رکھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ابوزبید نامی ایک عیسائی کو گورنر مقرر کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے ایک عیسائی کو اپنا میر منشی بنایا تھا۔ امیر معاویہؓ کے دربار میں سب سے زیادہ با اقتدار شخص ابن آثال نصرانی تھا جس کو اُنہوں نے حمص کا کلکٹر مقرر کیا تھا خلفائے عباسیہ کے درباروں میں تو عیسائیوں کو بہت زیادہ نفوذ

حاصل تھا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۹۵)

---

(۲۷) جب شام کے ایک شہر لبوس کے عیسائیوں نے معاہدے کو توڑ کر رومیوں سے ساز باز شروع کر دی اور ان کو جلاوطن کرنا ضروری سمجھا گیا، تو حضرت عمرؓ نے وہاں کے حاکم عمیر بن سعد کو ہدایت کی کہ جلاوطنی سے پہلے عیسائیوں کو ان کی تمام جائداد اور سامان کی دگنی قیمت ادا کرو اور ایک سال کی مہلت دو۔ (فتوح البلدان ص ۹۳)

یہ تھیں ہماری روایات۔ دوسری طرف سردار پٹیل اور تارا سنگھ کی روایات کا نمونہ تو آپ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد دیکھ ہی چکے ہیں۔

ہمارے اسلاف کی دیانت

(۱) ایک دفعہ حضرت عمرؓ بیمار ہو گئے اور دوا کے لئے شہد کی ضرورت پڑی۔ اتفاقاً بیت المال سے تھوڑا سا شہد مل گیا۔ استعمال سے پہلے عوام کو جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر فرمانے لگے کہ یہ شہد مسلمانوں کا ہے اگر آپ سب مجھے اجازت دیدیں تو میں لے لونگا۔ ورنہ مجھ پر یہ حرام ہے۔ (ترجمہ ازالہ تذکرہ عمرؓ)

---

(۲) ایک بار حضرت عمرؓ حج کو گئے اور آمد و رفت پر ۸۰ درہم (تقریباً

۱۷ روپے محتاج ہو گئے۔ اس پر انہیں اتنا افسوس ہُوا کہ ہاتھ پر ہاتھ مارتے اور فرماتے۔

مَا خَلَقْنَا اَنْ نُسْرِفَ فِیْ مَالِ اللّٰہِ۔	ہم اس لئے نہیں پیدا کئے گئے کہ اللہ کے مال کو یوں بیدردی سے اڑاتے پھریں۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۶۲)

---

(۳) ایک دفعہ شاہِ روم کا قاصد آیا، تو آپ کی زوجہ محترمہ نے عطر کی ایک شیشی ہدیۃً ملکۂ روم کو بھیجی، اس نے جواباً وہی شیشی موتیوں سے بھر کر واپس کردی۔ حضرت عمرؓ کو علم ہُوا تو آپ نے موتی بیچ کر اُن کی قیمت بیت المال میں داخل کردی اور عطر کی اصل قیمت اپنی بیگم کے حوالے کی۔

---

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تجارت کی غرض سے اونٹ خریدے اور انہیں فربہ کرنے کے بعد منڈی میں فروخت کرنے کے لئے لے گئے۔ ادھر سے حضرت عمرؓ آگئے۔ اونٹوں کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ لوگوں نے تمہیں امیر المومنین کا بیٹا سمجھ کر اپنی چراگاہوں میں اونٹ چرانے کی اجازت دیدی۔ اس لئے یہ لو اونٹوں کی اصل قیمت اور اونٹ بیت المال میں داخل کرو۔

---

(۵) ایک مرتبہ کسی رئیس نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت حسینؓ کیلئے ہدیۃً

دو چادریں کھینچیں۔ حضرت علی خطبہ دے رہے تھے کہ بیٹیوں پر نظر پڑ گئی۔ فوراً چادریں چھین کر بیت المال میں داخل کرا دیں۔
(نزہتہ الابرار تذکرہ حضرت علیؓ)

---

(۶) ایک دفعہ اصفہان سے کچھ مال آیا، جس میں کچھ گھی اور شہد بھی تھا گھی اور شہد حضرت علیؓ کی دختر ام کلثوم نے لے لیا۔ حضرت علیؓ کو علم ہوا تو آپ نے قیمت وصول کر کے خزانے میں داخل کر دی۔
(نزہتہ الابرار تذکرہ حضرت علیؓ)

---

(۷) سیدۂ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں چکی پیسنے سے چھالے پڑ گئے تھے۔ مشک میں پانی بھر بھر کر کندھوں اور سینے پر تسمہ کے نشان تھے۔ جھاڑو دینے کی وجہ سے کپڑے میلے ہو جاتے اور چولہا پھونکنے سے بالوں میں راکھ پڑ جاتی۔ ایک مرتبہ جب آپ نے اپنے والد محترم حضرت سرورِ دو عالم سے خدمت کے لئے ایک نوکر مانگا، تو حضور غصے میں فرمانے لگے۔ بیت المال فقراء و یتامیٰ کا حق ہے اور تمہارا باپ ابھی زندہ ہے۔

---

(۸) ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ کو سونے کا ایک ہار دیا۔ رسولِ مقبول صلعم نے دیکھ پایا، تو فرمایا۔ کیوں فاطمہ! تم لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول کی بیٹی نے آگ کا ہار پہن رکھا ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے اسے

صفحہ 165 سے آگے

یہ ہے آیۂ امانت جس کی تشریح عموماً غلط ہوتی رہی ہے۔ عام تفسیر یہ ہے کہ اللہ نے اپنی امانت زمین و آسمان کے سامنے پیش کی۔ سب نے اس امانت کو لینے سے انکار کردیا۔ لیکن انسان نے یہ امانت اٹھالی۔ اسلئے کہ وہ ظالم تھا اور جاہل بھی۔ اس تفسیر پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

اوّل۔ اللہ عالم الغیب ہے۔ جب اسے علم تھا کہ زمین و آسمان امانت لینے سے انکار کردیں گے تو اللہ نے پیش ہی کیوں کی؟

دوم۔ ارض و سما میں یہ جرأت کیسے پیدا ہوئی کہ وہ ارشادِ خداوندی سے سرتابی کریں۔ ایک طرف تو قرآن میں ارض و سما کو مومن و مسلم کہا جاتا ہے اور دوسری طرف اُس کی سرتابی کے افسانے بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ آخر اس تضاد میں تطبیق کون پیدا کرے گا؟

سوم۔ جب ساری کائنات کے انکار کے بعد اُس امانت کو انسان نے قبول کیا تھا تو پھر اسے ظالم و جاہل کا تمغہ کیوں عنایت ہوا۔ ایک تو یہ غریب تمام مخلوق کی ردکردہ امانت کو اُٹھائے۔ اور دوسری طرف بجائے تحسین و آفرین کے گالیاں بھی کھائے۔ کیا خدائی حکم کی تعمیل کا صلہ یہی ہونا چاہیئے تھا؟

مفسرین سے یہ غلطی اسلئے سرزد ہوئی کہ انہوں نے لفظ حَمَلَ کی پوری تحقیق نہیں کی تھی۔ حَمَلَ کے معنی اُٹھانا بھی ہیں اور خیانت کرنا بھی۔

قاموس فیروز آبادی میں درج ہے حَمَلَ = خَانَ (یعنی خیانت کی) ان معنوں کی روشنی میں آیت کا ترجمہ یوں ہوگا۔

ترجمہ۔ (ہم نے اپنی امانت (آئین)، آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں (یعنی تمام کائنات) کے سامنے پیش کی۔ ان سب نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کردیا (یعنی الٰہی آئین کو نباہنے میں مصروف عمل ہوگئے) اور آئین شکنی کے نتائج سے ڈر گئے۔ لیکن انسان نے اس امانت میں خیانت کی۔ اسلئے کہ وہ ظالم بھی تھا اور جاہل بھی۔)

یہ تشریح نہ تو قرآن کی کسی دوسری آیت سے متصادم ہوتی ہے۔ اور نہ انسان کی موجودہ و گذشتہ ہولناک تاریخ سے ٹکراتی ہے۔ عربی کی مشہور لغات منتہی الارب میں لفظ حَمَلَ کے تحت آیت مذکورہ کا یہ ٹکڑا اس تشریح کے ساتھ درج ہے۔

فابین ان یحملنھا وحملھا الانسان

(ابا کردند از خیانت در آں امانت و خیانت کرد در آں انسان)

انسانی تاریخ انسانی تباہی کے مہیب واقعات سے لبریز ہے۔ یہ واقعات کیوں پیش آئے؟ اس کا جواب ہر زمانے میں ایک تھا۔ اور ایک رہے گا۔ یعنی مکافاتِ عمل۔ اگر کسی سلطنت میں رشوت عام ہو جائے تو انصاف کہاں باقی رہیگا۔ نتیجتہً رعایا میں بے چینی پیدا ہو جائے گی۔ راعی اور رعیت کے تعلقات بگڑ جائینگے۔ ملک میں پانچواں کالم پیدا ہو جائیگا۔ اور وقت آنے پر یہ بے چین رعیت حملہ آور قوموں کا مقدمۃ الجیش بن جائے گی۔

یہی حال باقی تمام اوصافِ حسنہ کا ہے۔ مثلاً ملک سے سچائی اٹھا دیجئے ہر شخص دوسرے سے بداعتماد ہو جائے گا۔ اور یہ چھوٹے لوگ کسی ایک مقصد کیلئے

کبھی متحد نہیں ہو سکیں گے۔ شراب نوشی زنا کی ترغیب دیتی ہے۔ زنا کا لازمی نتیجہ خانگی زندگی کی تباہی۔ سماجی بے وقری۔ ذلیل رقیبانہ کشمکش۔ قوائے عمل کا اہمال اور معالیٔ حیات سے نفرت ہے۔ قمار بازی یا چور بنا دیتی ہے۔ اور یا پرلے درجے کا عیاش۔ جوئے میں ہارنے والا۔ جیبیں کترنے اور رات کو تالے توڑنے پر اتر آتا ہے، اور جیتنے والا اس مفت ہاتھ آئی ہوئی دولت کو عموماً عیش و طرب میں اڑا دیتا ہے۔

ماحصل یہ کہ گناہ کا لازمی نتیجہ تباہی اور نیکی کا بدیہی ثمرہ دنیوی و اخروی حیات ہے۔ اللہ نے سینکڑوں کتابیں اور لاکھوں پیمبر اسی مقصد کے لئے بھیجے تھے۔ کہ انسان بری راہوں کی طرف مائل ہو کر برے عواقب کا شکار نہ ہو۔ لیکن چند عارضی و تعنول کے بغیر یہ ہمیشہ گناہوں کی لذیذ تاریکیوں میں کھویا رہا۔

چونکہ سست کوشوں۔ نفس پرستوں۔ عیاشوں۔ راشیوں اور نااہلوں کے پاس نہ آج تک سلطنت رہی ہے اور نہ آئندہ رہے گی۔ اسلئے اہلِ پاکستان کا فرض ہے کہ وہ فوراً اپنے اخلاق کا جائزہ لیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری کج راہیاں ہمیں ہندوؤں یا سکھوں کا محکوم بنا دیں۔ تاریخ میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ اللہ نے ایک بدراہ قوم کو سزا دینے کے لئے ایک اور ظالم خونخوار اور درندہ سیرت قوم کو اس پر مسلط کر دیا۔ آخری عیاش عباسیوں کو سزا دینے کے لئے ہلاکو خان کتنے دور سے آیا تھا۔ سلجوقیوں کی گوشمالی کے لئے غز کہاں سے اٹھے تھے۔ محمد شاہ (رنگیلے) کے رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لئے نادرشاہ کو کتنی مسافت طے کرنا پڑی۔

تھی مغلوں کے آخری دور میں مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں نے مسلمانوں کی کیا درگت بنائی تھی۔ بگڑے ہوئے انگریزوں کا دماغ ٹھیک کرنے کے لئے ہٹلر نے کتنا بڑا محشر بپا کیا تھا۔ گو ہٹلر مٹ گیا۔ چنگیز و ہلاکو کی داستان افسانہ ہو گئی اور نادر، تلوہ کی شوکت تاریخ کے قبرستان میں ہمیشہ کے لئے دفن ہو گئی لیکن اللہ انہیں جس مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ وہ پورا ہو کر رہا یعنی مختلف قوام کی گوشمالی۔ بنا بریں مجھے یقین ہے کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو قرآن کے سانچے میں نہ ڈھالا تو ہمارا حشر بھی وہی ہو گا۔ جو ہم سے پہلوں کا ہو چکا ہے۔ اللہ اپنی عادت کو کبھی نہیں بدلتا اور نہ وہ موجودہ مسلمانوں سے ڈرتا ہے۔ اسکی انتقامی چلیاں پوری تندی سے چل رہی ہیں اور ہر قوم یا فرد کو بے دریغ پیس رہی ہیں۔

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (قرآن)	اگر تم نے ہماری راہوں کو چھوڑ دیا۔ تو یاد رکھو کہ ہم بدکاروں کو مٹانے میں نہایت دلیر واقع ہوئے ہیں۔

چونکہ بدکرداری سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو نیک بنائے۔ حضرت عمرؓ کا دُرّہ دس برس تک اسی مقصد کے لئے استعمال ہوتا رہا۔ خالد بن ولید، سعد بن ابی وقاص اور طارق کی شمشیر ہائے تابدار اسی بلند منتہا کے لئے حجاب نیام سے باہر نکلی تھیں۔ اسلامی فتوحات کا مقصد ملک گیری نہ تھا بلکہ روئے زمین سے بدکاری و ظلم کو مٹانا تھا۔ جھوٹ۔ بددیانتی۔ رشوت۔ فریب اور حرام کاری کی

جگہ انصاف۔ سچائی۔ پاکیزگی۔ دیانت اور ہمہ گیر محبت کا سکہ رائج کرتا تھا۔ اور اس لئے مسلمان جہاں کہیں سیاہ کاری دیکھ پاتے تھے اس پر بجلی بن کر گرتے تھے۔ اسلام کسی کا مذہب زبردستی تبدیل نہیں کرتا۔ لیکن لامذہب رہنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ آں حضرت صلعم نے قیصر روم کسرائے ایران عزیز مصر اور امرائے عرب کو خطوط میں دو متبادل چیزیں پیش فرمائی تھیں۔ کہ یا تو اسلام لاکر ہم سے مل جاؤ اور یا اپنی الہامی کتابوں پر عمل کرو۔ آنحضرت کا مقصد بدی کا مٹانا تھا۔ اور اس کی دو ہی صورتیں تھیں۔ کہ یا تو وہ لوگ مسلمان ہو جاتے اور یا اپنی کتابوں پر عمل کر کے نیک بنتے جن اقوام نے کسی ایک شق کو قبول کر لیا۔ حضورؐ نے ان سے کسی قسم کا تعرض نہ فرمایا۔ اور باقی ماندہ کے خلاف آپ نے یا آپ کے جانشینوں نے باقاعدہ جنگ کی۔ یہی مطلب ہے آیۂ ذیل کا:۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۔	اور تم ان لوگوں سے اسوقت تک لڑو جب تک شرارت مٹ نہ جائے اور اللہ کا قانون وہاں نافذ نہ ہو جائے۔

اسلام وہی مذہب ہے۔ جو سب سے پہلے حضرت آدم کو اور پھر لاکھوں انبیاء کو دیا گیا تھا۔ یہ مذہب کبھی عبرانی میں نازل ہوا۔ کبھی بابلی کبھی مصری اور کبھی عربی میں۔ آں حضرت صلعم اسی مذہب کی تجدید کے لئے تشریف فرما ہوئے تھے۔ چونکہ آپ کا نصب العین دنیا میں نیکی پھیلانا تھا۔ اور اس نیکی کا درس

105244

تورات، و انجیل نے بھی دیا تھا۔ اسی لئے آپ یہود و نصاریٰ سے یہی فرماتے رہے۔ کہ :-

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ (قرآن)	آؤ ہم قرآن اور تورات و انجیل کے مشترک احکام پر مل کر عمل کریں۔

یعنی اگر تم قرآن سے درس نیکی نہیں لینا چاہتے تو تورات کو کھول لو۔ ہمارا مقصد تم سے رشوت، بددیانتی، جھوٹ، فریب و بدکاری چھڑانا ہے مسلمان بن کر چھوڑ دو یا سچے مسیحی و موسائی بن کر۔ بعض لوگ ہم پہ اعتراض کرتے ہیں کہ عربوں نے اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا تھا۔ تاریخی نقطہ نگاہ سے یہ الزام از بس بے بنیاد ہے۔ لیکن اگر درست بھی ہو، تو ہرج کیا ہے۔ اسلام نام ہے پاکیزگی اخلاق اور تطہیر دل و دماغ کا۔ یعنی ایک ایسی دنیا کا جہاں رشوت، ظلم، عیاشی، لوٹ مار، جہالت اور نسلی غرور نہ ہو۔ اور ایک ایسی زندگی کا جو تمام آلائشوں اور غلاظتوں سے پاک ہو۔ آج تلواریں کھینچی جاتی ہیں۔ تیل کے چشموں، ربڑ کے کھیتوں، کوئلہ کی کانوں اور زیادہ سے زیادہ انسانوں کو غلام بنانے کے لئے۔ کتنی ذلیل ہے وہ تلوار جو ان ذلیل مقاصد کے لئے سونتی گئی ہو۔ اور کتنی بلند ہے وہ تلوار جو اس غرض کے لئے سونتی جائے کہ کوئی ظالم امیر غریبوں کا خون نہ چوس سکے، کوئی عیاش نواب ہر شب اک نئی دوشیزہ کو زینت شبستاں نہ بنا سکے۔ کوئی فریبی، مکار اور جھوٹا دوسرے کو دھوکہ نہ دے سکے اور کوئی مجسٹریٹ چند ٹکوں کے عوض انصاف نہ بیچ سکے اسلام اسی بلند لائحہ عمل کا نام ہے اگر انسانوں کی حتمی بہتری کے لئے یہ

عظیم الشان نظام حیات بزور شمشیر بھی نافذ کر دیا جائے۔ تو حرج کیا ہے۔

ہاں تو میں عرض یہ کر رہا تھا۔ کہ اصلاح اخلاق کے سلسلے میں پہلی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اُس کے بعد علماء پر۔ علما کے لئے دو ہی طریقے ہیں۔ اول ہم کو الٰہی حکام پڑھ کر سنائیں۔ دوم عوام کے سامنے اسلاف کا اسوۂ عمل پیش کریں۔

آج ہم دوسرا طریق اختیار کر رہے ہیں۔ لیجیئے اپنے بزرگوں کی تاریخی کہانیاں سنیئے۔ اس سلسلۂ مضامین میں صرف رسولِ کریم اور صحابۂ کرام کے بعض واقعات حیات کا ذکر ہوگا۔

جہاد

جو قوم مرنا نہیں جانتی وہ زندہ بھی نہیں رہ سکتی مسلمان اللہ کا سپاہی ہے۔ جو صرف اللہ کے لئے زندہ رہتا ہے، لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ دینِ الٰہی خطرہ میں ہے۔ اور دُنیا اللہ سے کٹ کر ماسوئ اللہ سے رشتہ جوڑ رہی ہے تو وہ موت کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود پڑتا ہے۔ ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی (اقبالؒ)

عالم دو ہیں، یہ دُنیا جہاں قدم قدم پر موت ہمیں دھمکاتی ہے۔ اور وہ دُنیا جہاں زندگی کی سرحدیں ابد سے وابستہ ہیں۔ ایک مجاہد زندگی کی اس گلی سڑی

اور عارضی متاع کو بیچ کر اللہ کے جوارِ رحمت میں ایک بے پایاں اور تابدار زندگی خرید لیتا ہے۔ کہئیے کون خسارے میں رہا؟ اللہ کا وہ سپاہی جس نے یہ عارضی لمحات دے کر حیاتِ جاوداں کی لازوالی بہاریں خرید لیں یا وہ عیاش بُزدل جو یہاں حد سے عرتا رہا۔ اور وہاں آتشِ جہنم کا ایندھن بن گیا، مسلمان کیا ہے؟

اندر آہ صبح گاہِ او حیات
تازہ از صبح نمودش کائنات
بحر و بر از زورِ طوفانش خراب
در نگاہِ او پیامِ انقلاب (اقبالؒ)

آئیے اب ذرا اپنے اسلاف کے کارناموں پہ نگاہ ڈالئیے جو تاریخ کے دُھندلکے میں اخترِ سحر کی طرح دمک رہے ہیں۔

حکایاتِ اسلاف

(۱) جنگِ اُحد (شوال ۳ھ) میں جب مشہور ہو گیا کہ حضورؐ شہید ہو گئے ہیں، تو بددلی میں حضرت عمرؓ تلوار پھینک کر زمین پہ بیٹھ گئے۔ اس اثنا میں ایک صحابی ابن نضرؓ، ان کے پاس سے گزرے اور اس شکستہ ہمتی کی وجہ پوچھی تو حضرت عمرؓ فرمانے لگے۔ کہ حضورؐ کی شہادت کے بعد اب کیا لڑنا ہے۔ ابن نضر فرمانے لگے۔ اگر واقعی رسول شہید ہو گئے ہیں تو ان کے بعد زندہ رہ کر ہم نے کیا کرنا ہے۔ یہ کہہ کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ کفار کی فوج میں

میں داخل ہو گئے۔ اور اسّی سے زیادہ زخم کھا کر شہید ہو گئے۔

---

(۲) حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ کو اپنی بیوی عاتکہ سے اس قدر محبت تھی کہ وہ ایک دفعہ جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ کو حکم دیدیا کہ چونکہ تمہاری بیوی تم کو اللہ سے دُور لے جا رہی ہے۔ اس لئے اسے فوراً طلاق دیدو۔ تعمیل حکم کے بغیر چارہ ہی کیا تھا۔ طلاق کے بعد عبداللہ نے عاتکہ کے فراق میں نہایت درد انگیز اشعار لکھے۔

(اسد الغابہ بہ تذکرہ عاتکہ)

---

(۳) ایک مرتبہ رسول اللہ نے جہاد کے لئے منادی کرائی۔ جب قافلہ روانہ ہونے لگا۔ تو ایک نہایت ضعیف صحابی بھی شامل ہو گئے۔ اور اپنی خدمت کے لئے تین دینار پر ایک نوکر ساتھ لے گئے۔ یعنی شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا۔

(ابوداؤد کتاب الجہاد)

---

(۴) ایک بدّو اسلام لانے کے بعد بعض اصحابہ کے اونٹ چرایا کرتا تھا ایک لڑائی میں کچھ مال غنیمت ملا۔ تو حضورؐ نے بدّو کو بھی حصّہ دینا چاہا۔ بدّو نے کہا میں مال غنیمت کے لئے اسلام نہیں لایا۔ بلکہ اس لئے کہ حلق میں تیر کھا کر شہادت کا مقام بلند حاصل کروں۔ اللہ کی شان ایک جنگ میں وہ ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہو گیا۔ اور حضورؐ نے اپنا جبہ کفن

کے لئے عنایت فرمایا۔ (نسائی کتاب الجنائز)

---

(۵) جنگِ بدر (رمضان سنہ ۲ھ) میں جب دشمنوں کی فوجیں قریب آگئیں۔ تو حضورؐ نے آواز دی "اُٹھو اور وہ جنت حاصل کرو جس کی وسعت عرض و سما کے برابر ہے" اس اعلان کے وقت عمیر بن الحمام انصاری کھجوریں کھا رہے تھے۔ بلند آواز سے فرمانے لگے تو پھر یہ وقت کھجوروں میں ضائع کرنے کا نہیں۔ کھجوریں پھینک کر شیر کی طرح غرّاتے ہوئے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور شہید ہو گئے۔

---

(۶) ایک مرتبہ ایک صحابی نے میدانِ جنگ میں یہ حدیث بیان کی۔
اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ ظِلِّ السُّیُوْفِ | کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔
ایک اور صحابی اُٹھ کر پوچھنے لگے کہ کیا واقعی رسول نے یہ بات فرمائی ہے۔ بولے "ہاں" اُنہوں نے فوراً تلوار کھینچ لی۔ نیام چیر کر دُور پھینک دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

(مسلم۔ کتاب الامارۃ)

---

(۷) حضرت عمرو بن الجموح بوڑھے اور لنگڑے صحابی تھے۔ غزوہ بدر میں انہیں جہاد کی اجازت نہ ملی۔ جنگ اُحد کا موقعہ آیا تو جانے پر اصرار کرنے لگے۔ بیٹوں نے کہا کہ آپ کو رسول کریم نے جہاد سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ تو

جھٹ بول اُٹھے تم لوگوں نے بدر کے موقعہ پر جنت سے مجھے محروم رکھا تھا اور اب پھر محروم کرنا چاہتے ہو، یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ چنانچہ جنگ اُحد میں شامل ہوئے اور شہادت سے پہلے حضورؐ سے پوچھنے لگے کہ اگر میں مر گیا تو کیا لنگڑاتے لنگڑاتے جنت تک پہنچ جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں"۔ یہ سنکر یوں جم کر لڑے کہ وہیں شہید ہو گئے۔ (اسد الغابہ)

---

(۸) حضرت ابو ایوب انصاری وہ ممتاز صحابی ہیں۔ جن کے گھر میں سرورِ دو عالم ہجرت کے بعد چھ ماہ تک رہے۔ ابو ایوب تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ جب امیر معاویہ نے ۵۲ھ میں روم پر چڑھائی کی تو باوجود کبر سنی اور ضعف کے حضرت ابو ایوب بھی فوج میں شامل ہو گئے اور راہ میں بیمار پڑ گئے جب زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی۔ تو فوج کے سپہ سالار یزید کو کہنے لگے کہ اگر میں مر جاؤں تو میری لاش کو فوج کے ساتھ ساتھ لئے چلو۔ اور وہاں دفن کرو جہاں سے آگے تمہاری فوج کا جانا ناممکن ہو جائے۔ چنانچہ آپ قسطنطنیہ کی دیواروں کے سائے میں دفن ہوئے۔

---

(۹) جب جنگ اُحد میں بڑے بڑے بہادروں کے قدم اُکھڑ گئے، تو حضرت انس بن نضر یہ کہہ کر کہ "مجھے اُحد سے جنت کی خوشبو آتی ہے اور وہ دیکھو جنت سامنے ہے" والہانہ میدان جنگ کی طرف بڑھے اور شہید ہو گئے۔

---

(۱۰) احد میں عین اس وقت حب حضور کی شہادت کا چرچا ہو رہا تھا حضرت سعد بن ربیع نڈھال ہو کر گر پڑے۔ دم ٹوٹ رہا تھا۔ لیکن پھر بھی اپنے ساتھیوں کو کہہ رہے تھے۔

"تم لوگ لیلۃ العقبہ میں رسول کریم کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہو۔ اگر رسول اللہ شہید ہو گئے اور تم زندہ رہے تو خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔"

(اسد الغابہ ج ۲۔ ص ۲۷۷-۷۸)

---

(۱۱) حضرت حسان بن ثابت کی منزلت سے کون آگاہ نہیں۔ آپ دربار نبوت کے شاعر اور حضور پرنور کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ لیکن بزدلی کی وجہ سے جہاد میں شامل نہیں ہوتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" ج ۲ ص ۲۴۸ میں لکھتے ہیں۔ کہ اس بنا پر حسان کو بعض صحابہ لعین کہا کرتے تھے۔

---

(۱۲) حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص ان فوجوں کے سپہ سالار تھے جو ایران پہ بڑھ رہی تھیں۔ محرم ۱۴ھ ۶۳۶ء میں فرات کے کنارے قادسیہ کے مقام پر مشہور جنگ ہوئی۔ چونکہ حضرت سعد گنٹھیا کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ اسلئے ایک مکان کی بالائی منزل پر بیٹھ کر افواج کو ہدایات دینے لگے۔ انکی زوجہ محترمہ سلمیٰ بھی ہمراہ تھیں۔ ایک موقعہ پر جب ہاتھی آگے بڑھے اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے تو حضرت سعد غصے سے پیچ و تاب کھانے

لگے۔ اس موقعہ پر سلمیٰ نے طنزاً کہا۔ کاش کہ آج مثنیٰ موجود ہوتا تو مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی۔ حضرت سعدؓ نے سلمیٰ کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ سلمیٰ کہنے لگی۔ "سبحان اللہ بزدلی کے ساتھ غیرت بھی" یہ اس بات پر طعنہ تھا۔ کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہیں تھے۔

---

(۱۳) قادسیہ کی جنگ میں سعد نے عرب کے ایک مشہور بہادر شاعر ابو محجن ثقفی کو شراب پینے کے جرم میں بیڑیاں پہنا کر ایک مکان میں مقید کر دیا تھا۔ ابو محجن دریچے سے لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے۔ اور شوق شہادت میں بیتاب ہو رہے تھے آخر ضبط نہ کر سکے۔ تو جنابہ سلمیٰ سے گڑگڑا کر درخواست کی، کہ اس وقت مجھے آزاد کر دو، میں شام کو (اگر زندہ رہا) تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا تو آپ نے نہایت پُر درد لہجہ میں اشعار پڑھنا شروع کیئے۔ ایک شعر یہ تھا:۔

كفى حزناً ان تردى الخيل بالقنا

واترك مشدوداً على وثاقيا

(اس سے بڑی مصیبت کیا ہو گی کہ سوار نیزہ بازی کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں۔)

(ان اشعار نے سلمیٰ کو متاثر کیا، چنانچہ انہوں نے بیڑیاں کاٹ دیں اور ابو محجن ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اس دلیری سے حملہ آور ہوا کہ جس طرف کا رخ کرتا، صفوفِ اعدا میں بھاگڑ پھیل جاتی۔ حضرت سعد یہ دیکھ کر حیرت سے فرمانے

لگے خدا جانے یہ شاہسوار کون ہے۔ انداز تو ابو محجن کا معلوم ہوتا ہے۔ جب شام کو ابو محجن نے واپس آکر دوبارہ بیڑیاں پہن لیں۔ تو سلمٰی نے سب حالات سعد سے کہہ دیئے۔ سعد نے انہیں رہا کر دیا اور فرمایا کہ میں اسلام کے ایسے جاں نثار سپوت کو کبھی سزا نہیں دوں گا۔ اس پر ابو محجن نے شراب سے توبہ کر لی۔

---

(۱۴) ۵ رجب ۱۵ھ (۶۳۷ء) کو یرموک کے مقام پر رومیوں اور مسلمانوں میں جنگ ہوئی۔ اس میں حباش بن قیس بھی شامل تھے۔ گھمسان میں کسی نے ان کے پاؤں پر اس زور سے تلوار ماری کہ پاؤں ٹانگ سے علیحدہ ہو گیا اور حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔ شام کے وقت جب جنگ کا ہنگامہ تھم گیا تو حباش ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرا پاؤں کیا ہوا۔

(فتوح البلدان ص ۱۳۱)

یہ تو تھے صحابہ کے چند واقعات۔ اب ذرا ہماری ماؤں کے چند کارنامے ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱۵) جنگِ اُحد میں جب حضور پُرنور میدانِ جنگ میں تنہا رہ گئے۔ اور آپ کی حیاتِ مطہرہ خطرے میں محصور ہو گئی تو ایک صحابیہ اُمِ عمارہ بنت کعب دوڑ کر حضور کے آگے آ گئیں اور اپنا سینہ سپر کر دیا۔ جب کفار آگے بڑھتے، تو آپ کبھی تیروں کی بارش سے اور کبھی تلوار سے کفار کے ریلے کو روکتیں۔ جب

ابن قمیئہ صدا آتا ہوا حضورؐ کے قریب پہنچ گیا تو اُمِ عمارہ سامنے آ گئیں۔ چنانچہ کندھے پر وہ تلوار پڑی کہ ایک گہرا غار بن گیا۔ لیکن آپ نے ابن قمیئہ کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ جنگ مسیلمہ میں اُمِ عمارہ نے ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ کر زمین پر جا پڑا تھا۔

(ابن ہشام صفحہ ۸۴ ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۴)

---

(۱۶) جنگ خندق میں حضورؐ نے تمام اُمہات اور دیگر خواتین کو ایک قلعہ میں بھیج دیا تھا۔ اور حضرت حسان بن ثابت کو ان کا نگران مقرر کیا تھا۔ ایک یہودی اس قلعہ کے ارد گرد گھومتا ہوا نظر آیا۔ خواتین نے حضرت حسان سے کہا کہ اُسے گرفتار کر لاؤ۔ جب حسان نے بزدلی کی وجہ سے انکار کر دیا۔ تو حضورؐ کی ایک بیگم حضرت صفیہؓ لٹھ لے کر نکلیں اور یہودی کو قتل کر ڈالا۔

---

(۱۷) صحیح بخاری میں حضرت انس سے منقول ہے کہ میں نے جنگ اُحد میں حضرت عائشہؓ اور اُمِ سلیم بنت ملحان کو دیکھا۔ کہ پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔

---

(۱۸) اُمِ حکیم بنت حارث ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی بیوی تھیں۔ فتح مکہ (سنہ ۸ھ) میں اسلام لائیں۔ حضرت ابوبکر کے زمانے میں اپنے شوہر کے ہمراہ رومیوں کے خلاف جہاد میں شامل ہوئیں۔ دمشق کے قریب جنگ ہو رہی تھی

صفحہ ۱۶۷ پر جاؤ

کہ رومی فوج کا ایک دستہ عورتوں کے خیمہ کی طرف بڑھا۔ آپ نے خیمہ کی ایک چوب نکال کر اس دلیری سے حملہ کیا کہ سات کافر واصل بہ جہنم ہو گئے۔

---

(۱۹) خنساء بنت عمرو جاہلیت میں ایک معمولی عورت تھی۔ جب اس کے لڑکے صخر کا انتقال ہو گیا۔ تو خنساء کو اس قدر شدید صدمہ پہنچا۔ کہ اس نے شعر میں رونا شروع کر دیا۔ اور انہی مراثی کی بدولت وہ عرب کی سب سے بڑی شاعرہ کہلائی۔ اس کا دیوان بیروت میں ۱۸۸۸ء میں طبع ہوا تھا۔

لیکن اسلام لانے کے بعد خنسا میں اس قدر انقلاب آیا کہ جنگ قادسیہ میں اپنے چار جوان بیٹوں کو لے کر پہنچی۔ چاروں گھوڑوں پر سوار تھے۔ رجز پڑھتے ہوئے اس دلیری سے جم کر لڑے کہ چاروں شہید ہو گئے۔ جب خنساء کو ان کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو سجدۂ شکر میں گر کر کہنے لگی۔ اے اللہ میں کس زبان سے تیرا شکریہ ادا کروں کہ تو نے میری یہ حقیر منت قبول فرمائی۔

(اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۴۴۲)

---

(۲۰) اُمّ حرام بنت ملحان حضورؐ کے رشتے میں سے تھیں۔ آپ مدینہ کی بستی قبا کی طرف جاتے تو واپسی پر اُمّ حرام کے ہاں عموماً تشریف فرما ہوتے اور کبھی کبھی کھانا بھی لیتے۔ ایک دن حضور اُمّ حرام کے ہاں کھانا تناول فرمانے کے بعد آرام کر رہے تھے کہ اُمّ حرام نے جُوئیں دیکھنا شروع کر دیں۔ آپ کو نیند

فوراً اُتار پھینکا۔

(۹) ایک مرتبہ سرور کائنات ایک لڑائی سے واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے خیر مقدم کیلئے دروازے پر رنگین پردے لٹکائے۔ اور حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ آپ جونہی گھر میں داخل ہوئے ابروئے نبوت پر شکن پڑ گئے۔ اور فرمایا۔

"اے اللہ! میں نہیں چاہتا کہ میرے اہل بیت دنیوی آلائشوں سے آلودہ ہوں" حضرت فاطمہؓ نے فوراً پردے چاک کر دئے اور کنگن اُتار ڈالے۔

(ابوداؤد نسائی)

(۱۰) ذیقعدہ ۱۴ھ (۶۳۶ء) میں منحل کے مقام پر جو شرق اردن کے شہر طبریہ سے ۱۶/۱۷ میل دور ہے۔ رومی اور اسلامی فوجیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئیں۔ جنگ سے پہلے عیسائیوں کی درخواست پر حضرت ابوعبیدہ نے معاذ بن جبل کو شرائط صلح پر بحث کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ رومیوں کے آراستہ و پیراستہ دربار میں پہنچے تو قالینوں کو اُلٹ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ اور فرمانے لگے کہ جو فرش غریبوں کا حق چھین کر تیار کیا گیا ہو، میں اُس پر نہیں بیٹھ سکتا۔

(۱۱) ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا تو حضرت عمرؓ کی دختر اور سرور کائناتؐ

کی زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ بھی کچھ لینے کے لئے آئیں۔ حضرت عمرؓ کی نگاہ اُن پر پڑی تو طیش میں آ کر بولے "حفصہ تم کیوں آئیں؟ تم اپنے باپ کے مال سے تو حصہ لے سکتی ہو۔ لیکن یہ مال غنیمت ہے تمہارے باپ کا مال نہیں"۔ حضرت حفصہؓ خفیف سی ہو کر چلی گئیں۔

(مسند امام حنبل)

ہمارے بزرگوں کی سادگی انکسار اور قناعت

(۱) ایک سفر میں جب صحابہ کرام کھانے کا انتظام کرنے لگے تو سرور دو عالمؐ نے فرمایا۔ کہ میں جنگل سے ایندھن اکٹھا کروں گا۔ تمام صحابہ نے بیک زبان التماس کی آپ آرام فرمائیں ہم سب کام کر لیں گے لیکن حضورؐ نے ما نے اور فرمایا "اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا، جو ساتھیوں سے بڑا بنتا ہے"

(زرقانی صـ ۳۰۶)

---

(۲) ایک دفعہ حضورؐ کی تشریف آوری پر صحابہ تعظیم کیلئے اٹھے تو آپ نے فرمایا کہ ایسا مت کرو کہ یہ اہل عجم کے آداب ہیں۔ (ابن ماجہ)

---

(۳) ایک مرتبہ ایک شخص کاشانۂ نبوت میں آیا اور ہیبت رسولؐ سے

کانپنے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ڈرو مت کہ میں ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔

---

(۴) ایک دفعہ ایک صحابی نے حضورؐ کو "میرے آقا" کہہ کر پکارا۔ آپؐ نے فرمایا "میں عبداللہ کا بیٹا ہوں اور اللہ کا قاصد۔ بس اس سے زیادہ مجھے ہرگز نہ سمجھو"۔ (صحیح مسلم)

---

(۵) جب بنی عامر کے نمایندے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک نے کہا "آپ ہم سے افضل ہیں" حضورؐ نے فرمایا "بات کہنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔ کہ کہیں تمہاری زبان شیطان کے قابو میں تو نہیں"۔

(ابوداؤد)

---

(۶) جب محرم ۷ھ (۶۲۹ء) میں خیبر کا مشہور مقام بڑے کشت و خون کے بعد سر ہوا، تو صحابہ کے اصرار پر حضورؐ شہر میں بحیثیت ایک فاتح کے داخل ہوئے۔ لیکن ہیئت یہ تھی کہ گدھے پر سوار تھے، اور لگام کی جگہ گدھے کے گلے میں کھجور کے پتے ڈال رکھے تھے۔ (مشکوٰۃ)

---

(۷) ایک دن حضرت عمرؓ نے دورانِ خطبہ میں فرمایا "ایک دن وہ تھا کہ سوکھی ہوئی کھجوروں کے عوض میں اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا"۔

خطبہ کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا۔ کہ خطبہ میں آپ نے اپنی تنقیص کیوں کی؟ فرمایا۔ آج تنہائی میں میرا نفس مجھے کہنے لگا، کہ تم امیر المومنین اور نائب رسولؐ ہو۔ تم سے بڑا کون ہو سکتا ہے میں نے مناسب سمجھا کہ سر محفل نفس کو اپنی حقیقت سے آگاہ کر دوں۔

(نزہتہ الابرار تذکرہ عمرؓ)

---

(۸) ایک دن حضرت عمرؓ کو زید بن ثابت سے کوئی کام پڑ گیا۔ اُن کے گھر آئے، تو حضرت زید نے کہا: "آپ مجھے بلا بھیجتے، تکلیف کیوں فرمائی" کہا: "ضرورت تو مجھے تھی، تمہیں کیوں بلا بھیجتا"

(ادب المفرد۔ باب من کان لہ حاجتہ)

---

(۹) حضرت عثمانؓ عہدِ خلافت میں اس قدر سادہ زندگی بسر کرتے کہ مسجد میں سر کے نیچے چادر رکھ کر لیٹ جاتے تھے۔ اور جب اُٹھتے تھے تو جسم پر کنکریوں کے نشان نظر آتے تھے۔ اور لوگ کہا کرتے تھے، یہ ہیں ہمارے امیر المومنین۔

---

(۱۰) حضرت علیؓ مٹی پر لیٹنے کی وجہ سے بوتراب (مٹی کا باپ) کہلاتے تھے۔ وہ اپنا سود و سلف خود بازار سے خریدتے۔ عہدِ خلافت میں ایک دن بازار سے کھجوریں خرید کر لا رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا: "اے امیر المومنین! لائیے

میں پہنچا دوں" فرمانے لگے۔ بچوں کی خدمت کا حق باپ ہی کو پہنچتا ہے۔
(ادب المفرد۔ باب الکبر)

---

(۱۱) حضرت علیؓ نے زندگی میں کوئی گھر نہ بنایا۔ اور لب پر ہمیشہ یہ دعا رہتی تھی۔ اے اللہ مجھے دنیا پر فریفتہ نہ کرنا۔ بدن پر ہمیشہ گاڑھے کی پھٹی پرانی قمیص۔ ویسا ہی تہ بند اور ایک موٹی چادر اوپر ہوتی تھی۔ اسی ہیئت میں وہ دُرہ لئے گلیوں اور بازاروں میں گشت فرماتے اور لوگوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تہ بند پھٹ گیا تو آپ نے مسجد نبوی میں آ کر اپنی تلوار نیلام کر کے تہ بند خرید لیا۔ (اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ)

---

(۱۲) حضرت ابوبکرؓ عہد خلافت میں باہر نکلتے تو چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں دوڑ کر پاس آ جاتیں، اور دامن تھام کر کہتیں "اے ہمارے بزرگوار باپ ہمیں دعا دیجئے۔" آپ محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے۔ بسا اوقات بچیاں انہیں کھینچ کر گھر لے جاتیں اور کہتیں کہ ہماری بکریوں کا دودھ دوہیے چنانچہ وہ ان معصوم فرمائشوں کو پورا فرماتے۔
(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۲ ص ۳)

---

(۱۳) مدینہ کے ایک گوشہ میں ایک بیکس بڑھیا رہتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ عہد خلافت میں رات کو چھپ کر اس کے گھر جاتے صحن میں جھاڑو پھیرتے۔ گھر وں

میں پانی ڈالتے اور دیگر ضروریات پوری کر کے واپس آیا کرتے۔

(اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوبکرؓ)

---

(۱۴) ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا:۔
جعلنی اللّٰہ فداك (مجھے اللہ آپ پر قربان کرے) آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔ اذاً یھینك (اگر یہ ارادے ہیں تو خدا تمہیں ذلیل و خوار کریگا)۔

---

(۱۵) جب حضرت اُم سلمہ بنت ابی اُمیہ سرور دو عالم کے عقد میں آئیں تو حضورؐ نے ان کو جہیز میں ایک چکی۔ ایک گھڑا، اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، عنایت فرمایا۔ اور یہی سامان باقی ازواج کو بھی عطا ہوا تھا۔ (مسند امام حنبل ج ۶ ص ۲۹۵)

---

(۱۶) جب سیّدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی شادی ہوئی، تو رسول اکرم صلعم نے ایک بان کی چارپائی، ایک چھاگل، دو مٹی کے گھڑے، ایک مشک، دو چکیاں، اور ایک چمڑے کا تکیہ جہیز میں دیا۔

---

(۱۷) ایک دن حضرت علیؓ گھر تشریف لائے، تو دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے حضرت حسینؓ اور امام حسنؓ رو رہے ہیں آپ سے برداشت نہ ہو سکا، اور باہر چلے گئے۔ اتفاقاً زمین پر گری ہوئی ایک اشرفی مل گئی۔ اس کا آٹا اور

گوشت خریدا۔ لیکن محبت رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ حضور کو مدعو کئے بغیر کھانا نہ کھایا۔ (ابوداؤد کتاب اللقطہ)

---

(۱۸) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ تمام عمر سرور کائنات کے کپڑوں کا صرف ایک ہی جوڑا رہا۔ (ترمذی)

---

(۱۹) حضورؐ کے گھر دو دو مہینے آگ نہ جلتی تھی اور گزارہ پانی اور کھجور پر ہوتا تھا۔ تمام عمر چپاتی نہیں کھائی اور نہ ہی ساری زندگی میں کوئی ایسا دن آیا کہ آپ کو دونوں وقت کھانا نصیب ہوا ہو۔ (بخاری ابن ماجہ۔ ترمذی)

---

(۲۰) ایک دن سخت بھوک کی حالت میں رسول کریم صلعم ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں گئے۔ حضرت انصاریؓ نے فوراً ایک بکری ذبح کی۔ جب تیار ہو گئی تو فرمایا کہ اس میں سے کچھ میری بیٹیؓ کو بھی بھیجو کہ وہ کئی روز سے بھوکی ہیں۔

(ترغیب وترتیب ج ۲)

---

(۲۱) اسی طرح ایک دن حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ سید کونین کئی روز سے بھوکے ہیں۔ آپ ایک یہودی کے باغ میں گئے اور کہا کہ مجھ سے کوئی کام لے کر مجھے کھجوریں دو۔ یہودی نے کہا کہ کنوئیں سے ڈول نکال کر باغ کو پانی دو۔ ہر ڈول کے عوض ایک کھجور دوں گا۔ چنانچہ آپ نے ڈول نکالے اور

کھجوریں لاکر حضور کی خدمت میں پیش کیں۔

(سنن ابن ماجہ)

---

(۲۲) رسول اللہ چاشت کے وقت عبادت سے فارغ ہو کر گھر جاتے اور گھریلو کاموں میں مصروف ہو جاتے یعنی اپنے کپڑوں کو پیوند لگاتے جوتے مرمت کرتے۔ دودھ دوہتے۔ آٹا گوندھتے اور صحن میں جھاڑو دیتے۔

(بخاری و ترمذی)

---

(۲۳) رسول اکرم کا ہمیشہ یہ شعار رہا ہے کہ جب کوئی شخص راستے میں ملتا تو سلام میں پہل فرماتے۔

---

(۲۴) ایک مرتبہ خباب بن ارت کسی ضرورت کے لئے سفر پر گئے چونکہ اُن کے گھر میں کوئی آدمی نہیں تھا اسلئے رسول اکرم خود جاکر ان کی بکریوں کا دودھ دوہتے۔ (بیہقی)

---

(۲۵) ایک دن حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بدو آکر کہنے لگا "محمدؐ! تم سے ضروری کام ہے۔ ابھی آؤ" چنانچہ آپ نماز چھوڑ کر چلے گئے اور واپس آکر مکمل کی۔

(ابوداؤد ترمذی)

---

(۲۶) حضورؐ ہمیشہ یہ دُعا کرتے تھے:۔

"اے اللہ! مجھے زندگی میں مسکین رکھ، مسکینی میں موت دے، اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر۔ اِسلئے کہ مسکین باقی لوگوں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔" (مشکوٰۃ)

خدمتِ خلق

(۱) حضرت عمرؓ کا قاعدہ تھا کہ جن عورتوں کے شوہر سفر میں ہوتے اُن کے گھر جاتے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کہتے اور پھر پوچھتے تمہارا کیا حال ہے، کس چیز کی ضرورت ہے؟ کوئی ستاتا تو نہیں؟ پیسے لاؤ کہ میں تمہیں سودا سلف بازار سے لادوں۔ جن کے گھروں میں غلام ہوتے وہ غلاموں کو ساتھ بھیج دیتے اور جن کے پاس غلام نہ ہوتا اُن کا سودا خود خرید لاتے۔ مردوں کے خطوط آتے تو خود گھروں پر جاتے۔ دروازے کے باہر کھڑے ہو کر پڑھ کر سناتے اور عموماً جواب بھی خود ہی لکھتے۔ جب باہر سے قافلے آتے تو ان کا حال پوچھنے جاتے۔ اگر کوئی بیمار یا لولا لنگڑا مسافر نظر آتا تو اس کے لئے سواری کا انتظام کرتے قافلہ روانہ ہوتا تو کوس بھر پیچھے پیچھے جاتے۔ اگر قافلے کی کوئی چیز گر پڑتی تو دوڑ کر پہنچاتے۔

(۲) حضرت علیؓ کا دستور تھا کہ وہ جنگلوں میں جا کر بھولے بھٹکے مسافروں کو راستے پر ڈالتے بازار میں قلیوں کو بوجھ اٹھواتے اور اگر کسی کے جوتے کا تسمہ

بھی گر جاتا تو اٹھا کر اس کے حوالے کر تے۔

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۲ ص۳۷)

---

(۲) جب حضرت عمرؓ کو جنگ قادسیہ میں فتح و ظفر کی بشارت ملی تو آپ نے مجمع عام میں ایک پُر اثر تقریر کی جس کا آخری فقرہ یہ تھا:-

"میرے بھائیو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہوں۔ بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کا ایک ادنےٰ غلام ہوں۔ چونکہ خلافت کا بوجھ میرے ناتواں کندھوں پر ڈال دیا گیا ہے۔ اسلئے میری نجات اسی میں ہے کہ میں آپ کی خدمت کروں اور آپ چین سے گھر میں سوئیں۔ اگر خدانخواستہ مجھ میں یہ خواہش پیدا ہو جائے کہ میں آرام کروں اور آپ لوگ میرے گھر کے سامنے دربانی کے فرائض سرانجام دیں تو سمجھ لیجیئے کہ میرے ادبار و ہلاکت کے دن شروع ہو گئے۔ میں آپ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتا ہوں۔ زبان سے نہیں بلکہ عمل سے"

---

(۳) حضرت عمرؓ عموماً رات کو گلیوں میں پہرہ دیتے۔ ایک رات آپ گشت کرتے ہوئے ایک خیمے کے پاس پہنچے۔ خیمے سے کراہنے کی آواز آئی آپ نے پوچھا کیا تکلیف ہے؟ ایک بدوُ باہر آیا اور کہنے لگا میری بیوی دردِ زِہ میں مبتلا ہے اور مدد کرنیوالا کوئی نہیں۔ حضرت عمرؓ واپس آئے اور اپنی زوجہ مطہرہ حضرت اُم کلثوم کو ہمراہ لیا اور خیمے میں پہنچا دیا۔ خود خیمے سے باہر زمین

پر بیٹھ کر بدو سے باتیں کرتے رہے۔ جب بچہ پیدا ہوا، تو ملکہ نے آواز دی۔ "امیر المومنین! اپنے دوست کو بچے کی مبارک دیجیے"۔ امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونکا اور مودب ہو کر معافی مانگنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: بحیثیت خادم میرا یہ فرض تھا۔ کل تم میرے پاس آنا میں اس بچے کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔" (کنز العمال ج ۲ ص ۳۴۳)

---

(۵۰) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص پر نظر پڑی جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ پوچھا دائیں ہاتھ کو کیا تکلیف ہے؟ کہنے لگا۔ جنگ موتہ ۸ھ میں کٹ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہو گئی۔ اشک آلود آنکھوں سے پوچھنے لگے کہ تمہیں وضو کون کراتا ہو گا؟ سر کون دھلاتا ہو گا اور کپڑے کون پہناتا ہو گا۔ اس کے بعد آپ نے سرکاری خرچ پر ایک نوکر اسکے حوالے کیا اور تمام چیزیں بھی ساتھ دیں۔

---

(۵۱) حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں زمینوں کے بندوبست کا ارادہ کیا اور اس سلسلے میں عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان کو حکم دیا کہ وہ عراق کی زمینوں کی پیمائش کر کے لگان مقرر کریں۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے مندرجہ ذیل رپورٹ مرتب کی:-

"عراق لمبائی میں ۳۷۵، اور چوڑائی میں ۲۴۰ میل ہے۔ اور قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ

لاکھ جریب ہے۔ لاوارثوں اور مفروروں کی
زمینیں ضبط کر لی گئی ہیں اور باقی ماندہ پر حسب
ذیل لگان عائد کیا گیا ہے۔"

جنس	فی جریب یعنی پون بیگھہ پر لگان
(۱) گندم	دو درہم سالانہ (درہم ۲۰.ر کا ہوتا ہے)
(۲) جو	ایک درہم
(۳) گنا	چھ درہم
(۴) روئی	پانچ درہم
(۵) انگور	دس درہم
(۶) کھجوروں کے باغ	دس درہم
(۷) تل	آٹھ درہم
(۸) ترکاری	تین درہم

اس رپورٹ کو پڑھ کر حضرت عمرؓ کا چہرہ چمک اٹھا اور فرمانے لگے خدا کی قسم اگر میں چند سے اور زندہ رہا تو اپنے بعد عراق کی بیواؤں اور بیکسوں کو کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہونے دوں گا۔

(بخاری کتاب المناقب)

حضرت عمرؓ کا یہ جملہ صاف صاف بتا رہا ہے کہ اسلامی حکومت کا نصب العین کیا ہے۔

صدقہ — ایثار — فیاضی

(۱) حضرت ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ آیت صدقہ نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام بازاروں میں جاکر مزدوری کرتے اور جو کچھ کماتے وہ صدقہ کر دیتے۔ (بخاری کتاب الزکواۃ)

---

(۲) حضرت اسماء نے ایک لونڈی فروخت کی۔ شوہر نے آکر رقم مانگی تو بولیں، میں تو اسے صدقہ میں تقسیم کر چکی ہوں۔ (مسلم)

---

(۳) قریش کی مشہور یادگار دار الندوۃ حضرت حکیم بن حزام کے قبضے میں تھی۔ امیر معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں اسے ایک لاکھ درہم پر خرید لیا، اور حضرت حکیم نے یہ رقم غربا میں بانٹ دی۔ (اسد الغابہ)

---

(۴) حضرت سلمان فارسی مدائن کے گورنر تھے۔ ان کی تنخواہ پانچ ہزار درہم تھی۔ جب تنخواہ ملتی تو صدقہ کر دیتے اور خود مزدوری کر کے اپنا گزارہ چلاتے۔ (استیعاب)

---

(۵) جب یہ آیت نازل ہوئی:-

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا اللہ کو کون قرض حسنہ دینا چاہتا ہے۔

توحضرت ابوالدحداح اپنے باغ میں گئے اور بیوی کو جو وہیں رہتی تھی آواز دی۔ "ام دحداح! باغ سے باہر نکلو، کہ میں نے یہ باغ خدا کو بطور قرض حسنہ دیدیا ہے۔" (استیعاب)

---

(۶) سرورِ کائنات کا وقتِ رحلت قریب آیا تو نہایت کمزور آواز میں حضرت عائشہ سے فرمایا۔ میرے سرہانے کے نیچے چند اشرفیاں پڑی ہیں انہیں فوراً بانٹ ڈالو۔ ورنہ اللہ محمد سے بدگمان ہوکر ملے گا۔

(سیرت نبوی۔ شبلی)

---

(۷) عہد رسالت میں حضرت مالک بن ثعلبہ ایک دولتمند صحابی تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلعم یہ آیت پڑھ رہے تھے:-

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ۔ الخ

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اُن کے ماتھے اور پہلوؤں کو انہی سے داغا جائے گا۔

کہ حضرت مالک پاس سے گزرے۔ یہ آیت سُن کر فرمانے لگے کہ انشاء اللہ آج شام تک مالک کے پاس ایک درہم بھی باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ سب کچھ خیرات کردیا۔ (اسد الغابہ)

---

(۸) ہجرت کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر کو سعد بن ربیع کے ہاں مدینہ میں

ٹھہرایا گیا تھا۔ آپ نے نصف آدھی جائداد ابن عوف کو دیدی۔ بلکہ ایک بیوی بھی اُن کے حوالے کرنا چاہی لیکن آپ نے اسے منظور نہ فرمایا۔ (کتاب المناقب)

---

(۹) حضرت سعید بن عاص کا یہ دستور تھا کہ اگر اُن سے کوئی سائل کچھ مانگتا اور پاس کچھ نہ ہوتا تو ایک معین رقم کا پرونوٹ لکھ دیتے اور جب رقم ہاتھ آتی تو پہلے اُس سائل کا قرض ادا کرتے۔ (اسد الغابہ)

---

(۱۰) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس ۲۰ ہزار درہم کہیں سے آ گئے آپ نے تقسیم کر دیئے اور جو حاجتمند دیر سے پہنچے اُنہیں اس طرح راضی کیا کہ پہلے حاجتمندوں سے کچھ رقم بطور قرض لے لی۔ ابن عمر عموماً روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور جب کوئی مہمان آ جاتا تو روزہ توڑ دیتے تاکہ مہمان یہ نہ سمجھے کہ میزبانی سے کتراتے ہیں۔

(طبقات ابن سعد)

---

(۱۱) ایک مرتبہ ابن عمر بیمار ہو گئے اور انگوروں کی ضرورت محسوس ہوئی بڑی مشکل سے پانچ انگور دستیاب ہوتے۔ جب اُن کے سامنے لائے گئے تو اوپر سے ایک سائل آ گیا۔ آپ نے یہ انگور اُسکو دیدیئے۔ دوستوں نے ہر چند کہا کہ آپ بیمار ہیں یہ فیاضی نہ کیجئے لیکن آپ نہ مانے۔ آخر احباب نے وہی انگور اُس سائل سے خرید کر دوبارہ آپ کو پیش کئے۔ (طبقات ابن سعد تذکرہ عبد اللہ بن عمرؓ)

(۱۱) حضرت اسماءؓ نے ایک جائداد حضرت عائشہؓ سے ورثتاً پائی تھی جسے امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم پر خرید لیا۔ حضرت اسماءؓ نے یہ رقم دو نادار صحابہ یعنی قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق کو بخش دی۔

ہمسایہ نوازی

ہمسایہ نوازی ہر زمانے میں عربوں کا بہت بڑا وصف رہا ہے۔ دورِ جاہلیت میں ایک شاعر کو اس کی بیوی نے طعنہ دیا کہ تمہارا کنبہ بہت مختصر سا ہے۔ اس کے جواب میں شاعر نے کہا۔

تعیرنا انا قلیل وجارنا
عزیز، وجار الاکثرین ذلیل

(مجھے میری بیوی طعنہ دیتی ہے کہ ہمارا کنبہ چھوٹا سا ہے۔ کیا وہ دیکھتی نہیں کہ ہم اپنے ہمسایوں سے اتنا اعلیٰ سلوک کرتے ہیں گویا وہ ہمارے کنبے میں شامل ہیں حالانکہ بہت سے لوگ اپنے ہمسایوں کو بہت ذلیل رکھتے ہیں)

اسلام نے عربوں کے اس جوہر کو اور چمکا دیا۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر کے پڑوس میں ایک یہودی رہا کرتا تھا جب بھی گھر میں کوئی اچھی چیز آتی تو پڑوسی کو بھی شامل کر لیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک بکری ذبح کرائی اور گھر والے یہودی کو گوشت بھیجنا بھول گئے۔ اس پر حضرت عبداللہ سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے۔

"رسول اللہ صلعم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق جبرائیل نے اس قدر تاکید کی کہ مجھے شک پڑ گیا کہ غالباً ہمسایوں کو شریکِ وراثت بنا دیا جائے گا۔" (ابوداود۔ باب فی حق الجوار)

---

(۲) ایک بار حضرت عمرؓ نے حضرت جابرؓ کے پاس تھوڑا سا گوشت دیکھا تو فرمانے لگے "تمہارا ہمسایہ بھوکا ہے اور تم کھانے کا انتظام کر رہے ہو۔ کیا تم اپنے ہمسایہ کی خاطر بھوکے بھی نہیں رہ سکتے؟" (موطائے امام مالک کتاب الجامع)

غلاموں سے سلوک

اگر اس مضمون پر مفصل بحث درکار ہو تو "الرق فی الاسلام" اور "غلامانِ اسلام" پڑھیئے۔ یہاں صرف ایک دو واقعات درج ہونگے۔

(۱) اصحابِ کرام اپنی اولاد اور غلاموں سے ایک جیسا سلوک کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمر جو زیور اپنی بیٹیوں کو دیتے تھے وہی لونڈیوں کو بھی پہناتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ سے ملنے کو آئے تو دیکھا کہ آپ کے غلام کے گلے میں بھی سونے کا ہار ہے۔ وہ لوگ متعجب ہوئے۔ تو آپ نے مزاحاً فرمایا "تمہاری نگاہ برائیوں ہی پہ پڑتی ہے۔" (ادب المفرد)

---

(۲) ایکدفعہ حضرت ابو ذر غفاری نے اپنے غلام کو ڈانٹا تو رسول اللہؐ نے فرمایا

"ابوذر! تم میں جاہلیت کا اثر ابھی تک باقی ہے۔ یہ لوگ تمہارے بھائی ہیں۔ انہیں وہی کھلاؤ اور پہناؤ جو خود کھاتے اور استعمال کرتے ہو۔"
(بخاری کتاب الایمان)

---

(۳) حضرت عثمانؓ رات کو عبادت کیلئے جاگتے تو خود ہی وضو کا پانی لے لیتے۔ ایک روز کسی نے کہا۔ آپ جو اندھیرے میں اتنی تکلیف کرتے ہیں غلام کو کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ سب انتظام کر دیا کرے۔ فرمانے لگے۔ اللہ نے رات آرام کے لئے بنائی ہے۔ (طبقات ابن سعد۔ ذکر عثمانؓ)

رسولؐ اور اسلام سے محبّت

(۱) آنحضرت صلعم کا قاعدہ تھا کہ وہ چھوٹے سے چھوٹے سفر میں بھی روزہ افطار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رمضان میں سفر کو نکلے ابھی شہر کے در و دیوار ادجھل بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ نے روزہ کھول دیا۔ بعض ہمراہیوں نے اعتراض کیا تو فرمانے لگے تم لوگ رسول کریم کے اسوۂ حسنہ سے منہ موڑتے ہو۔
(ابوداؤد)

---

(۲) ایک بار حضرت دحیہ بن خلیفہ دمشق کے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ فاصلہ صرف تین میل کا تھا۔ آپ نے روزہ توڑ دیا لیکن ساتھیوں نے روزہ جاری رکھا۔ آپ فرمانے لگے "اے اللہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ اُمّت رسول

اسوۂ رسول سے انحراف کر رہی ہے۔ خداوندا مجھے اب دُنیا سے اُٹھا لے۔"

(ابوداؤد)

---

(۳) ایک مرتبہ حضرت سعید بن یسار عبداللہ بن عمرؓ کے ہمراہ سفر میں تھے۔ ایک موقعہ پر پیچھے رہ گئے۔ ابن عمرؓ نے وجہ پوچھی، تو کہنے لگے میں وتر پڑھ رہا تھا۔ فرمایا کیا تمہیں سرورِ دو عالم کا اسوہ پسند نہیں۔ وہ سفر میں اونٹ ہی پر وتر پڑھا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ)

---

(۴) ایک مرتبہ ایک صحابی حضورؐ کی خدمت میں آیا۔ دیکھا کہ آپکی قمیص کا تکمہ کھُلا ہے۔ اس صحابی نے حُبِّ رسول کی بنا پر عمر بھر اپنا تکمہ کھلا رکھا۔ (ابوداؤد)

---

(۵) مدینہ میں حولیصہ اور محیصہ دو بھائی تھے۔ حولیصہ چھوٹا تھا اور محیصہ بڑا ایک مرتبہ رسول کریم نے یہودیوں کی عہد شکنی، اسلام دشمنی اور مسلسل ایذا رسانی سے تنگ آکر اُن کے قتل کا حکم دیدیا۔ اسوقت حولیصہ اسلام لاچکا تھا اور محیصہ بدستور کافر تھا۔ حولیصہ نے اپنے بڑے بھائی کے ایک گہرے دوست کو جو یہودی تھا قتل کر دیا۔ اس پر محیصہ سخت ناراض ہوا، اور حولیصہ کو پیٹنا شروع کر دیا۔ حولیصہ نے اپنے بھائی کے غصّے اور مار پیٹ کا صرف ایک جواب دیا کہ جس ہستی نے مجھے یہودیوں کے قتل کا حکم دیا ہے اگر تمہارے قتل کا بھی اشارہ کر دے تو میں تمہیں بھی موت کے گھاٹ اُتار دوں۔ محیصہ حیرت سے پوچھنے لگا کیا واقعی تم بڑے بھائی کی جان لینے سے دریغ نہیں کروگے؟ حولیصہ نے کہا، خدا کی قسم

میں یقیناً تمہیں مار ڈالوں گا" محیصہ کچھ سوچنے کے بعد کہنے لگا " جس مذہب نے تم میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا" اور فوراً مسلمان ہو گیا۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۳۴)

---

(۶) جب ابو طلحہ انصاری نے حضرت اُم سلیم کو نکاح کا پیغام بھیجا، تو اُم سلیم نے جواب میں کہا کہ میں مسلمان ہوں اور تم کافر۔ اسلئے یہ رشتہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر تم اسلام قبول کر لو تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ چنانچہ ابو طلحہ مسلمان ہو گئے۔ جب مہر معیّن کرنے کا وقت آیا تو اُم سلیم نے فرمایا کہ" ابو طلحہ کا اسلام ہی میرا مہر ہے"۔ حضرت ثابت کہا کرتے تھے کہ کوئی عورت اُم سلیم سے بہتر مہر مقرر نہ کرا سکی۔

---

(۷) سمیہ بنت خیاط، یاسر عبسی کی زوجہ تھیں۔ بڑھاپے میں اسلام لائیں۔ اسلام لانے والوں میں آپ کا نمبر ساتواں تھا۔ قریش کی طرف سے بے شمار مظالم ہوئے لیکن آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ یہانتک کہ ایک دن ابو جہل نے برچھی سے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ آپ اسلامی تاریخ میں پہلی شہیدہ تھیں۔ (استیعاب ج ص ۷۶)

---

(۸) آغاز اسلام میں ان حضرات پر بے پناہ مظالم توڑے گئے۔ لیکن یہ لوگ جادۂ حقانیت سے منحرف نہ ہوئے۔

(۱) حضرت عمر کی بہن اسلام لائیں تو حضرت عمر نے انہیں مار مار کر لہو لہان کر دیا۔
(۲) جب ابوذر غفاری اسلام لائے تو کفار نے انہیں کعبے میں لٹا کر سخت سزا دی۔
(۳) یہی حال بلالؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا ہوا تھا۔
(۴) حضرت عثمانؓ کو اُن کے چچا نے کئی روز رسیوں سے باندھے رکھا۔
(۵) زبیر بن عوام کو اُن کا چچا چھت سے لٹکا کر ناک میں دھواں دیا کرتا تھا۔
(۶) جب حضرت ابوبکرؓ نے اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے انہیں اتنا پیٹا کہ وہ مُردہ سمجھ لئے گئے اور لوگ انہیں کپڑوں میں لپیٹ کر گھر پھینک آئے لیکن کچھ دیر بعد ہوش میں آ گئے اور پہلا سوال یہ پوچھا کہ رسول اللہؐ کا کیا حال ہے؟

(۷) سعید بن اسلام۔ عیاش بن ابی ربیعہ۔ حضرت سلمہ بن ہشام اور کئی دوسرے صحابہ کو بے اندازہ اذیتیں دی گئیں مثلاً پیٹ پر لوہا باندھ کر گرم ریت پر پھینک دینا۔ گلیوں میں گھسیٹنا۔ دیواروں سے پٹخنا۔ لاٹھیوں اور گھونسوں سے مارنا۔ لیکن انہوں نے اللہ اور رسول کو کسی حال میں بھی نہ چھوڑا۔

---

(۹) حضورؐ لوگ کبھی کبھی حضرت اُمّ سلیم کے گھر تشریف لے جاتے اور دوپہر کو وہیں آرام فرماتے جب آپ لیٹنے سے اُٹھتے تو اُمّ سلیم آپ کے ٹوٹے ہوئے بالوں اور پسینے کے قطروں کو بوتلوں میں جمع کر لیتیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے انکی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو آپ نے مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔
(مسند جلد ۶ صفحہ ۳۷۶)

مساوات

(۱) حضرت ابو عبیدہ شامی فوج کے سپہ سالار تھے۔ ایک مرتبہ چند شامی رؤسا نے پُر تکلف کھانے ابو عبیدہؓ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا میری فوج کو بھی یہ کھانا بھیجا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا۔ "تو سب کچھ واپس لیجاؤ۔ ابو عبیدہؓ اپنے آپ کو ان لوگوں سے افضل نہیں سمجھ سکتا جو اسلام کیلئے خون بہا رہے ہیں۔ میں وہی کھاؤنگا جو میری فوج کو ملتا ہے۔"

(طبری صـ ۲۱۷۱)

---

(۲) ایک موقعہ پر رومیوں نے ایک جاسوس بھیجا کہ وہ عربی فوج کے حالات معلوم کرے۔ اس نے پلٹ کر خبر کردی کہ یہ لوگ رات کو زاہد و عابد اور دن کو شہسوار بن جاتے ہیں۔ اگر ان کا بادشاہ بھی کوئی چیز چرالے تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں۔ اور اگر وہ جرم زنا کا ارتکاب کرے تو اسے سنگسار کر ڈالتے ہیں۔ رومی سپہ سالار نے یہ سُن کر کہا۔" اس قوم کے خلاف لڑنے سے خودکشی ہزار درجے بہتر ہے۔"

(طبری صـ ۲۱۲۶)

---

(۳) جنگ منحل (سنہ ۱۴ ھ) میں رومیوں کی درخواست پر حضرت معاذ بن جبل کو شرائط صلح طے کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ وہاں مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی:۔

رومی۔ آپ قالینوں کو الٹ کر زمین پر بیٹھ گئے؟

معاذ۔ مَیں اس فرش پر نہیں بیٹھنا چاہتا، جو غریبوں کا حق چھین کر تیار کیا گیا ہو۔

ر۔ ہم تمہاری عزّت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن افسوس کہ تمہیں اپنی عزّت کا خیال نہیں۔

م۔ جسے تم عزت سمجھتے ہو، وہ میرے ہاں ذلّت ہے۔

ر۔ لیکن زمین پر غلام بیٹھا کرتے ہیں۔

م۔ مجھ سے بڑا خدا کا غلام کون ہوسکتا ہے؟

ر۔ کیا مسلمانوں میں تم سے بڑا کوئی اور آدمی بھی موجود ہے؟

م۔ یہ فخر کیا کم ہے کہ میں سب سے چھوٹا ہوں۔

ر۔ تم ہمارے لئے کیا پیغام لائے ہو؟

م۔ پیغام یہ ہے کہ اسلام لاؤ۔ شراب چھوڑ دو۔ سُؤر کا گوشت ترک کردو۔ تمام بدکاریوں سے بچو۔ اس صورت میں ہم تم بھائی بن جائیں گے۔ اگر یہ نامنظور ہو تو جزیہ ادا کرو۔ ورنہ کل میدان میں تلوار ہمارا تمہارا فیصلہ کرے گی۔

ر۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ ہماری فوج آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہے۔ پھر تم کس برتے پر ہمارے مقابلہ آرہے ہو؟

م۔ فتح و شکست کا انحصار کثرت و قلت پر نہیں بلکہ سچّائی پر ہے۔

ر۔ ہمارا شہنشاہ اتنا طاقتور ہے کہ کروڑوں انسانوں کی زندگی اُس کے بس میں ہے۔ ایسے بادشاہ سے لڑنا کوئی دانائی نہیں۔

م۔ تمہارے بادشاہ کو تمہارے جان و مال پر اختیار ہوگا۔ لیکن جسے ہم نے بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی بات میں بھی ہم سے بڑا نہیں۔ اگر وہ زنا کرے تو اُسے دُرّے لگائے جائیں اور اگر چوری کرے تو اُس کے ہاتھ کاٹ دئے جائیں۔ وہ حاجتمندوں سے گھبرا کر پردوں میں چھپ کر نہیں بیٹھتا اور اُس کا کام ہماری خدمت ہے۔

ر۔ ہم بلقا کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری قلمرو سے ملا ہوا ہے تمہیں دینے کیلئے تیار ہیں۔ اگر تم جنگ کے ارادہ سے باز آجاؤ۔

م۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ ہمارا مقصد ملک گیری نہیں بلکہ گناہ کے خلاف لڑنا ہے۔

معاذ واپس آگئے اور پیچھے پیچھے رومیوں کا ایک قاصد بھی آن پہنچا۔ اُس نے ہر طرف دیکھا کہ شاید کوئی سجا سجایا خیمہ نظر آئے جس کے باہر پہرہ لگا ہوا ہو اور اندر سپہ سالار بیٹھا ہوا ہو لیکن اُسے مایوسی ہوئی۔ یہاں سب ہر لحاظ سے برابر تھے۔ اُس نے گھبرا کر کسی سے پوچھا کہ سپہ سالار کہاں ہیں چنانچہ وہ ابوعبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اگر آپ واپس جانے پر رضامند ہو جائیں تو ہم فی سپاہی دو دو اشرفیاں دینے کو تیار ہیں۔ جواب میں حضرت ابو عبیدہ نے فوج کی کمر بندی کا حکم دیدیا، اور چند روز بعد سارا میدان رومیوں کے لہو سے رنگین ہو گیا۔ (فتوح الشام۔ ازدی)

---

(۴) جنگ یرموک (۱۵ھ) میں حضرت خالد سیف اللہ جب رومیوں کے ہاں گئے عیب و ہاں پہنچے تو رومی سپہ سالار ماہان نے اپنی تقریر میں پہلے حضرت عیسیٰ کا

نام لیا اور پھر قیصر کا، اور فخراً کہا کہ ہمارا قیصر شاہوں کا بادشاہ ہے حضرت خالد نے بات کاٹ کر فرمایا "تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن ہمارے سردار کو ایک لمحہ کیلئے بھی بادشاہی کا خیال آجائے تو ہم اسے فوراً معزول کر دیں"۔

ایفائے عہد

(۱) اُمیہ بن خلف مکہ کا ایک کافر تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اسے کہہ بیٹھے کہ اگر کسی وقت تم مدینہ میں آئے تو میں تمہاری حفاظت کروں گا جب کفارِ مکہ جنگِ بدر کے موقعہ پر مدینہ کی طرف بڑھے۔ تو اُمیہ بھی ان میں شامل ہو گیا دوسری طرف اسلامی فوج میں عبدالرحمٰن بن عوف شامل تھے۔ یہ عجیب کشمکش میں تھے۔ ایک طرف ایفائے عہد کا خیال اور دوسری طرف اپنے فرض کا تقاضا۔ چنانچہ جب چند اسلامی سپاہی اُمیہ کی طرف بڑھے تو عبدالرحمٰن آڑے آگئے جس طرف سے تلوار آتی، آپ سامنے آکر ڈٹ جاتے اس اثنا میں اُمیہ زمین پر گر گیا۔ عبدالرحمٰن اُس پر لیٹ گئے اور اس کے جسم کو ہر طرف سے ڈھانپ لیا۔ لیکن ایک منچلے مسلمان نے ایک طرف سے تلوار داخل کر کے اُمیہ کا کام تمام کر ڈالا۔

---

(۲) جب اسلامی افواج رومیوں کے خلاف صف آرا تھیں تو ایک رومی قیدی نظر بچا کر نکل گیا۔ اور ہرقل قیصر روم کے پاس جا پہنچا۔ قیصر نے

اُس سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے تو اُس نے کہا :-

"وہ لوگ رات کو زاہد اور دن کو شہسوار ہوتے ہیں۔ وہ جب کسی قوم سے معاہدہ کرتے ہیں تو اُن سے ہر چیز بہ قیمت لے کر کھاتے ہیں اور جس شہر میں داخل ہوتے ہیں کسی کو قطعاً تکلیف نہیں دیتے"۔

یہ سُنکر ہرقل کہنے لگا :-

"اگر یہ سچ ہے تو یہ لوگ بہت جلد اس زمین کے مالک بن جائیں گے۔ جو آج میرے قدموں کے نیچے ہے"۔

(طبری صـ ۲۳۹۵)

---

(۳) ایک دفعہ حضرت منکدر بن عبداللہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اثنائے گفتگو میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھے تم سے اس قدر ہمدردی ہے کہ اگر میرے پاس دس ہزار درہم بھی ہوتے تو میں تمہیں دیدیتی۔ خدا کی شان اُسی دن امیر معاویہ نے دس ہزار درہم حضرت عائشہؓ کو بھیجے اور آپ نے فوراً وہ رقم منکدر کے ہاں بھیجدی۔ (طبقات ابن سعد تذکرہ منکدر بن عبداللہ)

عفو ودرگذر

(۱) جنگ حنین میں جب صحابہ کے پاؤں اُکھڑ گئے اور کفار کی بے پناہ تیر اندازی نے قیامت کا سماں باندھ دیا، تو رحمۃ اللعالمین نے ہجوم مصائب میں دعا کیلئے

ہاتھ اُٹھائے۔ لوگ یہ سمجھے کہ آپ کفار کے لئے کسی فوری عذاب کی دُعا مانگیں گے۔ لیکن اس رحمتِ مجسّم کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اھدِ قومی فانھم لَا یَعلَمُوْنَ

(اے خدائے تبارک و تعالےٰ میری قوم کو سیدھے راستے پر ڈال کہ یہ غریب جہالت کی وجہ سے بھٹک رہے ہیں) (طبری)

---

(۲) عہدِ خلافت میں حضرت علیؓ کا ایک مقام سے گذر ہوا۔ دور سے ایک خارجی نے دیکھ لیا اور لگا مُنہ سے اناپ شناپ بکنے۔ ساتھیوں نے کہا "حضور وہ گستاخ بدزبانی سے کام لے رہا ہے" مدینۃ العلم نے جواب دیا۔ "علی نام کے کئی اور آدمی بھی موجود ہیں کسی اور کو کوس رہا ہوگا" بعد میں اس واقعہ کو آپ نے یوں نظم فرمایا ؎

ولقد مررت علی اللئیم یسبّنی
فمررت ثمہ قلت لا یعنینی

(میں ایک بدبخت کے پاس سے گذرا جو مجھے گالیاں دے رہا تھا میں یہ کہہ کر وہاں سے گذر گیا کہ کسی اور کو کوس رہا ہوگا۔)

---

(۳) کعب بن زہیر عرب کا ایک مشہور شاعر تھا، جو دیہات میں پھر پھر کر آتش بیانی سے قبائل کو بھڑکاتا۔ اور اسلام کے لئے پریشانیوں کے اسباب مہیا کرتا۔ اسکی ان فتنہ سامانیوں سے تنگ آ کر حضور نے اسکی موت کے احکام صادر فرما دیئے۔

احکام کا نکلنا تھا۔ کہ ہر چہار طرف اسکی تلاش شروع ہو گئی جب وہ خطروں سے محصور ہو گیا تو ایک شام بھیس بدل کر حضرت ابوبکرؓ کے ہاں پہنچا اور دوسرے روز بزم رسولؐ میں حاضر ہوا۔ اتفاقاً اُسوقت حضورؐ فرما رہے تھے کہ جو شخص اسلام لے آئے وہ ہمارا بھائی بن جاتا ہے کعب نے اٹھ کر کہا " خواہ وہ کعب بن زہیر ہی کیوں نہ ہو؟ فرمایا " بیشک " کعب نے مُنہ سے چادر اُٹھالی حضرت عمرؓ بپھرے ہوئے شیر کی طرح تلوار سونت کر آگے بڑھے لیکن اُس عفو مجسّم نے روک لیا۔ اس پر کعب نے ۵۲ اشعار کا وہ قصیدہ فی البدیہہ کہا۔ جو قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور جسے بعض لوگ صبح کی تلاوت کے بعد بطور تبرک پڑھا کرتے ہیں۔ اس قصیدے کے دو شعر ملاحظہ ہوں :-

نُبّئتُ ان رسول اللہ اوعدنی

والعفو عند رسول اللہ مامول

(مجھے بتایا گیا تھا کہ رسول خدا نے مجھے دھمکی دی ہے لیکن ساتھ ہی مجھے یقین تھا کہ حضورؐ معاف فرما دیں گے)

لقد اتیت رسول اللہ معتذرا

والعذر عند رسول اللہ مقبول

(میں رسول کریم کی خدمت میں معذرت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اور آپ گنہگار کا عذر سن ہی لیا کرتے ہیں)

جب کعب اس شعر پہ پہنچا :-

ان الرسول لسیف یستضاء بہ

مھند من سیوف الہند مسلول

رسول خدا ہندوستان کی وہ فولادی تلوار ہیں جن سے تجلیاں حاصل کی جاتی ہیں)
تو حضور نے اپنی چادر مبارک بطور انعام کعب کی طرف پھینک دی اور ساتھ ہی فرمایا کہ دوسرے مصرعہ میں "ہند" کی جگہ اللہ کر دو کہ میں ہندوستانی نہیں بلکہ خدائی تلوار ہوں۔

مذکور ہے، کہ امیر معاویہ نے اپنے عہد امارت میں یہ چادر ۲۰ ہزار درہم میں خرید لی تھی۔

عیاشی ولہو لعب سے احتراز

(۱) جب رومیوں کو دمشق و حمص میں پیہم شکستیں ہوئیں تو قیصر نے چند فوجی سرداروں کو پایۂ تخت (انطاکیہ) میں طلب کر کے پوچھا کہ "عرب تم سے طاقت تعداد اور سامان جنگ میں کم تھے۔ پھر وہ جیت کیسے گئے؟" اس پر ایک بوڑھے سردار نے کہا:۔

"اصلی طاقت، اخلاق کی طاقت ہے جو عربوں کے پاس موجود ہے، اور ہمارے پاس نہیں۔ عرب رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ اور ان میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں دوسری طرف ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے اور زنا کرتے ہیں، عہد کی پابندی نہیں کرتے، اور خلق خدا پر ظلم توڑتے ہیں"۔

(فتوح البلدان)

---

(۲) حضرت عمرؓ نے نعمان بن عدی کو میسان کا حاکم مقرر کیا تھا۔ نعمان عیش و عشرت میں پڑ گئے اور ایک مرتبہ اپنی بیوی کو خط لکھا جسمیں یہ شعر بھی تھا۔

لعل امیر المومنین تسؤہ

تنادمنا یا الجوسق المتهدم

(امیر المومنین کو یہ خبر یقیناً ناگوار گذرے گی کہ ہم لوگ محلوں میں عیش اُڑا رہے ہیں) یہ خط حضرت عمرؓ کے ہاتھ آگیا۔ آپ نے فوراً نعمان کی معزولی کے احکام صادر فرمائے۔ اور ساتھ ہی لکھا۔ واقعی ہمیں یہ خبر نہایت ناگوار گذری ہے۔

(اسد الغابہ۔ ذکر نعمان بن عدی)

---

(۳) حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ایک موقعہ پر فرمایا:۔

"میں مُردار کی بدبو کو برداشت کر لوں گا۔ لیکن غیر عورت کی خوشبو کو کبھی برداشت نہیں کروں گا۔ (طبقات ابن سعد ذکر موسیٰ اشعری)

---

(۴) مسجد نبوی میں ایک جوان صحابیہ بھی شریک نماز ہوا کرتی تھیں۔ اسلئے تمام صحابہ اگلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے تاکہ اس کے کسی حصہ جسم پر نظر نہ پڑ جائے۔ (سنن۔ ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

---

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرؓ ڈھول اور باجے کی آواز سن کر کانوں میں اُنگلیاں ڈال لیتے اور فرماتے کہ رسول خدا بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

(ابن ماجہ۔ باب الدف)

(۶) کسی گھر میں کوئی تقریب تھی اور حضرت عائشہؓ بھی مدعو تھیں۔ وہاں ایک شخص نے گردن ہلا ہلا کے گانا شروع کر دیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا یہ شیطان ہے اسے باہر نکالو۔ (ادب المفرد رباب اللہو)

---

(۷) حضرت عائشہؓ کے گھر میں کچھ لوگ رہتے تھے۔ جب اُنکی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں تو آپ نے انہیں کہلا بھیجا کہ اگر تم نے آئندہ یہ حرکت کی تو اس گھر میں نہیں رہ سکو گے۔

عبداللہ بن عمر کسی کو نرد کھیلتے دیکھتے تو اسے مارتے اور نرد توڑ ڈالتے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے دو آدمیوں کو شطرنج کھیلتے دیکھا تو یہ آیت پڑھی۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔ | یہ تصویریں کیا ہیں۔ جن کے سامنے تم نے سر جھکایا ہوا ہے۔

نوٹ:۔ یہ آیت دراصل بتوں کے متعلق ہے لیکن الفاظ کچھ ایسے ہیں کہ شطرنج باز بھی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد۔ ذکر بسیر بن حبیب)

---

(۸) ایک مرتبہ دو شخصوں نے مرغوں پر بازی لگائی۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے غصے میں آکے مرغوں کو مار ڈالنا چاہا لیکن یہ سوچ کر رک گئے کہ آخر ان پرندوں کا کیا قصور ہے۔ (ادب المفرد۔ باب قمار الدیک)

---

(۹) ایک مرتبہ حضرت نقادہ بن عبیدؓ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ نرد کھیل رہے ہیں

برہم ہوکر اٹھے اور فرمایا کہ جو لوگ تردکی کمائی کھاتے ہیں۔ وہ سُور کا گوشت کھاتے ہیں اور خون سے وضو کرتے ہیں۔ (ادب المفرد۔ باب اللہو)

صبر و ثبات

(۱) اموی خلیفہ عبدالملک کا زمانہ تھا۔ اہل مکہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو اپنا امیر مقرر کر کے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ عبدالملک نے حجاج بن یوسف (عراق کا مشہور ظالم گورنر) کو عبداللہ بن زبیر کے خلاف فوج دیکر بھیجا۔ جب عبداللہ گرفتار ہونے کے بعد پھانسی پر لٹکا دیئے گئے تو حجاج نے ایک آدمی کو بھیجا کہ جاؤ اور عبداللہ کی والدہ حضرت اسماء کو بلا لاؤ۔ اسماء نے آنے سے انکار کر دیا۔ اس نے دوبارہ آدمی بھیجے کہ بالوں سے گھسیٹ لاؤ۔ آدمی گئے لیکن اتنی گستاخی نہ کر سکے۔ اس پر حجاج خود آیا اور کہنے لگا۔ دیکھا تم نے کہ میں نے اللہ کے دشمن یعنی تمہارے بیٹے سے کیا سلوک کیا ہے۔ اسماء نے کہا۔ اور یہ بھی دیکھا کہ میرے بیٹے نے تمہاری کیا درگت بنائی ہے۔ حجاج نے حیران ہوکر پوچھا وہ کیسے؟ اسماء نے فرمایا، تم نے اسکی دنیا خراب کی۔ اور اس نے تمہاری آخرت تباہ کر دی۔ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا تھا کہ ثقیف میں ایک سیاہ کار ظالم و کذاب پیدا ہوگا اور یقیناً وہ تو ہے۔ حجاج اُٹھ کر چل دیا۔ بعد میں حضرت اسماء بھی آ گئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ حضرت عبداللہ کی نعش صلیب کے ساتھ لٹک رہی ہے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو نہ آنسو بہائے اور نہ آہ و فغاں کی بلکہ حجاج کو

مخاطب کر کے نہایت بے اعتنائی سے فرمانے لگیں: کیا اس سوار کے اُترنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟
(استیعاب ذکر عبداللہ بن زبیر)

راست گوئی

(۱) جب سرورِ کائنات مکہ سے نکلے تو کفار نے حضورؐ کی گرفتاری یا قتل کیلئے بھاری انعام مقرر کیا۔ اور لوگ ہر طرف آپکی تلاش میں نکل پڑے۔ ایک دن ایک مسلح کافر سامنے آگیا۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کو جانتا تھا لیکن رسول کریمؐ سے ناواقف تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کسی حالت میں بھی جھوٹ نہیں بولتے۔ چنانچہ اُس نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا۔ من ھذا (یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟) حضرت ابوبکرؓ بڑی مشکل میں پھنس گئے۔ جھوٹ کہیں تو آن جاتی ہے اور سچ بولیں تو جان۔ اسلئے آپ نے ایسا جوابدیا کہ آن اور جان دونوں بچ گئیں۔ فرمایا:-
رجل یھدینی السبیل (یہ ایک ایسا آدمی ہے جو مجھے راستہ دکھا رہا ہے) نبی سے بڑھ کر راستہ دکھانے والا اور کون ہو تا ہے؟
یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ عرب کے ریگستانوں میں رہبر کے بغیر سفر تقریباً ناممکن تھا۔

---

(۲) ایک سفر میں مدینہ کے منافق اعظم عبداللہ بن اُبی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم واپس جا کر ان ذلیل مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دینگے۔ بقیہ صفحہ

زید بن ارقم نے یہ بات سن لی۔ آپ نے اپنے چچا سے کہہ دی اور چچا نے رسول خدا سے بیان کر دی۔ حضورؐ نے ابن ابی کو بلا کر پوچھا۔ تو اُس نے قسم کھا کر کہا کہ یہ خبر غلط ہے۔ چنانچہ رسول صلعم نے باور کر لیا اور زید بن ارقم کو جھوٹا قرار دیدیا۔ زید کو اس بات کا اتنا صدمہ ہوا کہ فرطِ غم سے اُن کی گردن جھک گئی۔ گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ اور اس وقت تک مسلمانوں کے سامنے نہ آئے جب تک وحی نے اُن کی صداقت کا اعلان نہ کر دیا۔

(ترمذی تفسیر سورۃ المنافقین)

خوفِ قیامت

(۱) ایک مرتبہ دو صحابہ میں کسی جائداد کے متعلق اختلاف ہو گیا۔ دونوں حضورؐ کی خدمت میں آئے۔ گواہ کسی کے پاس نہیں تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یاد رکھو کہ میں انسان ہوں عالم الغیب نہیں۔ ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی چرب زبانی اور طاقت لسانی کی بدولت مجھے دھوکا دینے میں کامیاب ہو جائے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ایسا شخص جائداد کے ساتھ اپنے گلے میں آگ کا طوق بھی ڈال رہا ہو گا۔

یہ سن کر دونوں بزرگ خوف سے لرزنے لگے۔ اور ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنا حق دینا چاہا۔

(ترمذی تفسیر سورہ حج)

والدین سے محبت

حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد حضرت امام حسنؓ خلیفہ بنے تو آپ کی زوجہ محترمہ جنابہ عائشہ نے کہا "خلافت مبارک ہو" آپکی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں اور برہم ہو کر فرمایا کہ مجھے میرے والد محترم قبلہ کی وفات پر مبارکباد دیتی ہو۔ دور ہو جاؤ میری آنکھوں سے اور ساتھ ہی طلاق دیدی۔ حضرت عائشہ کو بڑا صدمہ ہوا۔ کچھ دیر بعد جب حضرت امام حسنؓ نے مہر کی رقم بھیجی تو جناب عائشہ نے آہ بھر کر فرمایا۔ جدا ہونے والے دوست کے مقابلے میں یہ رقم نہایت حقیر ہے۔

(دار قطنی۔ کتاب الطلاق)

کنبہ پروری

حکومت کے کسی منصب پر ایک نااہل شخص کو محض اسلیئے مقرر کرنا کہ وہ حاکم کا رشتہ دار ہے ایک ایسی ناانصافی ہے کہ سلطنت کی بنیادوں تک کو ہلا دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قابل لوگ در در کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہوتے ہیں اور حکومت نالائقوں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ نالائق نہ نظم و ضبط قائم رکھ سکتے ہیں نہ کوئی نئی سکیم پیدا کر سکتے ہیں اور نہ مشکل کے وقت حکومت کے کام آسکتے ہیں دوسری طرف سے قابل لوگ حکومت کے خلاف بے اطمینانی کا زہر پھیلاتے رہتے ہیں یعنی حکومت دو قسم کے دشمنوں میں گھر جاتی ہے نالائق حکومت

کے اندر وہ کر اس کی بنیادیں کھوکھلی کر سکتے ہیں اور قابل یا بہرہ کر۔

(۱) حضرت عمرؓ نے وفات سے پہلے چند ایک قابل صحابہ کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا اور ساتھ ہی وصیت فرما دی کہ میرے بیٹے عبداللہ کا خلافت میں کوئی حق نہیں۔ اسلئے کہ وہ اس کارِ عظیم کے لیے موزوں نہیں۔ (بخاری)

سبحان اللہ۔ انصاف و دیانت کی کتنی تابناک مثال ہے۔

---

(۲) حضرت عمرؓ بڑے جوہر شناس تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا۔ کاش کہ ابو عبیدہؓ معاذ بن جبل اور حذیفہ بن یمان جیسے آدمی مجھے مل جائیں۔ تاکہ میں انہیں سلطنت کے اہم مناصب پر مقرر کروں۔ (اسد الغابہ ج ۱ صفحہ ۳۹۲)

اولوالعزمی

اسلام کی ساری تاریخ ہماری اولوالعزمی کی داستان سے لبریز ہے۔ یہاں صرف ایک خاتون کی حکایت درج کی جاتی ہے۔

(۱) جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف خروج کیا اور حضرت عبداللہ کو بچ نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہ آئی تو آپ نے اپنی والدہ محترمہ حضرت اسماءؓ سے کہا کہ میں حجاج سے صلح کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت اسماءؓ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اور کڑک کر فرمانے لگیں۔

"یاد رکھو عبداللہ! کہ عزت کی حفاظت میں تلوار چلانا ذلت میں کوڑے کھانے

سے ہزار درجہ بہتر ہے"۔

اس بلند عزم خاتون کے اس جملے کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبداللہ آخر دم تک لڑتے رہے۔ اور آخر سولی پر چڑھ گئے۔ (استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶)

خواتین کا جذبہ تبلیغ و اشاعتِ علم

اشاعتِ اسلام میں ہمارے آباؤ اجداد نے تو جو حصہ لیا اُس سے ہر لکھا پڑھا آگاہ ہے۔ لیکن یہ حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ عہدِ نبوی میں ہماری مائیں بھی بڑے بڑے کارنامے سر انجام دے چکی ہیں۔ یہ ایک خاتون فاطمہ بنت خطاب کا کمال تھا کہ فاروق اعظم جیسا یگانۂ دہر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ یہ سعدی بنت کریز کی برکت تھی کہ حضرت عثمان داخلِ اسلام ہوئے۔ یہ حضرت اُمّ سلیم کی ترغیب کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابو طلحہ نے دہلیزِ نبوّت پر سر جھکا دیا تھا۔ یہ حضرت اُمّ حکیم کا جذبۂ ایمانی تھا اور حضرت اُمّ شریک کی مسلسل مساعی تھیں جنہوں نے سینکڑوں خواتین قریش کے سینوں میں چراغ ایمان روشن کر دیا تھا۔

تبلیغ کے علاوہ ہماری ماؤں کے علمی کارنامے بھی کچھ کم قابلِ فخر نہیں تھے حضرت عائشہ اُمّ سعد۔ اُمّ سلمہ۔ حضرت حفصہ۔ اُمّ ہشام اور ہند بنت اسید کو پورا قرآن شریف یاد تھا۔ بعض خواتین تفسیر قرآن کا درس دیا کرتی تھیں۔ حدیث کی اشاعت میں بھی صحابیات نے ممتاز حصّہ لیا تھا۔ حضرت عائشہ سے ۲۲۱۰ اور اُمّ سلمہ سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں۔ اسی طرح

اُمّ عطیہ، اسماء بنت ابوبکر، اُمّ ہانی اور فاطمہ بنت قیس سے کافی احادیث منقول ہیں۔

فقہی مسائل پر حضرت عائشہ کے فتووں سے کئی جلدیں تیار ہوسکتی ہیں

اُمّ سلمہ حضرت صفیہ، اُمّ حبیبہ، حضرت فاطمہ، اُمّ الدرداء، عاتکہ، سہلہ، اُمّ شریک اور درجنوں دیگر صحابیات کے فتوے کتب سیر و تاریخ میں محفوظ ہیں۔

بدگوئی سے احتراز

گذشتہ ۴۷ برس میں مجھے مسلمانوں کی ہر سوسائٹی میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا۔ اور ہر جگہ میں نے تین چیزوں کو بہت بدلگام پایا۔ یعنی دل، نگاہ اور زبان۔ یہ حقیقت کسی تشریح کی محتاج نہیں کہ تہذیب نفس نام ہے ان تین چیزوں پر ضبط رکھنے کا۔ اگر دل خواہشات بد سے لبریز ہو، نگاہ بدبین ہو اور زبان بدگو تو انسان اور ابلیس میں کوئی حد فاصل باقی نہیں رہتی۔ السز شاہ خوارزم کے دربار میں ایک شاعر رشید و طواط رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شاعر قصیدہ پڑھ رہا تھا، اور بادشاہ کے سامنے میز پر ایک دوات رکھی تھی۔ چونکہ شاعر بہت پست قد تھا۔ اسلئے بادشاہ نے مزاحاً کہا۔ دوات ہٹا دو کہ شاعر نظر آتا رہے۔ رشید و طواط نے فوراً کہا، المرءُ باصغریہ قلبہ ولسانہ (انسان دو چھوٹی سی چیزوں سے بنتا ہے۔ یعنی دل اور زبان)

سرورِ کائنات کا ارشاد ہے :-

من وقاہ اللہ شر اثنتین ولج الجنۃ ما بین شفتیہ وما بین رجلیہ (موطائے امام مالک)

(جس شخص کو اللہ نے دو چیزوں کے شر سے بچا دیا وہ جنت میں پہنچ گیا۔ وہ ہیں شرمگاہ اور زبان)۔

آج بوڑھوں کی محفل میں جاؤ، ایک دوسرے پر پھبتیاں کس رہے ہیں غیبت کا بازار گرم ہے، عیب ڈھونڈے جا رہے ہیں اور فحش گوئی تو گویا گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ جوانوں کو دیکھو جذبات کے سیلاب میں کس بُری طرح سے بہے جا رہے ہیں۔ نگاہوں میں کتنی بیباکی اور گفتگو میں کتنی عریانی ہے، کسی کو یاد ہی نہیں رہا، کہ شرافت، متانت، حیا اور شیرینی مقال بھی انسانی اوصاف تھے۔ گلیوں میں دیکھو بچے فحش گوئی میں کتنے مشاق ہو چکے ہیں۔ کوئی ایسی گالی نہیں جو انہیں ازبر نہ ہو اور عریانی کی کوئی ایسی سرحد نہیں جسے یہ عبور نہ کر چکے ہوں ظاہر غلیظ اور باطن غلیظ تر، اقوال کثافت ریز اور افعال عفونت خیز، دل فواحش کا گھر اور دماغ دل سے بدتر۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم دل و دماغ اور چشم و زبان کی اصلاح کریں۔ ورنہ اگر ہم اسی راہ پر چلتے گئے تو وقت آئیگا کہ اُمم ماضیہ کی طرح ہماری داستانِ عظمت و حشمت بھی افسانہ بنا دی جائے گی ؎

چہ باید مرد را طبعِ بلندے مشربِ نابے
دل گرمے نگاہے پاک بینے جانِ بیتابے
اقبالؒ

(۱) ایک بار رسول اللہ صلعم نے حضرت جابر بن سلیمؓ کو چند نصیحتیں کیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ کسی کو بُرا بھلا نہ کہا کرو۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کے

بعد انہوں نے تو ایک طرف ہیں نے اونٹ اور بکری کی نسبت بھی نا ملائم الفاظ استعمال نہیں کئے۔ (استیعاب۔ ذکر جابر بن سلیم)

---

(۲) ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ربیعہ اسلمی کو سخت سست کہا اور پھر ندامت کی حالت میں ربیعہ کے پاس گئے اور فرمانے لگے کہ میں نے جو الفاظ تمہارے حق میں استعمال کئے ہیں وہی تم میرے لئے استعمال کرو۔ ربیعہ نے انکار کیا تو آپ حضرت رسول اللہ صلعم کے پاس شکایت لے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ربیعہ! تم نے اچھا کیا اب تم ابوبکر کے لئے دعا کرو۔ جب ربیعہ نے دعا کی تو حضرت ابوبکرؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ (مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۵۸)

---

(۳) کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو زبان پر مکمل قابو حاصل نہیں تھا جب کبھی کوئی ناگوار بات منہ سے نکل جاتی تو پھر پشیمان ہوتے۔ ایک مرتبہ زبان کو پکڑ کر توڑ مروڑ رہے تھے کہ اوپر سے حضرت عمرؓ آ گئے۔ پوچھا ابوبکر یہ کیا کر رہے ہو۔ فرمانے لگے کہ مجھے اس کی خبر لینے دو کہ اسی نے مجھے خراب کر رکھا ہے۔"

(موطائے امام مالک۔ کتاب الجامع)

مہاجرین کے لئے انصار کا ایثار

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے مسلمانانِ ہند کی ہجرت شروع ہوئی اور وہ ابتک

پاکستان میں آرہے ہیں۔ اگر مسلمانانِ پاکستان ذرا ایثار سے کام لیتے تو حکومت کو مہاجرین کے آباد کرنے میں اتنی دشواریوں کا سامنا نہ ہوتا۔ یہاں سے قریباً ۴۵ لاکھ ہندو اور سکھ گئے، اور اُن کی جگہ ۵۵ لاکھ مسلمان مشرقی پنجاب سے آئے۔ ایک سو ہندوؤں میں ۵۰ فیصدی ایسے تھے جو ایک سے زیادہ عمارت کے مالک تھے۔ وہ تین ہزار کارخانے کئی لاکھ دُکانیں اور کئی لاکھ ایکڑ زرعی زمین پیچھے چھوڑ گئے۔ گھر کے سامان کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ہندو گھرانے کے سامان سے چار گھر چلائے جاسکتے تھے۔ اگر مسلمانانِ پنجاب ایثار تو ایک طرف دیانتداری ہی سے کام لیتے تو ساٹھ لاکھ مہاجر کب کے آباد ہو چکے ہوتے۔ مگر یہاں ہوا کیا؟ لوٹ کھسوٹ کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں دکانوں اور مکانوں کی ایک خاصی تعداد پر مقامی مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور پٹواریوں سے مل کر بعض زمینداروں نے زمینیں ہتھیا لیں یعنی گھر سے کچھ دینا تو رہا ایک طرف اُس جائداد کو بھی صحیح و سالم مہاجرین تک نہ پہنچنے دیا جو غیر مسلم یہاں چھوڑ گئے تھے۔

آج سے ۱۳۶۷ برس پہلے بھی ایک ہجرت ہوئی تھی۔ آؤ تاریخ کے ورق اُلٹ کر دیکھیں کہ اُن مہاجرین سے کیا سلوک ہوا تھا۔

اُس ہجرت کے پانچ ماہ بعد حضورؐ نے حضرت انسؓ کے مکان پر ایک میٹنگ طلب کی اور مہاجرین و انصار میں برادری قائم کر دی یعنی بعض مہاجروں کو بعض انصار کا بھائی بنا دیا۔ مثلاً:۔

(۱) حضرت جعفر طیارؓ (مہاجر) کو معاذ بن جبل (از انصار) کا بھائی قرار دیا۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق (مہاجر) کو خارجہ بن زبیر کا بھائی قرار دیا۔
(۳) " عمر بن خطاب " " عتبان بن مالک " " "
(۴) " ابو عبیدہ " " سعد بن معاذ " " "
(۵) " عبدالرحمن بن عوف " " سعد بن ربیع " " "
(۶) " عثمان بن عفان " " اوس بن ثابت " " "
(۷) " طلحہ بن عبید اللہ " " کعب بن مالک " " "
(۸) " ابوذر غفاری " " منذر بن عمر " " "
(۹) " عمار بن یاسر " " حذیفہ بن یمان " " "
(۱۰) " سلمان فارسی " " ابوالدردا " " "
(۱۱) " بلال حبشی " " ابورویحہ " " وغیرہ وغیرہ

اس کا یہ اثر ہوا کہ انصار نے اپنی نصف جائدادیں مہاجرین کے حوالے کرنے کا اعلان کیا۔ لیکن رسول مقبول نے اس سکیم سے اتفاق نہ فرمایا اور فیصلہ کیا کہ مہاجرین بحیثیت مزارعین انصار کی زمینیں کاشت کریں اور پیداوار آدھی آدھی بانٹ لیں۔ (صحیح مسلم)

---

(۲) انصار نے متفقہ فیصلہ کیا کہ ان کی وفات کے بعد مہاجرین ان کی جائداد کے وارث ہوں گے۔ چنانچہ یہ طریقہ کچھ مدت تک چلتا رہا۔ اور جب یہ آیت (ولکل جعلنا موالی .....) نازل ہوئی تو یہ طریقہ منسوخ ہوگیا۔ (صحیح بخاری)

(۳) جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ربیع کے بھائی بنائے گئے تو حضرت سعد نے گھر آتے ہی نصف جائداد اور ایک بیوی اپنے مہاجر بھائی کی خدمت میں پیش کی۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا اور حضرت سعد کے لئے نہایت خلوص سے دعا مانگی۔ (صحیح بخاری)

---

(۴) فتح بحرین کے بعد جب حضورؐ نے انصار کو وہاں کچھ زمین دینا چاہی تو اُنہوں نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ہم کوئی ایسی چیز نہیں لینا چاہتے جس میں ہمارے مہاجر بھائیوں کا حصہ نہ ہو۔ (صحیح بخاری)

---

(۵) انصار مدینہ نے مہاجرین کے لئے کیا کچھ نہیں کیا تمام مکانات دیئے۔ جائدادیں دیں۔ یہ جنگ میں ۸۵ اور ۱۵ کی نسبت سے شامل ہوتے رہے یعنی مہاجرین صرف ۱۵ فیصدی ہوتے تھے۔ اور خلافت کیلئے بیشمار لہو بہایا۔ لیکن جب رحلت رسول صلعم کے بعد خلیفہ منتخب کرنے کا وقت آیا تو انصار نے بہ رضائے تمام ایک مہاجر یعنی حضرت ابوبکر کو اپنا امیر منتخب کیا۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی انصار نے اپنی طرف سے کوئی اُمیدوار کھڑا نہ کیا۔ ایثار کی انتہا ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی انصار نے امارت کی خواہش نہ کی اور منصب کے لئے پہلا موقعہ مہاجرین کو دیا۔

کیا آج ہم میں بھی یہ جذبہ موجود ہے؟

خاتمہ!

جنگ خیبر میں جب سید الکونین نے ایک صبح اسلامی افواج کی قیادت کا علم حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا تو ساتھ ہی چند نصائح بھی ارشاد فرمائیں جن میں سے ایک یہ تھی:۔

ان یھدی اللہ بک رجلاً خیر لک من حمر النعم

اگر تمہیں سرخ اونٹ مل جائے تو اس سے بہتر یہ ہے کہ کوئی شخص تم سے ہدایت حاصل کر لے۔

میں بھی اپنے آپ کو "سرخ اونٹ" کا مالک سمجھوں گا۔ اگر سطور بالا کو پڑھنے کے بعد ایک قدم بھی رہ مستقیم پر چل نکلا۔ ایک دل بھی نور ہدایت سے منور ہو گیا اور ایک سینہ بھی تجلیات عرفان کا مسکن بن گیا۔

مضمون لمبا تھا۔ ممکن ہے آپ کو یاد نہ رہا ہو کہ میں کیا کہہ چکا ہوں۔ اسلئے ایک بات اور سن لیجیے، تاکہ بھولے ہوئے سبق کا اعادہ ہو جائے۔

سرور کائنات کو حضرت معاذ بن جبل سے خاص محبت تھی۔ اور غالباً حضرت معاذ تنہا وہ صحابی ہیں جنہیں رسول کریم صلعم نے بہ خلوت و جلوت اپنے نصائح سے بہت زیادہ مستفیض فرمایا۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:۔

حضورؐ فرماتے ہیں:۔

معاذ سنو! صدقہ گناہ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو پانی کی طرح بجھا

دیتا ہے۔

(۲) اسلام کو ایک اونٹ سمجھو جس کا کوہان جہاد ہے۔

(۳) معاذ نے پوچھا حضورؐ! جو کچھ ہم بولتے ہیں، کیا اُس پر بھی مواخذہ ہوگا؟

حضورؐ نے فرمایا۔ "بہت سے لوگ صرف زبان کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنیں گے"۔

(۴) شرک نہ کرنا، خواہ کوئی شخص زندہ تمہیں آگ میں پھینک دے والدین کو دُکھ نہ دینا، خواہ وہ تمہیں جائداد اور اولاد سے محروم کردیں شراب نہ پینا کہ یہ تمام فواحش کی بنیاد ہے۔ گناہ کے قریب نہ جانا۔ اسلئے گنہگار پر اللہ کا غصہ حلال ہوجاتا ہے۔ جہاد میں پیٹھ نہ دکھانا۔ خواہ سارا لشکر خاک و خون میں لوٹ چکا ہو۔

(۵) حضورؐ نے معاذ کو پانچ چیزوں کی تاکید فرمائی اور ساتھ ہی کہا کہ جو شخص انہیں پورا کرے گا۔ اللہ اس کے ساتھ رہے گا۔

(۱) مریض کی عیادت (۲) جنازہ میں شمولیت (۳) جہاد۔

(۴) اچھے حاکم کی عزت، بُرے حاکم کی ذلت (۵) ایذارسانی عیب جوئی اور غیبت سے بچنا۔

(۶) اے معاذ! مظلوم کی بد دُعا سے ڈر کہ مظلوم اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں۔

(۷) آنحضرتؐ نے معاذ کو یمن کا حاکم مقرر کرتے وقت فرمایا۔

(۱) عیاشی سے دُور رہنا کہ اللہ کو عیاشی سے نفرت ہے۔

(۲) جس طرح اکیلی بکری کو بھیڑیا پکڑ لیتا ہے۔ اسی طرح شیطان اس انسان کو اپنے بس میں کر لیتا ہے جو جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

(۲)

ہمارے دینی دارالعلوم اور علماء

آئے دن پاکستان کے کسی نہ کسی گوشے سے یہ صدا بلند ہوتی رہتی ہے۔ کہ اب پاکستان بن چکا ہے۔ اسلئے ملک میں دینی دارالعلوم قائم کرو۔ اور بعض شہروں میں سہارنپوری اور بریلوی طرز کے کچھ مکاتب جاری بھی ہو چکے ہیں۔

آئیے قرآن مکاتب اور ان کے نصاب پر ایک نظر ڈالیں۔

نصاب مکاتب

زمانہ بدلا، دُنیا بدلی، تمدّن بدلا، تہذیب بدلی، مسائل بدلے، فلسفہ حیات تبدیل ہو گیا۔ نظریات زندگی میں انقلاب آیا۔ الغرض زمین و آسمان بدل گئے۔ لیکن اگر تبدیل نہ ہُوا تو ہمارے مکاتب کا نصاب تعلیم۔ جو آج سے کئی سو برس پہلے درس نظامی کے عنوان سے وضع ہُوا تھا۔ اور اب تک ہمارے گلے کا ہار بنا ہُوا ہے۔

اس نصاب کی رُو سے پہلے فارسی کی چند کتب پڑھائی جاتی ہیں۔ مثلاً کریما نامِ حق۔ پند نامہ عطار۔ بوستان۔ گلستان۔ یوسف زلیخا اور سکندر نامہ جہاں تک ان ابتدائی کتابوں کا تعلق ہے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تشکیل کردار کے لئے یہ مفید ہیں۔ اور ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نصاب کی دوسری منزل یعنی عربی

صرف و نحو بھی ضروری ہے۔ لیکن چند چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے فہم سے بالاتر ہیں۔ مثلاً

اوّل۔ نحو کے بعد یونانی منطق کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ جن کا سلسلہ کئی برس تک جاری رہتا ہے۔ اور منطق بھی ایسی کہ نہ معلم سمجھے نہ متعلم اور نہ حقائق حیات سے اسے دُور کا بھی واسطہ ہوتا ہے۔ پہلے ذرا منطق کی کتابوں کے نام سنیئے

نام	صفحات اندازاً	نام	صفحات اندازاً
۱۔ ایساغوجی	۵۰	۲۔ میر ایساغوجی	۴۰
۳۔ قال اقول	۷۰	۴۔ تہذیب	۱۲۰
۵۔ شرح تہذیب	۱۵۰	۶۔ قطبی	۲۰۰
۷۔ میر قطبی	۲۵۰	۸۔ سلّم العلوم	۲۸۰
۹۔ حمد اللہ	۳۰۰	۱۰۔ اشارات	۱۲۰
۱۱۔ مُلا حسن	۳۴۰	۱۲۔ میرزاہد مُلا جلال	۳۰۰

۱۳۔ نیز شیخ عبدالحکیم سیالکوٹی اور مولانا فضل حق خیرآبادی کی چند کتابیں۔

صرف منطق کی تدریس پر کم و بیش سات برس خرچ کئے جاتے ہیں۔ اور پڑھا کیا جاتا ہے؟ لیجئے منطق کی سب سے اہم کتاب حمد اللہ کے چند مسائل سُنیئے۔

۱۔ علم کی دو قسمیں ہیں۔ اجمالی و تفصیلی۔ اجمالی علم وہ ہے جس میں صُورِ متعددہ کا انکشاف دفعۃً واحدۃً ہو۔ اور تفصیلی وہ جس میں موضوع۔ محمول اور نسبت کا

الگ الگ خیال کر کے بعدہٗ حکم جاری کیا جائے۔ اور منطق میں اسی چیز پر بحث ہوتی ہے۔

۲۔ مشاہدہ شاہد ہے کہ متعلق تصدیق خارج از معنی زید قائم کے کوئی چیز نہیں۔

۳۔ اگر تصدیق علم ہو تو یا تصوّرات ثلثہ وادراکیہ سے عبارت ہوگی یا ادراک مسمی بالحکم سے۔ تو پھر متعلق سے مراد معلومیہ و مدرکیہ ہوگا۔ علی الاول مفہوم قضیہ وعلی الثانی نسبتہ ہوگی۔

۴۔ محال من حیث المحال پر حکم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ذہن میں اس کی کوئی صورت موجود نہیں ہوتی۔ اگر صورت ہو تو ذہن بھی افراد نفس الامر سے ہوگا۔ اور اس صورت میں محال من حیث ہو محال نفس الامر میں موجود ہو جائے گا۔ اور موجود فی نفس الامر ممکن ہوتا ہے۔ اس لئے محال ممکن ہو جائے گا۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ محال ذہناً و خارجاً معدوم ہے۔

۵۔ اتصاف انضمامی اسے کہتے ہیں کہ موصوف و صفت ظرف اتصاف میں موجود ہوں اور انتزاعی یہ ہے کہ موصوف ظرفِ اتصاف میں موجود ہو اور صفت کو اس سے انتزاع کیا جائے۔ مثلاً السماء فوقنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

تو یہ ہیں یونانیوں کے وہ خرافات جن پر طلبہ کے کم و بیش سات آٹھ برس ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ ایسا غوجی سے لے کر حمد اللہ تک انہی معدوداز کار مہمل اور بے حقیقت مباحث کو بار بار دہرایا جاتا ہے اگر کسی عالم دین سے پوچھا جائے کہ حضرت! ان عنوانات کی تدریس کا مقصد کیا

ہے ؟ یہ موضوع محمول، سالبہ کلیہ، موجبہ جزئیہ، مطلقہ عامہ اور کلّی ہتوا ملی زندگی کے کس روگ کا علاج ہیں ؟ آیا ان سے قوم کا کردار بنتا ہے ؟ یا تہذیب میں کوئی انقلاب آتا ہے ؟ یا ملک کی سیاسیات و اقتصادیات پہ ان کا اثر پڑتا ہے ؟ تو مولانا کی چتون پہ بل پڑ جائیں گے۔ اور وہ ساون کے بادل کی طرح کڑک کر فرمائیں گے۔

" ابے او نامحمول۔ کلام اللہ کے ساتھ یہ استہزا۔ دُور ہو جاؤ میری آنکھوں سے ورنہ تیری تیرہ پشتوں کو کافر بنا دوں گا "

منطق کے بعد معقول کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے اور اس فن کے حصول پر بھی برسوں صرف کئے جاتے ہیں۔ اس فن کی مشہور کتابیں میبذی اور صدرا ہیں۔ ان میں طبعیات و الٰہیات ہر دو پہ مفصّل مباحث درج ہیں۔ آجکل ہماری جدید درسگاہوں میں بھی طبعیات کا شعبہ موجود ہے جس میں نباتات، حیوانات، جمادات عناصر، اثیر، برق، اشعہ، حرارت، طاقت وغیرہ پہ وہ بصیرت افروز درس دیئے جاتے ہیں کہ مبتدیانِ خاک میں آفاقی سماحات کی روح بیدار ہو جاتی ہے۔ اور دوسری طرف جو معقول مکاتب میں پڑھایا جاتا ہے اسکی نامعقولیت پر مُلّا کے بغیر ساری کائنات کی شہادت پیش کی جاسکتی ہے۔ مثلاً

یونانی الٰہیات کا بنیادی مسئلہ یہ ہے۔ کہ خدا ہر لحاظ سے واحد ہے اسلئے وہ صرف ایک چیز پیدا کر سکتا ہے۔ اگر وہ دو چیزیں پیدا کرتا، تو بحیثیت خالق اس کا رشتہ (یا نسبت) دو خلق شدہ چیزوں سے قائم ہو جاتا اور اس طرح خدا منقسم ہو جاتا۔ چونکہ خدا کی ذہنی تقسیم بھی محال ہے۔ اسلئے وہ ایک سے

زیادہ چیز کا خالق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللہ نے صرف ایک چیز یعنی عقل اولیٰ پیدا کی۔ عقل اوّل نے عقل دوم اور فلکِ اول کو جنم دیا۔ عقل دوم نے فلک دوم اور عقل سوم کو پیدا کیا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ فلک نہم اور عقل دہم تک جا پہنچا۔ اور عقل دہم نے ساری کائنات پیدا کی۔ اس شعبہ میں از اول تا آخر اس قسم کے خرافات بکھرے ہوئے ہیں۔ جنہیں مولانا حافظ حاجی عبدالقیوم صاحب چشتی نقشبندی سہروردی التھانوی المدنی الجمہوری الغوری جھوم جھام کر پڑھاتے ہیں اور حواس پر اندا ختہ معلم و متعلم ہر دو کو ایک لمحہ کے لیئے بھی خیال نہیں آتا کہ ہم ان لایعنی بے کار اور لغو مباحث پہ وقت، زندگی اور فکر و نظر کا سرمایہ کیوں ضائع کر رہے ہیں۔

عموماً علمائے دین فرمایا کرتے ہیں کہ کالجوں میں سائنس پڑھنا کفر ہے۔ بدیگر الفاظ برق و کہربا، حرارت و برودت، صدا و نغمہ، مہر و انجم اور حجر و شجر کی حقیقت پہ بحث کرنا اور کتاب فطرت میں سے تصریف ریاح و سحاب کی آیات پڑھ کر سنانا تو کفر ہے۔ اور اللہ کو صفت خلق سے معزول کر کے بیکار محض بنانا عین اسلام ہے۔! قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ۔

فقہ فلسفہ و منطق کے ساتھ ساتھ فقہ کا درس بھی دیا جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ فقہ انسانی فکر و اجتہاد کا دوسرا نام ہے۔ چونکہ اللہ نے قرآن میں بعض مسائل پہ روشنی نہیں ڈالی۔ مثلاً لواطت، شراب نوشی، قمار بازی، اور بیسیوں دیگر جرائم کی سزا بیان نہیں کی۔ زکوٰۃ کی تعیین نہیں فرمائی وغیرہ وغیرہ اسلیئے ان تمام مسائل و معاملات میں انسان کو اپنی عقل سے کام لینا پڑا۔ جس کا

دوسرا نام فقہ ہے۔ فقہ پڑھاتے وقت مولوی صاحب فرماتے ہیں: "چونکہ اس معاملہ پر قرآن و حدیث دونوں خاموش ہیں۔ اسلئے امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے۔ اور امام محمد کی وہ"۔ اور اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ حضرت آخر آپ کے اس منڈے ہوئے سر میں بھی کچھ نہ کچھ عقل موجود ہوگی۔ آپ کی رائے اس مسئلہ میں کیا ہے؟ تو جھٹ کہ فرمائیں گے: "مذہب کے مسائل میں تم انسانی رائے کو داخل کرنا چاہتے ہو! لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ استغفار پڑھو اور توبہ کرو۔ ورنہ ......"

طالب العلم۔ لیکن قبلہ! امام محمد۔ ابو یوسف اور ابو حنیفہ وغیرہ بھی تو انسان تھے اگر ان کی رائے مذہبی مسائل میں دخل انداز ہو سکتی تھی تو ہمیں اس حق سے کیوں محروم کیا جاتا ہے؟

اُستاد۔ ابے او نامعقول! تو اتنا نہیں جانتا کہ وہ امام و مجتہد تھے۔ اور ہم محض مقتدی و مقلد ہیں۔

طالب العلم۔ لیکن حضرت! کیا قرآن میں کہیں یہ لکھا ہُوا ہے کہ زندگی کے واقعات و مقدمات پر سوچنے کا حق صرف ان اماموں کو حاصل تھا۔ اور ہمارے لئے سوچنا گناہ ہے؟

اُستاد۔ مذہب میں انسانی رائے کو داخل کرنا کفر ہے۔ اس لئے ہم تم کبھی سوچ نہیں سکتے!

طالب العلم۔ لیکن امام ابو حنیفہ و محمد بھی تو انسان تھے۔ اگر ان کی رائے جزو مذہب بن گئی ہے؛ اور مذہب کافر نہیں ہُوا تو پھر آپ کی اور ہماری رائے سے طوفانِ کفر کیسے اُٹھ پڑے گا؟

اُستاد۔ بکواس بند کرو۔ ورنہ ....

تو یہ ہے وہ نحو جو ان مکاتب میں بایں اسلوب پڑھائی جاتی ہے کہ طالب العلم کی عقل معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے تمام قوائے باطنی پر اوس پڑ جاتی ہے اور جب وہ مکتب سے فارغ التحصیل ہو کر باہر نکلتا ہے تو اس میں اور بُودم بے ملال میں صرف دُم کا فرق رہ جاتا ہے۔

تفسیر

جہاں تک قرآن حکیم کا تعلق ہے۔ اول تو درس نظامی میں یہ شامل ہی نہیں۔ اور اگر بعض مدارس میں تکلفاً پڑھایا بھی جاتا ہے، تو اس انداز سے کہ فقہی اختلافات کو اور ہوا دی جاتی ہے۔ تحلیل حرفی اور ترکیب نحوی پر تمام زور بیان صرف کیا جاتا ہے۔ اور تفسیری احادیث (جن کے متعلق امام احمد بن حنبل نے فرمایا تھا کہ یہ سب وضعی ہیں) کی روشنی میں آیات کے مطالب بیان کئے جاتے ہیں۔ "مرج البحرین" میں بحرین سے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ مراد لئے جاتے ہیں۔ یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان میں لولو و مرجان سے امام حسینؓ و حسنؓ۔ اور انزلنا من السماء من جبال میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت سنائی جاتی ہے کہ آسمانوں میں بھی پہاڑ موجود ہیں۔ اور بارشیں انہی پہاڑوں سے زمین پر برستی ہے۔ مہر و آفتاب کے عجائبات پر بحث کرتے ہوئے غروب کے بعد سورج کو عرش کے نیچے شب بھر سجدے میں رکھا جاتا ہے۔ ہاروت و ماروت کو اب تک بابل کے کسی کنوئیں میں لٹکا ہوا بتایا جاتا ہے۔ حالانکہ بابل کو مٹے ہوئے بھی صدیاں گذر چکی ہیں۔ ناسخ و منسوخ پر بحث کرتے وقت قریباً بیس آیات کو بیکار قرار دیا جاتا ہے۔ اور ڈنکے کی چوٹ

اعلان کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی زندگی میں آیۂ رجم قرآن میں موجود تھی۔ لیکن بعد میں کسی نے نکال دی۔ آیۂ راسراً کی تفسیر پیش کرتے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر افلاک کی ایک ایک منزل گنی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ کس طرح خدا و رسول ہر دو نے اُمت محمدیہ کی استطاعت کا غلط اندازہ لگا کر اکٹھی پچاس نمازیں فرض کر دی تھیں۔ اور حضرت موسےٰ علیہ السلام نے خدا و رسول کو صحیح مشورہ دے کر ان کی لاج رکھ لی تھی۔ ورنہ کوئی شخص اسلام کے تعریک تک نہ پہنچ سکتا۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً پر بحث کرتے وقت دعاؤں کے اعجاز پہ روشنی ڈالی جاتی ہے کہ فلاں دعا سے بہشت میں اتنے محل بن جاتے ہیں اور فلاں سے اتنے لاکھ حج کا ثواب ملتا ہے "حسنۃً" سے مراد خرقہ، عمامہ، قبا، حلوہ اور صرف ایمان لئے جاتے ہیں۔ خلافت ارضی و بادشاہت کو متاع الغرور قرار دیا جاتا ہے۔ اہل و عیال، باغات و انہار و دیگر طیبات ارضی کو فتنہ کہا جاتا ہے۔

الغرض اس تفسیر کے ان مطالب اور ان فلسفیانہ نکات کے بعد جو متعلم تیار ہوتا ہے۔ اُسے نئے افکار و تصورات، نئے انسان، نئے تمدن، نئی اقوام اور نئے علوم سے انتہا درجے کی نفرت ہوتی ہے۔ کیا یہی وہ متعلم یا مُلّا ہے جس کی تخلیق کے لئے آپ قدیم طرز کے دار العلوم کھول کر لاکھوں روپے برباد کرنا چاہتے ہیں۔

حدیث درس نظامی میں حدیث کی چند کتب مثلاً مشکوٰۃ۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ سنن ابی داؤد وغیرہ بھی شامل ہیں۔ حدیث کا درس

حدیث کی اقسام سے شروع کیا جاتا ہے۔ کہ حدیث کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً مقطوع، موقوف۔ منقطع۔ غریب۔ ضعیف۔ منکر۔ محکم۔ متواتر۔ آحاد۔ مستفیض وغیرہ اس کے بعد حدیث کی تاریخ یوں بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ احادیث لکھا کرتے تھے۔ لیکن یہ نہیں بتاتے کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ابوہریرہؓ نے کتابت احادیث سے انکار کیوں کیا ہے۔ نہ یہ بتلاتے ہیں۔ کہ ان صحابہ نے مسلم کی مشہور حدیث لا تکتبوا عنی شیئاً غیر القرآن (۱)۔ (حضورؐ فرماتے ہیں کہ قرآن کے بغیر میرا کوئی اور قول مت لکھو) کی خلاف ورزی کیوں کی تھی۔ نہ یہ سمجھاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا مجموعہ احادیث کیوں جلا ڈالا تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے تمام مدینہ کی احادیث کیوں سپرد آتش کر دی تھیں۔ اور بڑے بڑے آئمہ حدیث مثلاً سفیان بن عیینہ۔ سفیان ثوریؒ ابو خالد الاحمر الکوفی۔ امام داؤد طائی۔ حضرت فضیل بن عیاض۔ امام شعبہ۔ اور امام اعمش احادیث سے کیوں بھاگتے تھے؟ (تفصیل کے لئے دیکھو میری تازہ تصنیف "دو اسلام" کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور)۔

درس حدیث میں زیادہ دلچسپ پہلو یہ ہے کہ درایت (عقل) سے کام لینے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاتی۔ اگر بخاری میں درج ہے کہ حضور علیہ السلام حیض کی حالت میں یا روزہ رکھ کر ازواج مطہرات سے مباشرت (بوس وکنار) فرمایا کرتے تھے یا کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے۔ یا ایک ہی وقت میں گیارہ ازواج سے مجامعت فرماتے تھے۔ تو ہمیں حکم ہے کہ بلا چون و چرا ایمان لے آؤ۔ اگر بخاری میں لکھا ہے کہ کعبہ اور بیت المقدس کی تعمیر میں صرف چالیس

سال کا وقفہ حائل تھا۔ تاریخ لاکھ چلائے کہ نہیں تیرہ سو برس کا وقفہ تھا۔ تو ہمیں اس تاریخی غلط بیانی کو بھی ڈکار لئے بغیر ہضم کرنا ہی پڑتا ہے۔ اگر بخاری میں درج ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد عرش الٰہی کے نیچے سجدے میں گر جاتا ہے اور رات بھر وہیں پڑا رہتا ہے۔ اور دوسری طرف امریکہ و انگلستان والے لاکھ شور مچائیں کہ یہ دیکھو ہمارے ہاں سورج نصف النہار پہ چمک رہا ہے اور تمہاری یہ حدیث غلط ہے تو ہمارے اساتذہ الحدیث یہی کہے جائیں گے کہ حدیث سچی ہے۔ اور یہ ایک ادب ۲۵ کروڑ انسان جن پر رات کے وقت سورج چمک رہا ہوتا ہے۔ سب بک رہے ہیں۔

ان جغرافیائی و تاریخی غلط بیانیوں کے علاوہ اوہام و اباطیل کو اس قدر فروغ دیا گیا ہے۔ ایک ایک دعا پہ اتنی جنتیں تقسیم کی گئی ہیں۔ شہادت، جہاد اور جہاں نثاری جیسے اہم اصول حیات کی اس قدر تحقیر کی گئی ہے۔ تعلیمات قرآن کا وہ مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ تصورات حیات کو اس قدر مسخ کیا گیا ہے۔ گناہوں کو اس فیاضی سے معاف کیا گیا ہے۔ کہ حدیث کا طالب علم قرآن کے بلند فلسفۂ زندگی سے یکسر بیگانہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی نگاہوں پہ اوہام کے وہ دبیز پردے پڑ جاتے ہیں کہ وہ حقائق کو نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ برداشت کر سکتا ہے۔ ممکن ہے آپ میری گذارشات کو مبالغہ سمجھیں۔ بہت اچھا۔ تشریف لے چلئے اور کسی عالم دین سے ملاقات کیجئے۔ مسائل جدیدہ پہ گفتگو فرمائیے۔ اسلام کی بین الاقوامی حیثیت پہ سوال پوچھئے۔ قل تعالو الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم (اے لوگو آؤ ہم اپنی اور تمہاری الہامی کتابوں

کی مشترک ہدایات پر ل کر عمل کریں) کی حقیقت دریافت کیجئے اور پوچھئے۔ کہ جناب بادشاہت کا وعدہ تو صرف مسلمانوں سے ہوا تھا۔ آج یہ دیگر اقوام عالم کیوں سر بلند ہیں؟ اور مسلمان ہر جگہ کیوں ذلیل ہے؟ اس کی سیاست ہیں کیوں مبیت نہیں؟ اس کی معاشی حالت کیوں پست ہے؟ اس کے کردار میں کیوں سفاہت ہے؟ وہ جہالت میں کیوں ڈوبا ہوا ہے؟ تمام اقوام عالم اسے مٹانے پر کیوں تلی ہوئی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو جو جواب آپ کو حضرت مولانا سے ملے گا۔ اس سے آپ کو یقین ہو جائے گا۔ کہ مولانا ہیں باقی تو سب کچھ موجود ہے۔ صرف عقل عامہ اور فہم و فکر کا فقدان ہے۔

عالم دین تو یہ ہے وہ عالم دین جس کے لئے جا بجا مکاتب کھولے جاتے ہیں۔ ایک امر میرے فہم سے ہمیشہ بالاتر رہا ہے۔ کہ ان حضرات کو علمائے دین کیوں کہا جاتا ہے؟ ہمارے ہاں دین نام ہے قرآنی تعلیمات کا۔ اور یہ لوگ قرآنی تعلیمات سے بڑی حد تک کورے ہوتے ہیں۔ ان کے عقائد یا رواجی ہوتے ہیں اور یا حدیثی۔ بہرحال قرآنی نہیں ہوتے۔ اگر یقین نہ آئے تو جائیے اور مولانا سے پوچھئے۔

اوّل۔ کہ اگر سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ رحمۃ للعالمین بننے کے لئے تمام صحف سابقہ کی صداقت کا اعلان کریں تو پھر آپ پہلی کتابوں کو غلط سلط کیوں قرار دیتے ہیں۔ قرآن ان کے الہامی ہونے پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔ اور آپ ان کے غلط۔ محرّف گھٹیا اور نامکمل ہونے پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ کیا؟

دوم۔ اگر قرآن تورات و انجیل کی صداقت کا اعلان کر رہا ہے مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ تو آپ ان کتب کے تحریف ہونے پر قلم اور پمفلٹوں کا تمام زور کیوں صرف فرما رہے ہیں۔ کیا آپ خدا سے زیادہ عقلمند ہیں۔

سوم۔ اگر اسلام کو بین الاقوامی حلقوں میں مقبول و دلکش بنانے کے لئے اللہ نے یہ اعلان کیا تھا۔

"ہم نے ہر قوم میں پیغمبر بھیجا تھا" (قرآن)

"ہم نے ہر بستی میں مصلح بھیجا تھا" (قرآن)

تو پھر آپ رام چندر جی، کرشن جی، مہاتما بدھ، زرتشت اور حضرت کنفوشس کی نبوت کا اعلان کر کے ان انبیاء کے کروڑوں نام لیواؤں کی محبت کیوں نہیں خریدتے؟

چہارم۔ اگر قرآن نے ہمیں یہ حکم دیا تھا۔ کہ تمام انبیاء کو برابر سمجھو۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ۔ تو پھر آپ اپنے خطبوں میں وَالسَّلَام عَلٰی خَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ کہہ کر ان میں فرق کرنے والے کون ہیں؟

پنجم۔ اگر تورات کے متعلق اللہ کا یہ فرمان موجود ہے:

وَتَمَامًا عَلَى الَّذِیْ اَحْسَنَ

(کہ وہ تمام بہترین ہدایات پر مکمل طور پر حاوی ہے)

تو آپ کون ہوتے ہیں تورات کو نامکمل اور ناقص کہنے والے۔

ششم۔ اگر قرآن بیسیوں مقامات پر یہ اعلان کر رہا ہے کہ ہم کسی انسان کے

اعمال ضائع نہیں کرتے۔ اور ہم دُنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ ہر فرد کو خواہ وہ مسلم ہو یا عیسائی، اس کی محنت اور تگاپو کا صلہ مل رہا ہے۔ تو پھر آپ کون ہوتے ہیں جنت اور اللہ کو ہم رسمی و بناسپتی مسلمانوں کے لئے مخصوص کرنیوالے؟
ہفتم۔ اگر اللہ کے ہاں مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ مجاہد ہو۔ محنتی ہو بحائی حیات کا شائق ہو۔ ملت سے وابستہ ہو۔ بلند کردار ہو۔ اور کائنات کو مسخر کرنے کا گُر جانتا ہو۔ تو پھر آپ مسلمان کو تلوار کی جگہ تسبیح کیوں دے رہے ہیں۔ اُسے زندگی کی دلکشیوں سے کیوں نفور بنا رہے ہیں۔ اُسے میدان عمل سے گوشۂ ریاضت میں کیوں گھسیٹ رہے ہیں۔ اس کے تُند و تیز طوفانوں کو امواج سسبت لو میں کیوں بدل رہے ہیں۔ اس جہان گرد و فلک نورد کو پابند صومعہ کیوں بنا رہے ہیں۔ اس آقائے مہر و انجم کو پرستاری ظلمت کی کیوں دعوت دے رہے ہیں؟ یا یوں کہیئے کہ مسلمانوں کو گبر سے بھی بڑا کافر کیوں بنا رہے ہیں؟
ہشتم۔ اگر یہ چہلم۔ جمعراتیں۔ خیراتیں، یہ عُرس، یہ قبروں پہ میلے اور یہ قوالیاں قرآن میں مذکور نہیں۔ تو پھر آپ انہیں جزو اسلام کیوں قرار دے رہے ہیں؟
نہم۔ اگر قرآن میں یہ صاف صاف مذکور ہے کہ (مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ (مُردے نہیں سُن سکتے) تو آپ لوگوں کو اللہ سے کاٹ کر مُردوں کا غلام و پرستار کیوں بنا رہے ہیں؟ کیا اللہ نے کوئی ایسا سرکلر جاری کیا تھا۔ جس کی رُو سے اللہ کے تمام اختیارات مُردوں کو منتقل ہو چکے ہیں۔ اور خود خدا بیکار محض بن کر اپنی بے بسی و ناخدائی پر آنسو بہا رہا ہے۔ (معاذ اللہ)
الغرض ہمارے علمائے دیوبند کے عقائد کا قرآن سے اتنا ہی تعلق ہے۔

جتنا جگنو کا نور ہے، قوم پر حدیث و فقہ کا مبہم سا لیبل لگا لیا اور پھر لگے شور مچانے کہ ہم عالم دین ہیں۔ اسلام کے واحد ٹھیکیدار ہیں۔ رسول کے جانشین ہیں۔ مشیت ایزدی کے ترجمان ہیں۔ آئین خدائی کے مفسر ہیں اور مذہب کے جنرل انسپکٹر ہیں۔

دین قرآن کا دوسرا نام ہے۔ دین کے معنی ہیں قانون جو اللہ نے وضع کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کی تشریح صرف خدائی کتاب ہی میں مل سکتی ہے۔ جس روز اللہ نے تکمیل قرآن کا اعلان فرمایا تھا تو یہ نہیں کہا تھا کہ آج تمہارا قرآن مکمل ہو گیا ہے۔ بلکہ کہا تو یہ کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

(آج تمہارا دین مکمل کر دیا گیا ہے)

بالفاظ دیگر قرآن اور دین ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔

آئیے دیکھیں کہ علمائے دین کا علم، دین سے کہاں تک تعلق رکھتا ہے۔

ہم عرض کر چکے ہیں۔ کہ درس نظامی میں چند دقیانوسی قسم کے علوم شامل ہیں جن میں سے بعض کا تعلق دین سے اتنا ہی ہے، جتنا یورپ کا انسانوں سے۔ قدر نصاب کی مختلف کڑیوں پر نگاہ ڈالئے۔ آغاز فارسی نظم سے ہوتا ہے۔ جن میں کچھ اخلاقی کتابیں ہیں، مثلاً بوستان و گلستان، یوسف زلیخا ایک رومانی نظم ہے اور سکندر نامہ رزمیہ شاعری ہے۔ فارسی کے بعد صرف و نحو پڑھائے جاتے ہیں۔ جن کا مقصد عربی زبان سیکھنا ہے۔ منطق خرافات کا پلندہ ہے۔ معقول الحاد و بدعتی کا دوسرا نام ہے۔ فقہ مجتہدین کے قیاسات کا نام ہے اور بس۔

حدیث میں ساڑھے ننانوے فی صدی روایات غلط۔ خلافِ قرآن۔ خلافِ عقل خلافِ واقعہ اور خلافِ فطرتِ انسانی ہے۔

کیا یہی وہ علوم ہیں۔ جنہیں پڑھ کر آپ علمائے دین بنے پھرتے ہیں؟ اور فسادیوں کی بے پناہ بمباری سے دنیا کو دم بھر چین نہیں لینے دیتے۔ اور فکر و نظر کا یہ عالم۔ کہ سائنس کفر، جغرافیہ و حساب گناہ، تسخیرِ کائنات مادہ پرستی۔ تلاشِ رزق دنیا طلبی۔ طیبات خبائث۔ کالج الحاد کے اڈے ہیں۔ تجربہ و مشاہدہ محض بیکار۔ سیرِ کائنات تضیعِ اوقات۔ اور کام کی چیز کونسی؟ حلوہ، مرغا، کھیر، سویاں، ڈھیلا استنجا، داڑھی، دعائیں، تسبیحیں، مسکنت، فولمت، فلاکت، غلاظت، جہالت، ظلمت، کیسی ظلمت؟ ظلمتِ ماحول، ظلمتِ افکار، ظلمتِ اوہام، ظلمتِ روایات اور ظلمتِ خرافات۔

حیرت ہے کہ جو شخص درسِ نظامی کے ظلمت کدوں میں عمر بھر گھومتا رہا۔ وہ تجلیاتِ علم کا خواستگار کیسے بن گیا جس نے فلاطون و ارسطو کے خرافات میں زندگی کا بیشتر حصہ گزار دیا۔ وہ عالمِ دین کیونکر کہلانے لگا۔ امام احمد بن حنبل امام ابن تیمیہ۔ فخر رازی۔ علامہ کیتھلی۔ علامہ اقبال۔ علامہ مشرقی۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے بلند مفسرینِ قرآن کو تو ہم علمائے دین کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر امامِ مسجد کو محض اس لئے عالمِ دین سمجھ لینا کہ اس نے عبا پہن رکھی ہے۔ اور معتقدوں کا دل چھیننے کیلئے آنکھوں میں کاجل لگا رکھا ہے۔ اس لفظ کا سخت بے جا اور غلط استعمال ہے۔ ع

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند

(۳)

شریعت کیا ہے؟

حکومت کے کارندوں کی نااہلیت کو کچلنا۔ بیوی بچوں کا الاؤنس مقرر کرنا۔ گنبد پرستی کی لعنت کو ختم کرنا۔ ہر آدمی سے انصاف کرنا۔ چور بازاری کو مٹانا۔ جھوٹوں سمگلروں اور فریب کاروں کو سزائیں دینا۔ عوام میں تبلیغ کا انتظام کرنا حکومت کا فرض ہے، اور یہی مقصدِ شریعت ہے۔

اسلام کے رُخِ روشن پر منقش بدعات پر لطیف طنز!!

پاکستان کی مجلس دستور ساز کچھ عرصے سے دستور سازی میں مصروف ہے۔ اور ملک کے ہر گوشے سے یہ صدا بلند ہو رہی ہے۔ کہ دستور کی بنیاد شریعت پر رکھو۔ لیکن آج تک کسی عالم کو یہ توفیق نہیں ہوئی۔ کہ وہ شریعت کے مفہوم پر روشنی ڈالے اور ہمیں بتائے کہ شریعت سے کیا مراد ہے؟ آیا شریعت سے مراد صرف قرآن ہے۔ یا اس میں حدیث اور فقہا کا اجتہاد بھی شامل ہے؟ اگر صرف قرآن مراد ہے، تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ اور اگر حدیث و اجتہاد فقہا بھی شاملِ شریعت ہے، تو ایسی شریعت محلِ نظر ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:-

حدیث

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تو حضورؐ اور صحابہؓ کی توجہ کا مرکز قرآن تھا۔ اور کسی صحابی کو جمع احادیث کا خیال تک بھی نہیں آیا تھا۔ حضورؐ کے اس ارشاد کی روشنی میں کہ

لَا تکتبوا عنّی شیئاً غیر القرآن (صحیح مسلم) | قرآن کے بغیر میری کوئی اور بات تحریر / کتابت میں مت لاؤ۔

صحابہ کرام حدیث کو لکھنے اور جمع کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت صدیقؓ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:-

"تم آج احادیث کے متعلق اختلاف رکھتے ہو۔ آئندہ نسلوں میں یہ اختلاف اور بڑھ جائے گا۔ لہٰذا آنحضرت صلعم سے کوئی روایت نہ کرو۔ اور اگر کوئی پوچھے تو کہو۔ کہ ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ جو اس نے جائز کیا ہے۔ اُسے جائز اور ناجائز قرار دیا ہے۔ اُسے ناجائز سمجھو۔"

(تذکرۃ الحفاظ۔ ذہبی)

حضرت عمرؓ اس معاملہ میں اس قدر متشدد تھے۔ کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ ابوالدرداؓ۔ اور ابوذرؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ کو روایت احادیث کے جرم میں قید کر دیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

"تم لوگ زیادہ حدیثیں بیان نہ کرو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور رسول کی تکذیب کریں۔" (توجیہہ)

ایک مرتبہ کاتب الوحی حضرت زید بن ثابت امیر معاویہ کے دربار میں گئے۔ اور امیر کی فرمائش پر کوئی حدیث سنائی۔ جسے کاتب دربار نے قلمبند کر لیا۔ آپ نے وہ کاغذ لے کر چیر ڈالا۔ اور فرمایا۔ کہ حضورؐ علیہ السلام نے احادیث لکھنے کی ممانعت فرمائی تھی۔

علامہ ذہبی اپنی مشہور تصنیف تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت صدیقؓ نے ۵۰۰ احادیث کا ایک مجموعہ تیار کر رکھا تھا۔ لیکن ایک دن صبح اُٹھ کر اُسے جلا ڈالا۔ حضرت صدیقؓ کے مجموعے سے زیادہ

صحیح اور کونسا مجموعہ ہو سکتا تھا۔ لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے احادیث لکھنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ اس لئے آپ نے اُسے تلف کر دیا۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے احادیث جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ پہلے مہینہ بھر سوچتے رہے۔ پھر استخارہ کیا۔ اور اس کے بعد فرمایا ۔

"پہلی قومیں اسی لئے ہلاک ہوگئی تھیں، کہ اُنہوں نے اپنے رسولوں کی احادیث لکھ لی تھیں۔ پھر انہی احادیث پہ جھک پڑی تھیں اور کتاب الہٰی کو چھوڑ دیا تھا"۔

(مختصر جامع بیان العلم)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ سے کہا کہ جس صحابی کے پاس کوئی حدیث لکھی ہوئی موجود ہو وہ لے آئے۔ چنانچہ صحابہ ایسی تمام احادیث لے آئے۔ اور آپ نے اس تمام ذخیرے کو سپردِ آتش کر دیا۔

(طبقات ابن سعد جزو خامس ص۱۴۱)

عبداللہ بن یسار کہتے ہیں۔ کہ ایک دن حضرت علیؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔ کہ ہر شخص گھر پہنچتے ہی اپنے ذخیرۂ احادیث کو جلا ڈالے۔

(مختصر جامع بیان العلم ص۳۳)

حضرت علیؓ۔ عمرؓ اور ابوبکرؓ سے زیادہ رسول کا شیدائی اور کون ہو سکتا تھا۔ ان لوگوں نے ذخیرۂ احادیث کو اس لئے تلف نہیں کیا تھا کہ معاذ اللہ

ان لوگوں کو اقوال رسول سے عناد تھا۔ بلکہ اس لئے کہ ان اقوال میں کہیں تو تحریف ہوگئی تھی اور کہیں اہل غرض کے اقوال ان میں شامل ہو گئے تھے۔ اور احادیث کا چشمہ شفاف مکدر ہو کر رہ گیا تھا۔ رسول اکرم صلعم کے اقوال سے سرتابی کی جرأت کسے ہو سکتی تھی۔ لیکن مصیبت تو یہی تھی کہ ہمارے واعظوں۔ درباری خوشامدیوں۔ منافقوں اور یہودیوں نے اس قدر جھوٹی احادیث وضع کر رکھی تھیں۔ کہ ان میں اقوال رسولؐ کو ڈھونڈنا ناممکن ہو گیا تھا۔ جب امام بخاری (وفات ۲۵۶ھ) امام مسلم (وفات ۲۶۱ھ) محمد بن عیسیٰ الترمذی (وفات ۲۷۹ھ) ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی المعروف بہ ابن ماجہ (وفات ۲۷۳ھ) ابوداؤد سجستانی (وفات ۲۷۵ھ) اور احمد بن شعیب النسائی (وفات ۳۰۳ھ) نے تدوین و تعدیل احادیث کا کام شروع کیا تو ان لوگوں کے سامنے ۶ لاکھ احادیث کا ایک طومارِ عظیم موجود تھا۔ جن میں سے امام بخاری نے صرف ۷۲۷۵ انتخاب کیں۔ اور باقی سب کو مسترد کر دیا۔ یہی حال دیگر حضرات کا ہے۔ ان حضرات نے انتخاب احادیث کے وقت جن اصولوں کو سامنے رکھا۔ ان میں سے نہایت اہم دو تھے۔

اوّل۔ روایت۔ یعنی جن راویوں کے ذریعے حدیث رسولؐ تک پہنچ رہی ہے۔ وہ نہایت قابل اعتماد ہوں۔

دوم۔ درایت۔ کہ حدیث کا مضمون نہ تو قرآنی نصوص سے متصادم ہو رہا ہو۔ نہ عقل سے اور نہ اللہ کی سنت جاریہ سے۔

اصول تو نہایت عمدہ ہیں۔ لیکن اگر کسی منافق سے معتبر راویوں کے نام سے کوئی حدیث وضع کر کے رسولؐ کی طرف منسوب کر دی تھی، اور وہ معیارِ روایت پر بھی صحیح اُترتی تھی۔ تو یہ ائمہ حدیث ایسی وضعی احادیث کا کھوج کیونکر نکال سکتے تھے۔ وہ عالم الغیب تو تھے نہیں کہ گذشتہ اڑھائی سو برس کا زمانہ اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوتا۔ اور نہ اُن کی عمریں اتنی لمبی تھیں کہ عہد رسول میں پیدا ہوتے۔ اور اڑھائی سو سال تک زندہ رہ کر صحیح و غلط احادیث کو پرکھتے رہتے۔ اس لئے ہم ان حضرات کی محنت کی تو داد دیتے ہیں۔ لیکن ان کی تفتیش و تحقیق پر اعتماد نہیں کر سکتے۔[۱] اور ظاہر ہے کہ مذہب میں ظنی و مشتبہ روایات کا دخل نہیں ہو سکتا۔

دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ (حدیث منسوب بہ رسول صلعم) | ظنی چیز کو چھوڑ کر یقینی چیز (قرآن) اختیار کرو۔

احادیث میں قدم قدم پر تضاد نظر آتا ہے۔ کہیں درج ہے رَکْعَتَیْنِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا۔ (کہ نصف شب کو دو رکعت نفل پڑھنا دُنیا کا بہترین عمل ہے) کہیں مذکور ہے۔ رِبَاطُ یَوْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا۔ (خدا کی خوشنودی کے لئے ایک دن اپنی سرحدوں پر پہرہ دینا دنیا کا بہترین عمل ہے)۔ اب کس بات پر کوئی اعتماد کرے کہیں درج ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز میں

---

[۱] اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ میری تصنیف "دو اسلام" (کتاب منزل لاہور) میں ملاحظہ فرمایئے! (برق)

رکوع کے بعد رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اور کہیں لکھا ہے کہ نہیں کرتے تھے کہیں مذکور ہے کہ رسول کریمؐ دورانِ نماز میں سلام کا جواب دے دیتے تھے۔ اور کہیں لکھا ہے کہ نہیں دیتے تھے۔ کہیں رہبانیت پر زور ہے اور کہیں رہبانیت سے احتراز کی تعلیم دی ہوئی ہے۔ آج اس حقیقت سے ہر شخص آگاہ ہے۔ کہ سورج زمین کے کسی نہ کسی حصے پر ہر وقت موجود رہتا ہے۔ جب لاہور میں شام کے ساڑھے چھ بج رہے ہوں یعنی لوگ نماز مغرب سے فارغ ہو رہے ہوں تو لندن میں دن کے بارہ بج رہے ہوتے ہیں۔ جاپان میں رات کے دس اور امریکہ میں صبح کے ساڑھے چھ بجے کا وقت ہوتا ہے۔ لیکن ایک نہایت معتبر حدیث میں درج ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد اللہ کے تخت کے سامنے چلا جاتا ہے۔ وہاں رات بھر سجدے میں پڑا رہتا ہے۔ اور صبح کے قریب اسے مشرق سے دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت ملتی ہے۔

اگر ہم ایسی تمام متضاد۔ خلافِ حقیقت اور قرآن سے متصادم احادیث کی تفصیل درج کریں۔ تو دنیا یہ دیکھ کر حیران ہو جائے کہ وہ مسلمان جسے خیرالامم اور رہبر عالم ہونے کا دعوےٰ ہے۔ اُس کے اپنے عقائد کا ماخذ اس قسم کی عجیب و غریب احادیث ہیں کہ جنہیں تسلیم کرنا تو رہا ایک طرف شاید بعض کان سننا بھی گوارا نہ کریں۔ اور اگر ہم ان احادیث کی بنیاد پر کوئی قانون وضع کرنے لگیں تو غالباً قیامت تک کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس لئے کہ نہ احادیث کا تصادم ختم ہو اور نہ ہم کوئی متفقہ دستور تیار کر سکیں بلکہ اگر ہم پانچ سو علماء منتخب کر کے انہیں کہیں۔ کہ وہ فرداً فرداً حدیث کی

روشنی میں کوئی دستور وضع کریں تو مجھے یقین ہے کہ ہر عالم ایک الگ دستور بنالائے گا جو دیگر دساتیر سے بعض اصول و فروع میں مختلف ہو گا۔ اور اسکی وجہ ظاہر ہے۔ کہ جس حدیث میں انسانی اقوال اس کثرت سے شامل ہوگئے ہوں۔ جہاں قدم قدم پہ تضاد اور نصوص قرآنی سے زبردست تصادم ہو۔ ایسی حدیث کو بنیادِ دستور بناکر کوئی ایسا متفقہ دستور وضع کرنا ناممکن ہے۔ جو فطرتِ انسانی کے لئے قابلِ قبول ہو۔

ہمارا دعوٰے ہے کہ قرآن دستور سازی کی تاریخ میں آخری حرف۔ اسلام آخری پیغام اور تعلیم اسلام مکمل ترین ضابطۂ حیات ہے۔ آج ہمارے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ اور ہم نے اقوامِ عالم کے سامنے ایک ایسا نظامِ سیاست و اقتصادیات پیش کرنا ہے جس کے سامنے امریکہ، انگلینڈ اور روس کے دساتیر ماند پڑ جائیں اور سیاست دانانِ عالم بیک آواز پکار اُٹھیں کہ وہ دیکھو عروج آدمیت اور تکمیل انسانیت کے حیات آفریں چشمے پاکستانی کوہستانوں سے پھوٹ نکلے اور بہارِ آدم کے قافلے پنجاب و سندھ کے صحراؤں سے روانہ ہوئے۔ انصافاً کہو کہ کیا ہم صرف حدیث کی مدد سے کوئی ایسا روشن دستور تیار کر سکتے ہیں؟ جو قانون سازانِ عالم کی اکڑی ہوئی گردنیں جھکا دے۔ اور انہیں مجبور کر دے کہ وہ ہمارے بنائے ہوئے نظام کی تکمیل و عظمت کا اعتراف کریں۔

قصہ ہر الہامی کتاب میں اللہ کا یہ دستور رہا ہے۔ کہ اُس نے انسان کو صرف وہیں تک راہِ ہدایت دکھائی۔ جہاں اُس کی عقل کام

نہیں کر سکتی تھی یا انسانی عقول میں شدید اختلاف تھا۔ یا تکمیل انسانیت ان تصریحات کے بغیر ناممکن تھی۔ اور جہاں کہیں انسانی عقل کام کر سکتی تھی۔ ایسے تمام مسائل میں انسان کو آزادی دے دی کہ حق و انصاف کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق جس طرح کے حل چاہے تلاش کرتا پھرے۔ بطور مثال سؤر۔ سُود اور شراب کے متعلق ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ اللہ نے ان کی حُرمت کا قطعی فیصلہ صادر فرما دیا اور دیگر بے شمار حلال و حرام اشیاء کے متعلق صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا کہ

كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ | ہماری پاکیزہ اشیاء کھاؤ۔

ہم نے کیکڑے۔ سانڈے۔ کچھوے۔ گدھے اور دیگر بے شمار اشیاء کو غلیظ سمجھ کر حرام قرار دے دیا۔ اور فاختہ۔ مرغابی۔ کبوتر۔ مچھلی۔ اور دیگر پاکیزہ طیور و حیوانات کو حلال بنا لیا۔ یہ تھی انسانی دماغ کی کارستانی اس میں کلام نہیں کہ احادیث میں حلت و حرمت کا سوال بڑی حد تک حل کر دیا گیا ہے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ان میں رسول اکرمؐ کے اقوال کتنے ہیں۔ اور باقی لوگوں کے کتنے۔ بہر حال حضورؐ کے اقوال کا تناسب خواہ کچھ ہی ہو۔ یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ کہ قرآن کے عام بیان کردہ اصول کے ماتحت یہ حلت و حرمت کی تشریح رسول کریم صلعم کا اپنا اجتہاد تھا اگر امام ابو حنیفہ اور شافعی اجتہاد کر سکتے ہیں تو حضور کو اس اجتہاد سے کونسی ہدایت روک رہی تھی۔

ایک اور مثال لیجیئے۔ انسانی جرائم کی فہرست تو کافی لمبی ہے لیکن قرآن حکیم نے صرف پانچ جرائم کی سزا بیان فرمائی ہے۔ یعنی قتل۔ زنا۔ بہتانِ زنا۔ چوری اور بغاوت کی۔ قتل کے لئے موت۔ زنا کے لئے سو دُرّے۔ بہتانِ زنا کے لئے اسّی دُرّے۔ چوری کے لئے قطع ید، اور بغاوت کے لئے موت یا جلاوطنی یا قطعِ اعضاء۔ اور باقی جرائم مثلاً مار پیٹ، گالی گلوچ۔ توہین۔ فریب، شراب نوشی۔ قمار بازی۔ جائداد کی تباہی۔ اغلام اور خیانت وغیرہ کی سزا کا فیصلہ انسانی دماغ پر چھوڑ دیا ہے۔ ہمارے فقہاء نے ان تمام تفاصیل کا فیصلہ کرنے کے لئے دو چیزیں ضروری قرار دی ہیں۔

اوّل۔ کہ ایسی کوئی سزا اصول قرآنی کے خلاف نہ ہو۔

دوم۔ تمام قوم اس پر متفق ہو۔

پہلی چیز کو قیاس اور دوسری کو اجماع کہہ لیجیئے۔ قیاس کا مطلب تو صاف ہے۔ کہ کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت قرآن میں اس کی نظائر تلاش کیجیئے۔ یا یہ دیکھیئے کہ آپ کا فیصلہ حق و انصاف کے تقاضوں کو تو نہیں توڑتا اور کسی صریح نص سے متصادم تو نہیں ہوتا۔ باقی رہا اجماع تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کسی فیصلے پر تمام علماء کا اتفاق ہو۔ اجتہادی مسائل میں علماء کبھی متفق نہیں ہوئے اور نہ آئندہ ہوں گے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ قوم اپنے بہترین دماغ منتخب کرے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی منشا سے آگاہ ہوں۔ اور یہ دماغ مل کر اجتہادی مسائل پر غور کریں۔ اور ان تمام اُمور کا فیصلہ کریں۔ جن کے متعلق خدا اور رسولؐ

خاموش ہیں۔ مثلاً جوئے۔ شراب نوشی۔ فریب وغیرہ کی سزائیں مقرر کریں۔ تجارت وغیرہ کے لئے قانون بنائیں۔ ریلوں۔ موٹروں۔ ہوائی جہازوں۔ بیمہ کمپنیوں۔ عدالتوں۔ مدرسوں اور دیگر بے شمار اداروں کے لئے قواعد وضع کریں۔ یہی اجتہاد اور یہی اجتماع ہے۔

قوم کو چاہیئے کہ وہ ہمارے آباؤ اجداد کی محنت سے فائدہ اٹھائے اور اس سلسلے میں بڑے بڑے ماہرین قانون مثلاً امام ابو حنیفہؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام مالکؒ وغیرہ کے اجتہاد کو سامنے رکھے۔ اور جہاں کہیں اُن کے وضع کردہ قواعد پسند آجائیں، اُنہیں اپنا لے، ورنہ اپنی رائے خود نکالے۔

اجتہادی مسائل میں اختلافات

ہر فرد کو زندگی میں نئے نئے مسائل پیش آتے ہیں۔ جتنے مسائل پیش آئیں۔ اُتنے ہی حل چاہئیں۔ اور جتنے تنازعے پیدا ہوں اُتنے ہی فیصلے درکار ہیں۔ چونکہ قرآن میں بہت کم تنازعات کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ تمام قرآنی احکام کی تعداد ۲۰۰ سے زیادہ نہیں۔ اس لئے انسان ہمیشہ اجتہاد سے کام لیتا رہا۔ اجتہاد میں اختلاف کا ہونا لازمی ہے۔ اور ایسا اختلاف کوئی بُری چیز نہیں بلکہ باعثِ رحمت ہوا کرتا ہے۔ حضور پُرنور کی طرف یہ قول منسوب ہے۔ کہ

"اگر مجتہد اجتہاد میں غلطی کر جائے تو وہ ایک اجر کا مستحق ہے ورنہ دو اجر کا۔"

اسی اجتہاد کی بنا پر بعض جلیل القدر صحابہؓ کے فیصلوں میں بھی اختلاف تھا۔ مثلاً

۱۔ امام محمد ابو حنیفہ سے وہ حماد سے اور حماد ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ لیکن مہر معین نہیں کیا تھا۔ اور مجامعت سے پہلے مر گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اُس عورت کو پورا مہر دلوا دیا۔ لیکن حضرت علیؓ کا فیصلہ یہ تھا۔ کہ عورت وراثت میں حقدار ہے۔ اس کے لئے عدت بھی ضروری ہے۔ لیکن وہ مہر کی مستحق نہیں۔

۲۔ ایک مطلقہ عورت نے عدت کے زمانے میں نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے شوہر کو کوڑے لگائے۔ دونوں میں علیحدگی کرا دی۔ اور عورت کو حکم دیا، کہ وہ پہلے عدت کا زمانہ پورا کرے۔ اور پھر اگر دوسرے شوہر نے مقاربت کی ہے تو دوسری طلاق کی عدت گزارے۔ اور اس کے بعد دوسرے شوہر سے اُس کا نکاح حرام قرار دے دیا۔ لیکن حضرت علیؓ کا خیال یہ تھا کہ پہلی عدت کے بعد دوسرا شوہر اُس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

۳۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابت نے فتویٰ دیا کہ اگر کوئی آزاد عورت کسی غلام سے نکاح کر لے۔ تو وہ صرف دو طلاقوں سے حرام ہو سکتی ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ حرام ہونے کے لئے تین طلاقیں چاہئیں۔

۴- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حالتِ مرض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے عدّت گزر جانے کے بعد اُسے ترکہ سے حِصّہ دلا دیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی۔ کہ عورت صرف عدّت کے زمانے میں ترکہ سے حِصّہ لے سکتی ہے۔ بعد میں نہیں۔

۵- اگر کسی حاملہ عورت کا شوہر مر جائے تو حضرت عمرؓ کے ہاں اُس کی عدّت وضعِ حمل تک ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کا قول یہ ہے کہ چار ماہ دس دن اور وضعِ حمل تک کے زمانے میں جونسا زمانہ لمبا ہو۔ وہی زمانۂ عدت تصوّر ہو گا۔

۶- رسول کریمؐ اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد تک ایک وقت میں تین طلاقیں ایک طلاق کے برابر تصوّر ہوتی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ انہیں تین قرار دے کر عورت اور مرد میں علیحدگی کرا دیتے تھے۔

اجتہادی مسائل میں حضرت عمرؓ کی آزادی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ اخیافی بھائی۔ ماں اور باپ کی موجودگی میں حقیقی بھائیوں کو وراثت سے محروم کر دیا۔ اور اگلے سال سب کو شریکِ وراثت بنا لیا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا:۔

"وہ اس فیصلے کے مطابق تھا جو ہم نے پچھلے سال کیا تھا۔ اور یہ اس فیصلے کے مطابق ہے۔ جو ہم اِس سال کر رہے ہیں"

(تاریخ التشریع الاسلامی مؤلفہ علامہ محمد الخضری صلـ۲۲)

اسی طرح کے کئی سو مسائل ہیں۔ جن میں صحابہ کے فیصلے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ کوئی فیصلہ قرآن سے متصادم نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ تقاضائے حق و انصاف کے خلاف تھا۔ اس لئے ہر فیصلے کو درست سمجھنا چاہیئے۔

اختلاف فقہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے تقریباً ایک سو برس بعد دنیائے اسلام میں چار بڑے بڑے مجتہد پیدا ہوئے۔ جن کے جلو میں چند چھوٹے چھوٹے مجتہد بھی تھے۔ اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ نعمان بن ثابت المعروف بہ امام حنیفہ کوفی (سنہ۸۰ھ۔سنہ۱۵۰ھ) ان کے زمانے میں تین اور بڑے بڑے فقیہہ بھی کوفہ میں موجود تھے یعنی سفیان بن سعید ثوری۔ شریک بن عبداللہ النخعی (سنہ۹۵ھ سنہ۱۷۷ھ) اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (سنہ۷۴ھ۔سنہ۱۴۸ھ) ان سب کا اجتہادی مسائل میں شدید اختلاف رہتا تھا۔ ابن ابی لیلیٰ شہر کے سرکاری قاضی تھے۔ اور یہ جب کوئی فیصلہ صادر کرتے تھے تو امام ابو حنیفہ اُن کے خلاف فتوے دے دیتے تھے۔

امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد چار تھے۔ (۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم البغدادی (سنہ۱۱۳ھ۔سنہ۱۸۲ھ) (۲) زفر بن ہذیل بن قیس کوفی (سنہ۱۱۰ھ۔سنہ۱۵۸ھ)۔ (۳) محمد بن حسن بن فرقد شیبانی (سنہ۱۳۲ھ۔

۱۸۹ھ) اور (۴) حسن بن زیاد لولوی (وفات ۲۰۴ھ) یہ شاگرد صرف مقلد ہی نہ تھے بلکہ بعض اوقات اپنے اجتہاد سے بھی فتوے دیتے تھے۔ اور اپنے اُستاد کے خلاف بھی چل جاتے تھے۔ ابو یوسف اپنی مشہور تصنیف کتاب الخراج میں پہلے اُستاد کی رائے درج کرتے ہیں اور پھر اپنا فیصلہ دے کر اُستاد سے وجہ اختلاف بھی بتاتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور تصنیف خلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ میں کسی مسئلے کے متعلق پہلے امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی رائے درج کرتے ہیں۔ اور پھر اپنا فیصلہ دیتے ہیں۔ یہ فیصلہ کبھی امام ابو حنیفہ کی تائید میں ہوتا ہے اور کبھی مخالف۔ جب ابو یوسف اور محمد اہل حجاز کی حدیثوں سے آگاہ ہوئے تو اُنہوں نے اپنے اُستاد کے بیشتر فیصلوں کو مسترد کر دیا۔

ان شاگردوں کے بھی آگے کئی شاگرد تھے مثلاً ابراہیم بن رستم مروزی (وفات ۲۱۱ھ) بشر بن غیاث المریسی (وفات ۲۲۰ھ) بشر بن ولید کندی (وفات ۲۳۸ھ) عیسیٰ بن ابان بن صدقہ (وفات ۲۲۱ھ) وغیرہ۔ یہ لوگ بھی بعض معاملات میں اپنے اساتذہ کے خلاف چلتے تھے۔ بشر بن غیاث المریسی تو امام شافعی سے باقاعدہ مناظرے کیا کرتے تھے۔ اور یہی وہ فقیہہ ہے جس نے کہا تھا۔ کہ گدھا حلال ہے۔

۲۔ امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر مدنی (۹۳ھ۔ ۱۷۹ھ)

بڑے پایہ کے محدث اور فقیہہ تھے۔ لیکن امام شافعی نے اپنی تصنیف کتاب الام میں نیز امام ابو یوسف نے اپنی تحریرات میں امام مالک کی سخت تردید کی ہے۔ اور بعض مسائل تو ایسے ہیں کہ ساری خلقت ایک طرف، امام مالک دوسری طرف۔ مثلاً امام مالک کے نزدیک چوری کے ملزم کو چوری کا اقرار کرانے کے لئے بدنی سزا دینا جائز ہے۔ لیکن باقی تمام فقیہہ اس کے مخالف ہیں۔ اسی طرح امام مالک کے ہاں ایک مفقود الخبر شوہر کی بیوی چار سال کے بعد نیا نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن باقی امام اس کی اجازت نہیں دیتے۔

امام مالک کے بھی بیسیوں شاگرد تھے۔ مثلاً ابو عبداللہ عبدالرحمن بن القاسم العتقی (وفات ۱۹۱ھ) اشہب بن عبدالعزیز القیسی العامری الجعدی (۱۴۰ھ تا ۲۰۴ھ) ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قرشی (۱۲۵ھ تا ۱۹۷ھ) وغیرہ۔ یہ لوگ بھی بعض مسائل کے متعلق نہ صرف آپس میں اختلاف رکھتے تھے۔ بلکہ بعض معاملات میں اُستاد کی رائے کو بھی مسترد کر دیتے تھے۔

۳۔ ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس الشافعی (۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ) بلند درجے کے محدث۔ فقیہہ اور مجتہد تھے لیکن اجتہادی مسائل میں دوسرے فقہا سے اختلاف کا یہ عالم تھا کہ جب مامون الرشید نے آپ کو بغداد میں طلب کیا تو وہاں امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد

سے آپ کے کئی مناظرے ہوئے۔ حنفا و شوافع کا اختلاف اظہر من الشمس ہے۔ خود امام شافعی کے تلامذہ میں بعض ایسے لوگ پائے جاتے تھے، جو استاد سے اختلاف رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک ابو ثور ابراہیم بن خالد بن الیمان الکلبی البغدادی (وفات ۲۴۰ھ) تھا، جو وصیت کو قرض پر مقدم سمجھتا تھا۔ اور امام شافعی مؤخر۔ اگر خریدے ہوئے مال میں عیب نکل آئے، تو امام شافعی کا فیصلہ یہ ہے کہ اسے فوراً واپس کر دیا جائے۔ لیکن ابراہیم یہ کہتے ہیں، کہ بائع کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ اسی طرح اگر جنگل میں دو مسافر سمت قبلہ کے متعلق مختلف الرائے ہو جائیں، تو ابراہیم یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن اُن کے استاد کی رائے یہ ہے کہ ہر مسافر اُس سمت کو رُخ کر کے نماز پڑھے جسے وہ قبلہ سمجھتا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ابو علی الحسین بن علی الکرابیسی بھی امام شافعی کے شاگرد تھے۔ لیکن ان دونوں میں مسئلہ خلق قرآن پر شدید اختلاف تھا۔ ابن حنبل قرآن کے الفاظ و معانی کو غیر مخلوق سمجھتے تھے۔ اور الکرابیسی یہ فرمایا کرتے تھے کہ قرأت قرآن مخلوق ہے۔ اور ابن حنبل اس چیز کو بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

امام شافعی کے ایک اور شاگرد احمد بن یحیٰی بن عبدالعزیز

البغدادی المتکلم کی رائے یہ تھی کہ طلاق بالصفات (مثلاً یہ کہنا کہ جب اگلا مہینہ آئے تو میری بیوی مجھ پر حرام ہو جائے) جائز نہیں اور کسی شرط سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ لیکن ابن سبکی اور ابن حزم کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

۴۔ امام احمد بن حنبل بن ہلال (۱۶۴ھ - ۲۴۱ھ) کا شمار فقہا سے زیادہ محدثین میں ہوتا ہے۔ آپ کی مسند میں چالیس ہزار سے زیادہ حدیثیں ہیں۔ جب معتزلیوں کے نظریوں سے متاثر ہو کر مامون الرشید نے علمائے اسلام کو خلق قرآن کے عقیدہ کو قبول کرنے کی دعوت دی تو آپ کے بڑے بڑے شاگرد بھی آپ کو چھوڑ گئے۔ اور سلطنت کے تقریباً تمام علماء آپ کے مخالف ہو گئے۔

اجتہادی مسائل میں ہمارے فقہا و محدثین میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ ایک ہی مقدمہ میں علمائے عراق کا فیصلہ کچھ اور ہوتا تھا۔ اور علمائے مصر و شام کا کچھ اور۔ اور یہ اختلاف آج ہماری عدالتوں میں بھی ملتا ہے۔ ہند و پاکستان میں ابھی تک تعزیرات ہند رائج ہے۔ سارے برّاعظم میں کتاب قوانین ایک ہی ہے لیکن مختلف عدالتوں سے ایک ہی معاملہ کے متعلق مختلف فیصلے صادر ہوتے رہتے ہیں۔ آج سے بیس برس پہلے دو ہندوؤں نے پیغمبر اسلام کے متعلق توہین آمیز تحریرات شائع کی تھیں۔ ایک پنجابی تھا یعنی راجپال، اور دوسرا

"ورتمان" کا اڈیٹر غالباً یوپی سے تعلق رکھتا تھا۔ یوپی کی عدالت نے مدیر "ورتمان" کو سزا دے دی۔ اور پنجاب ہائی کورٹ نے راجپال کو بری کر دیا۔ جرم ایک تھا۔ قانون ایک تھا۔ دونوں عدالتیں انگریزی تھیں لیکن ایک جج کا فیصلہ دوسرے سے مختلف تھا۔ ایک ہی قانون کا مفہوم ایک جج نے کچھ سمجھا اور دوسرے نے کچھ ہم کسی جج پہ بدنیتی کا الزام نہیں لگا سکتے۔ اسلئے کہ ایک ہی قانون کی مختلف تشریحیں ہو سکتی ہیں۔ یا استنباط مسائل و استخراج نتائج میں اختلاف ہو سکتا ہے! اور یہ اختلاف کبھی بھی قابل مذمت نہیں سمجھا گیا۔

پاکستان کی آئین ساز اسمبلی قرآن کے صریح احکام کے خلاف نہیں جا سکتی۔ لیکن جہاں قرآن خاموش ہے وہاں ہمارے دستور سازوں کو آزادی ہے کہ چاہیں تو کسی مجتہد کی پیروی کر لیں اور یا اپنے مسائل کا حل اپنی ضروریات کے مطابق خود تلاش کرتے پھریں۔

ہمارے علماء سلطنت عباسیہ کے زوال تک اجتہاد سے کام لیتے رہے۔ یہ تقلید کا مرض اس وقت شروع ہوا۔ جب مختلف خطوں کے اُمراء نے صرف اُن علماء کے وظائف باندھنے شروع کئے۔ جو کسی بڑے مجتہد کی تقلید میں فتوے دیا کرتے تھے۔ اب کسی عالم کو کیا پڑی تھی کہ وہ اجتہاد کی "مصیبت" میں پھنس کر اپنی تنخواہ گنوا دیتا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب قرآن کی جگہ طلبہ نے کسی خاص امام کی فقہ کو پڑھنا شروع کیا تھا۔ آزادیٔ رائے ختم ہو گئی تھی۔ اور جب کوئی فقیہہ کتاب لکھنے بیٹھتا تھا تو اپنے امام کے بعض فتاوے ہی کو اپنے الفاظ

میں دُہرا دیتا تھا۔ امام کی رائے سے انحراف یا آزادانہ سوچنا اس کے ہاں بہت بڑا جرم سمجھا جاتا تھا۔ یہ تقلید ہمارے علماء کے رگ و ریشہ میں یوں سرایت کر گئی۔ کہ متاخرین نے فقہ ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ قرآن متروک ہو گیا۔ مکاتب میں فقہ کا درس دیا جانے لگا، اور ان مجتہدین کو اتنا بڑا درجہ دے دیا گیا کہ رسول اکرم صلعم کی طرح ان کی ذات اور تعلیم پہ بھی ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا۔ دورِ تقلید کے ایک بہت بڑے پیشوا، امام ابوالحسن عبید اللہ الکرخی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ جو آیت یا حدیث ہمارے امام کے اجتہاد سے متصادم ہوتی ہو اس کی یا تو کوئی تاویل کرو، اور یا اُسے منسوخ سمجھو۔ ہمارے موجودہ علماء اسی دورِ تقلید کی یادگار ہیں۔ اور اس لئے یہ حضرات کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص امام ابوحنیفہ وغیرہ کے بعد اجتہاد کے دروازے کسی اور کے لئے بھی کھلے رکھے۔ اور نہ ہی وہ اجماع کے مفہوم میں وسعت پیدا ہونے دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اجماع ستونِ فقہ ہے۔ اور اجماع سے مراد گذشتہ علماء کا اجماع ہے۔ لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ اسلام کی ساڑھے تیرہ سو سالہ تاریخ میں سے صرف دس ایسے علماء کا نام لیجئے کہ جو کسی ایک اجتہادی مسئلے پہ بھی متفق ہوئے ہوں۔ تو وہ غالباً نہیں بتا سکیں گے۔ ان حالات میں کیا اجماع کا صحیح مفہوم یہ نہیں، کہ قوم کے بہترین دماغ مل کر بیٹھ جائیں۔ اور تمام اجتہادی مسائل کو اپنی قابلیت اور قوتِ فیصلہ سے طے کریں؟ قرآنِ حکیم میں کوئی ایسی ہدایت

موجود نہیں کہ امام ابو حنیفہ کے بعد سوچنا بند کر دو۔ اور ان کے فیصلوں کے مطابق کورانہ چلتے چلو۔

عہدِ حاضر کا وہ انسان جو ہواؤں میں اُڑ رہا ہے۔ جو ایک لمحے میں اپنی آواز چاند کی دُنیا تک پہنچا رہا ہے۔ جس نے سورج کی شعاعوں کو مسخر اور کائنات کی تمام طاقتوں کو مغلوب کر رکھا ہے۔ کیا آپ اسے اتنا نااہل اور جاہل سمجھتے ہیں۔ کہ وہ امام شافعی اور ابو حنیفہ کی قیادت کے بغیر زندگی کے معمولی معمولی معاملات کا فیصلہ بھی نہیں کر سکتا۔ ہمارے علمائے مساجد کے متعلق یہ درست ہے کہ وہ نہ کوئی نئی بات سوچ سکتے ہیں۔ اور نہ امام ابو حنیفہ کے زمانے سے پرے دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن عہدِ حاضر کے متمدن انسان کے متعلق یہ بدظنی کیوں؟ جو کچھ قرآن حکیم نے کہا ہے ہم اسکی تعمیل پہ مجبور ہیں۔ اسلئے کہ انسانی فلاح و تکمیل کا کوئی اور راستہ الہام کے بغیر موجود ہی نہیں۔ لیکن غیر ملہم انسانوں کی تقلید پر ساری اُمت کو مجبور کرنا قرآن اور پیروِ قرآن ہر دو کی توہین کرنا ہے۔

قرآن کا دعوٰے ہے کہ میں ایک مکمل ضابطہ اور تکمیلِ انسانیت کا مکمل دستور العمل ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ دعوٰے غلط نہیں ہو سکتا لیکن دوسری طرف ہمارے موجودہ علماء یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی فقہ کو بھی مانو ورنہ تمہارے اسلام میں گڑبڑ مچ جائے گی۔ ہم کس کو صحیح سمجھیں۔ قرآن کو یا اپنے علماء کو؟ بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر پاکستان کی مجلس دستور ساز اپنے دستور میں اُن تمام احکام کو شامل کر دے جن کا ذکر قرآن

حکیم میں موجود ہے، تو پھر کسی عالم کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ دستور پاکستان خلاف شریعت ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کا ایک مجمل سا خاکہ یہاں دیدیا جائے۔ تاکہ ہمارے دستور سازوں کو اتنا تو معلوم ہو جائے کہ قرآن شریف میں لکھا گیا ہے۔

تعلیم قرآن

عقائد چونکہ اسلام کوئی فرقہ نہیں، بلکہ ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جس کا مقصد دنیا میں امن قائم کرنا۔ نیکی پھیلانا اور بدی کی جڑ اکھیڑنا ہے۔ اور یہ مقصد اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہم دنیا کی ہر الہامی کتاب اور ہر اُمت کے تمام انبیاء کی صداقت کا انقلاب آفرین اعلان نہ کر دیں۔ اسی لئے اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ گذشتہ تمام الہامی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاؤ کہ کسی میں قطعاً کوئی تفریق نہ کرو کسی پیغمبر کو دوسرے سے چھوٹا یا بڑا نہ قرار دو۔ اور کسی کتاب کے متعلق یہ نہ کہو کہ وہ گھٹیا یا غیر مکمل ہے کہ اس سے کلام الہٰی کی توہین ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اگر ہم دوسرے انبیاء کی توہین کریں یا اپنے نبی سے انہیں چھوٹا سمجھیں یا گذشتہ صحائف کی تنقیص، تردید یا تحریف پر مقالے لکھیں تو دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی قوم مسلمانوں کو منصب قیادت عطا کر سکتی ہے۔ گذشتہ تیرہ سو برس سے ہم تورات و انجیل اور دیگر صحف الٰہیہ کی تردید و تحریف پر تقریر و تحریر کے دریا بہا رہے ہیں۔ ہر قوم کے ہر فرد کو

کافر جہنمی قرار دے رہے ہیں۔ اپنے ہر خطبے میں اپنے رسول کو خیر الانبیاء کہہ کر لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ کی صریح خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ قرآن میں تقریباً دو سو مرتبہ کہا گیا ہے کہ قرآن شریف پہلے صحائف کی تصدیق کر رہا ہے اور تصدیق کے معنی ہیں سچا سمجھنا۔ لیکن ہم بآوازِ دہل پہلی کتابوں کے محرّف و مردود ہونے کا اعلان کئے جا رہے ہیں۔ ہم ایک سانس میں تو پہلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور دوسرے سانس میں انہیں جھوٹا، غلط اور محرّف کہہ کر اپنی اور قرآن شریف دونوں کی تردید کر دیتے ہیں قرآن حکیم کی اس ایک ہدایت (کہ تمام پچھلی کتابوں اور انبیاء پر یوں ایمان لاؤ کہ کسی کو جھوٹا یا بُرا نہ سمجھو) کی خلاف ورزی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ دُنیا نے ہمیں ایک موذی قسم کی مخلوق سمجھ لیا۔ اور وہ کیوں نہ سمجھے۔ جب ہم گذشتہ ہزار برس سے اُن کی کتابوں کو جھوٹا، اُن کے انبیاء کو گھٹیا اور خود انہیں کافر، مشرک، جہنمی و گردن زدنی قرار دے رہے ہیں۔ اس غیر اسلامی ذہنیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کی ہر قوم نے ہمیں ایک زہریلا سانپ سمجھ کر ہر زمانے میں ہمارا سر کچلنے کی کوشش کی۔ اگر میں پچھلی تاریخ کی ورق گردانی کروں تو بات لمبی ہو جائیگی۔ ذرا اپنے سامنے ہی دیکھو کہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے ساتھ کیا ہوا۔ اور اب کشمیر میں کیا ہو رہا ہے۔ جزائر شرق الہند کے مسلمانوں پر ہالینڈ کتنے ظلم توڑ رہا ہے۔ روس اور امریکہ کبھی کسی مسئلے پر متفق نہیں ہوئے لیکن عربوں کو مٹانے کے لئے یہودیانِ فلسطین کو دونوں اسلحہ بہم پہنچا رہے ہیں۔

مسلمانوں کو اقوامِ عالم کی ہمہ گیر عداوت و معاندت سے بچانے کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ ہم پورے زور سے اعلان کر دیں کہ ہم تمام کتابوں اور رسولوں پر بلا امتیاز و تفریق ایمان لاتے ہیں۔ اور ہماری حکومت دوسرے مذاہب کے صحائف و انبیاء کے خلاف لکھنا اور بولنا جرم قرار دیدے۔

اسلام کا مقصد روئے زمین پہ نیکی کی حکومت قائم کرنا ہے اور بس۔ بہ الفاظ سادہ ہم نے ہر انسان کو نیک بنانا ہے اور یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمام اقوام و ملل کے نیک لوگ ہم سے تعاون نہ کریں۔ آنحضرتؐ نے فرمانروایانِ مصر و حبشہ وغیرہ کو جو خطوط لکھے تھے اُن میں یہ آیت عموماً موجود ہوتی تھی۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۳:۶۴	اے الہامی کتاب والو! آؤ ہم مشترک احکام پر مل کر عمل کریں۔

یعنی امن قائم رکھنے اور نیکی پھیلانے میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں بدیگر الفاظ وہی فرائض سر انجام دیں جو آجکل حفاظتی کونسل کے سپرد ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم دوسری اقوام کو کافر، مشرک، جہنمی اور گردن زدنی قرار دیں، تو پھر اُن سے اشتراکِ عمل کی کونسی صورت باقی رہ جاتی ہے۔

اللہ اور اس کے رسولؐ نے قرآن میں بارہا فرمایا کہ ہم کسی مرد و زن؎۱ کا کوئی عمل بلا صلہ نہیں رہنے دیں گے۔ نیز اہلِ کتاب کے نیک لوگوں کو رحمت کی بشارتیں سناتی ہیں۔ (وَ من اهل الکتاب امةٌ (الخ)

؎۱ تفصیل کے لئے میری تازہ تصنیف "ایک اسلام" ملاحظہ فرمائیے۔ (برق)

اور ایک مقام پر تو یہاں تک کہہ دیا، کہ

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۔ اے الہامی کتاب والو! جبتک تم تورات و انجیل کے عامل نہیں بنو گے تمہاری بگڑی سنور نہ سکے گی۔

لیکن ہم تمام دنیا کو ملعون سمجھنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔

چونکہ اللہ کا منشا دنیا کو نیک بنانا تھا۔ اسلئے اللہ نے یہاں تک آزادی دیدی کہ نیک بنو۔ خواہ نیکی کا سبق تورات سے لو یا قرآن سے۔ قرآن و تورات ہر دو کا مصنّف اللہ ہے۔ مذہب ہر زمانے میں ایک تھا۔ اسلئے تورات و قرآن کی تعلیم ایک ہونی چاہیئے۔ نتیجۃً عامل تورات کو عامل قرآن ہی تصوّر کرنا چاہیئے۔ قرآن کے متعلق اللہ فرماتا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى یہ قرآن پہلی کتابوں مثلاً کتاب براہیم و موسیٰ میں بھی موجود ہے۔

اس ارشاد کی رُو سے جب قرآن و تورات کی تعلیم ایک ہے تو عاملِ تورات کو لازماً عامل قرآن تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور اسلئے یہ کہنا کہ سب عیسائی اور یہودی بلا استثنا کافر و جہنمی ہیں۔ گناہ ہے جس طرح مسلمانوں میں ایک دو فیصدی قرآن کی تعلیم پر عمل کر رہے ہیں۔ ممکن ہے چند عیسائی اور یہودی بھی ہدایاتِ تورات و انجیل پہ عامل ہوں۔ اور بظاہر تو یہی نظر آتا ہے کہ اہل کتاب میں نیکوں کا تناسب ہم سے بہت زیادہ ہے۔ اسلئے کہ مسلمان ہر جگہ پست اخلاقی۔ جہالت۔ بدعملی

بیکاری اور بدکرداری کے ایک گہرے جہنم میں گرا ہوا ہے۔ اور اسی لئے ہر جگہ پِٹ رہا ہے۔ اور دوسری اقوام قرآن کے چند اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ترقی کر رہی ہیں۔

دیکھ لیا آپ نے کہ اسلام کے اس سادے سے عقیدے میں (کہ تمام کتب و انبیاء پر ایمان لاؤ) ہماری عظمت، عزت اور طاقت کا کیا راز نہاں ہے۔ قیامِ امنِ عالم کے لئے یہ نسخہ کتنا مفید ہے۔ اور جہانگیر اخوت کی طرح ڈالنے کے لئے یہ حسین تخیل کتنا معاون ہے؟

ے مکہ نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم؟ (اقبال رح)

اخلاقیات

یہ تو تھا ایک عقیدہ۔ اب قرآن کی باقی تعلیم ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) انصاف کرو (کہ انصاف کے بغیر کوئی سلطنت زندہ نہیں رہ سکتی)۔

(۲) حرام نہ کھاؤ (کہ انسانیت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے)۔

(۳) سچ بولو۔ دیانتدار رہو۔ اور خلوص کو اپنا امتیازی وصف بناؤ۔

(۴) وعدوں کو پورا کرو (۵) کوئی چیز کم مت تولو (۶) فخر و تکبر نہ کرو بلکہ عجز و تواضع اختیار کرو۔ اور یاد رکھو کہ انسانی عظمت کا مدار بلند اعمال پر ہے، نہ کہ بلند نسل یا کثرتِ دولت پر (۷) بُری باتوں کے قریب نہ جاؤ (۸) شراب نوشی۔ قمار بازی اور سود خوری سے بچو کہ یہ سب شیطانی اعمال ہیں۔ (۹) اگر عورت سامنے آجائے تو آنکھیں جھکا لو (۱۰) یاد رکھو

کہ محنت اور کوشش کے بغیر تم کبھی کامیاب نہیں ہوگے (۱۱) انسانی خدمت کو اپنا شعار بناؤ۔ ماں باپ سے احسان کرو۔ غریب رشتہ داروں کی امداد کرو۔ مسافروں۔ مقروضوں اور حاجتمندوں کی ضروریات پوری کرو۔ ماحصل یہ کہ ہر نیکی کی طرف بے تابانہ بڑھو۔ اور بدی سے میلوں دُور بھاگو۔

تمدنی معاملات

۱۔ تم اُن عورتوں سے نکاح کرو جنہیں تم خود پسند کرو۔

۲۔ تم صرف اُسی صورت میں ایک سے زیادہ نکاح کر سکتے ہو کہ تمام بیویوں کے ساتھ ہر طرح سے برابر کا سلوک کر سکو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو تمہیں ایک بیوی کی اجازت ہے۔

۳۔ مندرجہ ذیل عورتیں تم پر حرام ہیں۔ والد کی منکوحہ۔ والدہ۔ ہمشیرہ۔ بیٹی۔ پھوپھی۔ خالہ۔ بھانجی۔ بھتیجی۔ رضاعی ماں۔ رضاعی ہمشیرہ۔ ساس۔ بیوی کی لڑکی پہلے شوہر سے (اگر نکاح کے بعد مجامعت نہ ہونے پہلے بیوی مرجائے یا اُسے طلاق ہو جائے تو اُسکی لڑکی سے نکاح جائز ہے) بہو۔ دو بہنیں ایک ہی وقت میں۔ مشرک عورت۔ زانیہ۔

۴۔ طلاق کی قرآنی صورت صرف یہ ہے کہ بیوی کو ہر حیض کے بعد ایک ایک طلاق دیجائے۔ اگر تیسرے حیض تک خاوند بیوی کیطرف مائل نہ ہو تو پھر عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔ اور اگر اس عرصے میں شوہر بیوی کیطرف مائل ہو جائے تو دی ہوئی طلاقیں خود بخود منسوخ ہو جائینگی

مطلقہ عورت پہلے شوہر سے صرف اس صورت میں نکاح کر سکتی ہے کہ طلاق کے بعد وہ کسی اور شخص کی بیوی رہ چکی ہو (یہ یاد رہے کہ مولوی صاحبان جس حرکت کو حلالہ کہتے ہیں وہ ایک غیر شرعی اور شیطانی فعل ہے جس کا مقصد تعزیر قرآنی سے بچنا ہے)
جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھیں، انہیں چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے۔ اگر اس عرصے میں وہ رجوع کر لیں تو بہتر ورنہ بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔
جو شخص اپنی بیوی کو ماں کہہ بیٹھے، تو دو ماہ کے لئے روزے رکھے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلائے۔
وفات شوہر کے بعد بیوی چار ماہ دس یوم تک دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک ٹھہرنا ضروری ہے۔ غیر حاملہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے اور حاملہ کی وضع حمل تک۔ مطلقہ عورت دو سال تک بچے کو دودھ پلائے اور اس عرصے میں خاوند پر بیوی اور بچے کا نان و نفقہ لازم ہے۔

۵۔ عورتیں اپنی زینت غیر محرموں سے پوشیدہ رکھیں۔ اور سینے کو اوڑھنی سے ڈھانکیں۔

۶۔ نظام میراث جس میں ماں باپ۔ بہن بیٹی اور بیٹے وغیرہ کے حصے کی تفصیل درج ہے۔

تعزیرات | اللہ نے صرف پانچ جرائم کی سزا مقرر فرمائی ہے قتل۔ زنا۔

تہمتِ زنا۔ چوری اور بغاوت۔ تفصیل گذر چکی ہے۔ نافرمان عورت کے متعلق شوہر کو مندرجہ ذیل ہدایات دی گئی ہیں۔ پہلے سمجھاؤ۔ اگر نہ سمجھے، تو اس کا بستر علیحدہ کر دو۔ اگر پھر بھی باز نہ آئے تو بدنی سزا دو۔ ان سزاؤں کے علاوہ قرآن کریم میں کسی اور جرم کی دنیوی سزا بیان نہیں کی گئی۔ یہ سزائیں بھی انتہائی سزائیں ہیں یعنی جرم کی نوعیت کے مطابق عدالت کمتر سزا بھی دے سکتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص آٹھ آنے کی چیز چرائے تو اس کا پہلے جرم پر ہاتھ کاٹ دینا خلافِ انصاف معلوم ہوتا ہے۔ اِسلئے جج کو سزا کم کرنے کا اختیار ہونا چاہیئے۔

حلال و حرام

اللہ نے مندرجہ ذیل اشیاء کو حرام قرار دیا ہے:

۱۔ سُود۔ اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ بینک کا منافع سُود نہیں اِسلئے کہ بینک ایک تجارتی ادارہ ہے جس کی تجارت میں ہر امانت رکھنے والا شریک ہو جاتا ہے۔ بینک والے امانتوں سے تجارت کر کے سال کے آخر میں منافع تقسیم کر دیتے ہیں۔ اِسلئے بینک کا منافع سُود نہیں بلکہ تجارت ہے۔ سُود کی صورت یہ ہے کہ کسی حاجتمند کو قرض دے کر اُس سے زیادہ رقم وصول کی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک محتاج کے احتیاج سے فائدہ اُٹھانا ظلم ہے ظلم عوام ہے اور یہی سُود ہے۔ اللہ نے ہر مُضر چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ مجھے بینک کا کوئی پہلو مضر نظر نہیں آتا، بلکہ بینک کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں:

اوّل۔ اگر رقم ہاتھ میں ہو تو جلدی ختم ہو جاتی ہے۔ بینک میں چلی جائے تو

بغیر سخت احتیاج کے کوئی نہیں نکلواتا۔
دوم۔ بنک کے قواعد بھی کچھ ایسے ہیں کہ کوئی شخص ہفتے میں ۵۰۰ روپے سے زائد نہیں نکلوا سکتا۔ اسلئے مجبوراً کفایت شعار بننا پڑتا ہے۔
سوم۔ رقم گھر میں ہو تو ہر وقت چور کا خطرہ رہتا ہے۔ بنک میں چلی جائے تو ذہنی بے چینی سے نجات ہو جاتی ہے۔
چہارم۔ آجکل تجارت بنکوں کی وساطت سے ہوتی ہے۔ بنک لاکھوں روپے کی رقم معمولی کمیشن پر دساور کو بھیج دیتے ہیں۔ اگر دس لاکھ روپیہ خریدار کو ساتھ لے جانا پڑے تو فکر کی وجہ سے اُس کی نیند حرام ہو جائے۔ اور اگر ڈاک کے ذریعے بھیجے تو کئی ہزار روپے فیس ادا کرنی پڑے۔
موجودہ زمانے میں بنک ہماری اقتصادی عمارت کا سب سے بڑا ستون ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو داخلی و خارجی تجارت ناممکن ہو جائے۔ انصافاً کہئیے کہ ایسی مفید اور ضروری چیز کو اللہ کیسے حرام قرار دے سکتا ہے۔
(۲) شراب (۳) مُردار (۴) سُؤر کا گوشت (لَحْمُ الْخِنْزِیْر)
کبھی آپ نے غور فرمایا کہ کس طرح سُؤر کے بال ہمارے تمدن کا جزو اعظم بنے ہوئے ہیں۔ ہر قسم کی بوتلیں خواہ وہ دوا کی ہوں، شربت کی یا شراب کی۔ ایسے برش سے صاف کی جاتی ہیں۔ جو سُؤر کے بالوں سے تیار ہوتا ہے۔ نیز کپڑے اور دانت صاف کرنے کے بیشتر برش

انہی بالوں سے تیار کئے جاتے ہیں۔ چونکہ غیب دان اللہ کو علم تھا کہ سُوّر کے بال تیرہ سو برس بعد انسانی تمدن کا حصہ بن جائیں گے اسلئے سُوّر کو حرام کرتے وقت لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ کے الفاظ استعمال فرمائے یعنی سُوّر کا گوشت حرام قرار دیا۔ اور بالوں کے متعلق خاموشی اختیار فرمالی۔

چند روز ہوئے مجھے ایک ڈاکٹر صاحب بتا رہے تھے کہ سُوّر ہلانا گند سے جو بڑوں اور غلیظ مقامات پر بیٹھتا ہے۔ اسلئے بعض خاص قسم کے غلیظ کرم اس کی کھال سے گذر کر اُس کے گوشت میں گھر بنا لیتے ہیں اور اپنے اردگرد ایک سخت سا پردہ بُن لیتے ہیں۔ یہ پردہ اتنا سخت ہوتا ہے کہ اُبلتے ہوئے پانی میں بھی جلدی نہیں ٹوٹتا۔ نتیجۃً بعض اوقات کوئی نہ کوئی زندہ کرم انسان کے پیٹ میں چلا جاتا ہے اور ضعفِ بصارت۔ گنٹھیا اور چند دیگر خطرناک امراض کا سبب بنتا ہے۔ سُوّر کو حرام قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

(۵) لہو (۶) جس جانور کو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا جائے (اکثر علماء نے اُن جانوروں کو بھی حرام قرار دیا۔ جو پیروں فقیروں کے نام سے منعام پہ ذبح کئے جاتے ہیں)۔

(۷) جو چیز گلا گھونٹنے۔ چوٹ کھانے یا بلندی سے گرنے کی وجہ سے مرجائے۔

(۸) جو جانور پرستش گاہوں پہ ذبح کیا جائے۔

حلال اشیاء | (۱) پاکیزہ اشیاء (۲) سدھائے ہوئے کتوں کا پکڑا ہوا شکار

عبادات | (۱) نماز (۲) روزہ (۳) حج۔

جانی ومالی قربانی | (۱) صدقہ (۲) زکواۃ (۳) جہاد۔ زکواۃ کی کوئی شرح قرآن نے مقرر نہیں کی۔ اسلئے حکومت پاکستان کی طرف سے مختلف قسم کے ٹیکس بھی مدِ زکواۃ میں شامل کئے جا سکتے ہیں۔

تسخیر کائنات | قرآن میں فقہی مسائل عموماً کسی استفسار کے جواب میں بیان کئے گئے ہیں لیکن تسخیر کائنات اور تدبّر فی الآفاق پہ ۵۶ آیات نازل ہوئی ہیں مسلمان آج ہر جگہ اسی لئے پٹ رہا ہے کہ اُس نے چند عبادات کو اسلام سمجھ کر کائنات سے اعراض کر لیا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ۔

زمین و آسمان میں کتنے ہی اسباق (قوت وہیبت) موجود ہیں۔ جن سے یہ لوگ مُنہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔

اس نے زمین کے سینے سے فولاد۔ کوئلہ اور پٹرول حاصل نہ کیا اس نے عناصر پہ قبضہ نہ جمایا۔ اس نے روشنی۔ بجلی اور ہوا کو مسخر نہ کیا اس نے سمندروں کی سینہ زوریاں نہ توڑیں۔ اس نے کائنات پہ غور کرنے کیلئے کہیں کوئی تجربہ گاہ نہ بنائی۔ اس نے جمالِ گردوں کا تماشہ دیکھنے کیلئے کوئی مشاہدہ گاہ تیار نہ کی۔ یہ مساجد میں بیٹھ کر نُمنیہ قدوری کی رٹ لگاتا رہا۔ دُنیا ہواؤں میں اُڑ رہی تھی اور یہ استنجا کے مسائل بیان کرنے میں مصروف تھا۔ دیگر اقوامِ عالم کی ہیبت سے اک جہان تھرا رہا تھا اور یہ دائمی بیچارگی تمام زندگی بلاغت صرف کر رہا تھا۔ جانتے ہو اس حواسی کا نتیجہ

کیا تھا؟ فلسطین کی مختصر سی یہودی سلطنت (جس کا رقبہ اور آبادی ہر دو ضلع اٹک سے کم ہیں) نے سات عرب سلطنتوں کو پچھاڑ کے رکھ دیا۔ اور باقی اسلامی سلطنتوں کا یہ حال ہے کہ اگر آج انگریز یا روس اُن پر سے دستِ شفقت اُٹھالے تو اُن کا حلیہ بگڑ جائے۔

آج علمائے پاکستان شور مچا رہے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی وضع کردہ شریعت نافذ کرو۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ قرآن کی ۷۵۰ آیات پر عمل کر کے صحیح معنوں میں متقی بنو۔ متقی کا مادہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے لفظی معنی ہیں "بچاؤ۔ دفاع"۔ جس قوم کی سرحدیں کمزور ہوں۔ جو آنکھ کے بدلے آنکھ نہیں نکال سکتی۔ جو ظالم کا مُنہ نہیں توڑ سکتی۔ ایسی کمزور قوم لاکھ نمازی ہو۔ سال بھر روزے رکھتی ہو۔ اور گلا پھاڑ پھاڑ کر درود پڑھتی ہو، قرآن کی اصطلاح میں متقی نہیں ہو سکتی۔ سورۂ بقرہ کی دوسری آیت ہے:-

هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ

یعنی یہ قرآن اُس قوم کا دستور العمل ہے جس کا بچاؤ مضبوط ہو۔ اس لئے ہم حکومتِ پاکستان کی ہر ایسی کوشش کو جو استحکامِ دفاع کے متعلق ہو۔ شریعت و تقویٰ سمجھتے ہیں۔ اپنی سرحدوں کو مضبوط کرنے کے بعد اندرونِ ملک میں قرآنی احکام نافذ کرنا حکومت کا فرض ہے۔ اور یہ انشاء اللہ ہو کر رہے گا۔ لیکن حکومت شریعت نافذ کرنے سے پہلے اطمینان کرلے کہ کہیں وہ قرآنی شریعت کی جگہ وہ اسلام تو نافذ نہیں کر رہی۔ جو

ہمارے صوفیا اور علماء نے تیار کر رکھا ہے۔ ہم اسلام چاہتے ہیں لیکن صرف قرآن کا طاقتور۔ زندہ اور بے عیب اسلام۔ نہ کہ روایات۔ رسومات اور بدعات میں لتھڑا ہوا اسلام۔

نفاذ شریعت کا مقصد

ہمارے پاس قرآن شریف موجود ہے۔ جس میں ہماری فلاح و نجات کا مکمل دستور العمل درج ہے۔ لیکن ہمارے عوام قرآن سے یوں بھاگتے ہیں جیسے کوا تیر سے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کے بعض احکام تعزیرات پاکستان میں درج کر دیئے گئے تو اس سے فرق کیا پڑے گا۔ کیا لوگ زیادہ نیک محض اسلئے بن جائیں گے کہ قرآن چند تعزیرات بنا دیا گیا ہے؟ فرض کیجیئے تعزیرات میں درج ہو جاتا ہے کہ نماز چھوڑنے والا ایک ماہ قید کی سزا پائے گا۔ کیا حکومت اتنی پولیس مقرر کر سکے گی کہ وہ ہر گاؤں میں ہر دیہاتی کے اعمال کی نگرانی کر سکے؟ میرا مقصد یہ ہے کہ جب تک لوگ اپنی بہتری کی خود کوشش نہ کریں حکومت کی آئین سازی مفید نہیں ہو سکتی۔ آخر حکومت اللہ سے تو بڑی نہیں۔ جب اللہ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے اور ہم اُس کی پروا نہیں کرتے، تو حکومت کے قوانین کی کیوں پروا کرنے لگے۔

اس وقت جو بیماریاں ہماری معاشرت سلطنت۔ قومیت اور کردار کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں، وہ یہ ہیں:۔

(۱) جہالت (۲) چور بازاری (۳) دفتروں میں رشوت (۴) عام نااہلیت۔

(۵) سچ سے نفرت (۶) فریب دھوکا وغیرہ۔

جہالت سے یہ مراد نہیں کہ خواندہ لوگ تھوڑے ہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ علوم و فنون کے ماہرین ہم میں کم ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ ہر سال تین چار سو طلبہ ولایت میں اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجتی رہے۔ تاکہ ماہرین کی کمی پوری ہو جائے۔ ایک قوم کی شان اُس کے ماہرین کی وجہ سے بنتی ہے نہ کہ زیادہ پرائمری پاسوں سے۔

حکومت انسداد رشوت کے چند وسائل اختیار کر رہی ہے۔ لیکن وہ کافی نہیں۔ رشوت کی اصلی وجہ کلرکوں کی کم تنخواہیں ہیں۔ ۱۹۴۶ء سے کلرک کی تنخواہ پچاس روپلے کردی گئی ہے۔ پہلے بیس اور پچیس ہوا کرتی تھی۔ جس کلرک کے گھر پانچ چھ بچے ہوں۔ لڑکے کالجوں میں پڑھ رہے ہوں اور لڑکیاں شادی کی عمر کو پہنچ گئی ہوں، وہ رشوت نہ لے تو کیا کرے۔ خود کیا کھائے۔ بچّوں کو کیسے پڑھائے اور بچیوں کا کیا بنائے۔ اِسلئے اگر حکومت چاہتی ہے کہ رشوت ختم ہو جائے تو تنخواہوں میں اضافہ کرے۔ اور بیوی بچّوں کا الاؤنس مقرر کرے۔

انگریز کے جانے کے بعد دفتروں میں نااہلیّت[1] کا دَور دورہ ہے کسی دفتر کو کوئی چٹھی لکھ کر دیکھو تو انشاء اللہ ساری عمر جواب نہیں ملے گا۔ اس نااہلیّت کو کچلنا۔ بیوی اور بچوں کا الاؤنس مقرر کرنا۔ کنبہ پروری کی لعنت کو دُور کرنا۔ ہر آدمی سے انصاف کرنا۔ چور بازاری کو مٹانا۔ جھوٹوں، وعدہ شکنوں اور فریب کاروں کو سزائیں دینا۔ عوام میں تبلیغ کا انتظام کرنا۔

---

[1] بحمداللہ ۱۹۵۱ء میں حالات بڑی حد تک سُدھر گئے۔ (برق)

حکومت کا فرض ہے اور یہی مقصدِ شریعت ہے۔

اگر ہر وزیر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھے۔ عماراتی بلندیوں سے اُتر کر انسانی سطح پہ آجائے۔ ہر مظلوم کی شکایت ایک انگریز کے کان سے نہیں بلکہ ایک سچے مسلمان کے کان سے سُنے۔ ہر ضلع میں عام دربار لگا کر ہر مظلوم کو آزادی سے اپنی فریاد سُنانے کا موقع دے۔ بے انصاف حکام اور قصور وار دفتریوں کو فوری سزا دے۔ بھیس بدل بدل کر پولیس کے اعمال کی نگرانی کرے۔ ہر بھوکے کو روٹی یا روزگار دے۔ گداگری بند کر کے گداگروں کو جیلوں میں دستکاریاں سکھائے

الغرض اگر ہماری حکومت ان ذمائم کو دُور کر کے انصاف۔ حلم۔ احسان اور خوشحالی جیسے محاسن کو عام کر سکے تو سمجھو کہ شریعت کا مقصد پورا ہو گیا۔

---

(۴)

زندہ اقوام کے شمائل

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا کہ انہیں
آزادی کی نعمت سے مالا مال کیا مگر پاکستان کو صحیح
معنوں میں پاکستان بنانے کیلئے تعمیری جدوجہد
کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں اربابِ اختیار
مفکرین قوم اور عامتہ المسلمین پر کیا فرائض
عائد ہوتے ہیں؟ اور انہیں کیا کرنا چاہیئے؟
اس مضمون میں ملاحظہ فرمائیے۔

زندہ اقوام کے بڑے بڑے اوصاف تین ہیں۔ بلند کردار، قوت علم۔ آئیے ان ہر سہ اوصاف پر جداگانہ بحث کریں۔

کردار و تقدیر

کردار کا دوسرا نام تقدیر ہے۔ کردار کے بدلنے سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ تقدیر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "معین کرنا" یعنی ہر عمل کا ایک صلہ معین ہو چکا ہے۔ ہم انتخاب اعمال میں آزاد ہیں لیکن اعمال کا نتیجہ بھگتنے پر مجبور ہیں۔ غلط ہے یہ نظریہ کہ انسان کی تمام زندگی کا پروگرام پہلے بن جاتا ہے۔ اور کوئی فرد اس پروگرام سے ایک انچ ادھر ادھر سرک نہیں سکتا۔ اگر اس نظریئے کو صحیح تسلیم کیا جائے تو بعثت انبیاء و رسل کی ضرورت ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے۔ کیا کوئی رسول کسی آدمی کو اس راستے سے ہٹا سکتا ہے جس پر اللہ اسے چلا رہا ہو؟ ظاہر ہے کہ تقدیر کا یہ تخیل مضحکہ خیز ہے۔ اسلئے تقدیر کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ ہر عمل کا صلہ مقرر ہو چکا ہے۔ اور عامل کو طوعاً و کرہاً یہ صلہ قبول کرنا پڑتا ہے۔

جس طرح دنیائے اجسام میں ورزش کا صلہ ایک اچھی صحت ہے، اور ترک ورزش کا نتیجہ بیماری۔ اسی طرح اقلیم اخلاق میں بھی ہر عمل کی ایک

جزا و سزا مقرر ہو چکی ہے۔ جسے کوئی دُعا، چلّہ یا تعویذ نہیں ٹال سکتا۔ قرآن حکیم اور دیگر سترّ الہامی کتابیں اس حقیقت پر بہ بانگِ دُہل شہادت دے رہی ہیں کہ سلطنت ماللہ کا سب سے بڑا انعام ہے۔ جو صرف ایسے بندوں کو دیا جاتا ہے جو بلندیٔ کردار کی بدولت اس انعام کا استحقاق پیدا کر چکے ہوں۔

جس طرح آنحضرت صلعم کے زمانہ میں مسلمان خیر الامم تھے اسی طرح کسی زمانے میں یہودی بھی اپنے تابناک کارناموں کی بدولت افضل الناس تھے۔

یَابَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ۔

(قرآن کریم)

اے یہودیو! ہمارے اُن انعامات کو یاد کرو جو ہم نے تمہیں عطا کر رکھے تھے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تمہارے تابدار کارناموں کی وجہ سے ہم نے تمہیں خیر الامم قرار دیدیا تھا۔

وہی یہودی آج پستیٔ کردار کی وجہ سے در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ کیوں؟ خود اللہ تعالیٰ سے سنیئے:۔

عَنْ قَوْلِہِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِہِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ فَبِمَا نَقْضِہِمْ مِّیْثَاقَہُمْ لَعَنّٰہُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَہُمْ قَاسِیَۃً

اسلئے کہ یہودی جھوٹ بولتے، حرام کھاتے اور وعدوں کو توڑتے تھے ہم نے انہیں ملعون و مغضوب بنا کر ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

انصاف کیجئے! کہ اگر یہی جرائم ہم میں پیدا ہو جائیں تو کیا ہمیں محض اسلئے سزا نہیں ملے گی کہ ہمارے نام عبد اللہ و عبد الرحمٰن ہیں؟ کیا اللہ کی

آئینی و انتقامی جکییوں کو محض کلمہ گوئی یا لسانی اقرار روک سکتا ہے؟ کیا اس جہانِ علل و نتائج میں اعمال کو اُن کے پھلوں سے حسینِ عقیدے جُدا کر سکتے ہیں؟ کیا کوئی ایسی آگ ہو سکتی ہے جس میں حرارت نہ ہو، کوئی ایسی برف ہو سکتی ہے جس میں برودت نہ ہو۔ کوئی ایسا گناہ ہو سکتا ہے جس کا صلہ اچھا ہو؟ یا کوئی ایسا عمل ہو سکتا ہے جو تقدیر کو جس کا دوسرا نام منشاءِ ایزدی یا عادتِ الٰہیہ ہے۔ بدل کر رکھ دے؟

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیلًا | اللہ کی عادت کبھی نہیں بدلتی۔

تمام صحف سماویہ کا ابتدا سے انتہا تک مطالعہ کرو۔ اقوامِ عالم کی تاریخ کا ایک ایک ورق پڑھ ڈالو۔ اپنے مشاہداتِ زندگی کا تجزیہ کر کے دیکھو، کہیں بھی بد کا انجام اچھا اور اچھے کا انجام بُرا نہیں ملے گا۔

قرآنِ حکیم میں وارد ہے:۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ | اہلِ بقا کی تفصیل کے بعد ہم نے زبور میں یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہونگے۔

اللہ نے زبور میں کہاں لکھا تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) "جن پر خدا کی برکت ہے، وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ اور ملعون کٹ جائیں گے۔" (زبور $\frac{۳۷}{۲۲}$)

(۲) "شریروں کی نسل کاٹی جائے گی۔ صادق زمین کے وارث ہونگے اور ابد تک اس پر بسیں گے۔" (زبور $\frac{۲۵}{۳۴}$)

(۴۳) "کامل باہمت اور سیدھے آدمی کو دیکھ، کہ اس کا انجام امن و سلامتی ہے۔ اور بدکار سب ہلاک ہو جائیں گے" (زبور ۳۷/۳۷)

قرآن کریم میں مذکور ہے۔

(۱) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ۔

وہ مومن جن کے ایمان میں گناہ اور ظلم کا عنصر شامل نہیں۔ وہ الٰہی عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

(۲) فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

ہم نے بدکاروں سے خوب انتقام لیا۔ اور اہل ایمان کی مدد کرنا ہمارا فرض تھا۔

(۳) وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

جو لوگ ہمارے لئے جہاد کرتے ہیں ہم انہیں بلند زندگی کی تمام راہیں دکھا دیتے ہیں۔

(۴) قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔

موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا کہ حصولِ معالی میں اللہ سے مدد مانگو اور تکالیف برداشت کرو۔ اللہ جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بناتا ہے لیکن انجام کار نیک لوگ ہی جیتا کرتے ہیں۔

(۵) فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا وَ

ہم نے ہر قوم کو ان کے گناہوں کی سزا دی بعض پر ہم نے پتھر برسائے

مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ
وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ
اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔

کسی کو بجلیوں نے بھون ڈالا۔ کوئی زمین میں دھنس گئی۔ اور کسی کو زمین میں غرق کر دیا۔ ہم نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ بلکہ اُن کے کرتوت ہی ایسے تھے۔ جن کا نتیجہ ہلاکت تھی۔

ہم مسلمان مساجد میں قرآن کی آیات سُن سُن کر "قرآن پروف" بن چکے ہیں۔ اسلئے ممکن ہے کہ میری پیش کردہ آیات مسلمان کو سمجھانے کے لئے کافی نہ ہوں۔ آئیے چند اور شہادتیں لیجیئے۔

(۱) "اگر تم نے میرے احکام کو چھوڑ دیا، تو میں تم پر خوف، سِل، دِق اور تپ مسلط کروں گا۔ اور تم اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے"۔

(احبار ۲۶ ۱۲/۱۸)

۱۵ اگست کے بعد مشرقی پنجاب اور دہلی کے ایک کروڑ مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اُسے دیکھئے اور پھر "احبار" کی اس آیت کو پڑھیئے۔

(۲) "میں تمہیں نافرمانی کی سزا دوں گا۔ تمہیں غیر قوموں میں تتر بتر کر دونگا۔ اور تم پر پیچھے سے تلوار چلاؤں گا۔ تمہاری زمین برباد اور تمہارے شہر اُجاڑ ہو جائیں گے"۔ (احبار ۲۶/۳۳)

(۳) "بنی اسرائیل نے گناہ کیا۔ الٰہی عہد کو توڑا۔ چوری۔ حرام خوری اور ریاکاری کی اسلئے وہ دشمنوں کے آگے سے بھاگ نکلے"۔ (یشوع ۷ [illegible])

بالکل اسی طرح جس طرح اہل بغداد تاتاریوں سے، سلاطین سلجوقی غزنوی و تیمور کا لقب

عثمانی اتحادیوں اور ہمارے مہاجر بھائی تاتاریوں کے آگے بھاگ نکلے تھے۔

(۴) "بنی اسرائیل نے بُرائی کی۔ اس لیئے خدا نے چالیس سال کیلئے اُنہیں فلستیوں کا غلام بنا دیا۔ (قاضیوں ۱۳/۱)

جس طرح ۱۸۵۷ء میں ہمیں انگریزوں کا ۱۴۹۲ء میں مسلمانانِ ہسپانیہ کو فرڈینان اور ۱۲۶۰ء میں ایوبیانِ دمشق و مصر کو مغلوں کا غلام بنا ڈالا تھا۔

(۵) "اگر کوئی گناہ کرے گا، تو میں اسے بنی آدم کے کوڑوں سے پٹواؤں گا۔" (۲ سموئیل ۱۴/۷)

جس طرح ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان نے اٹھارہ لاکھ بغدادیوں کو ۱۸۶۸ء میں روس نے اُمرائے منگیت کو ۱۸۷۲ء میں اُمرائے خیوہ کو اور ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ نے اہل دہلی کو پٹیا تھا۔

(۶) اگر تم میرے احکام کے خلاف چلو گے تو میں تمہیں اُس سرزمین سے جو میں نے تمہارے قبضے میں دے رکھی ہے، اُکھاڑ پھینکوں گا۔ (۲ تاریخ ۸/۴)

تاریخ کو دیکھو ہمارے کتنے سلسلے برسرِ اقتدار آئے۔ اور جب وہ اللہ کے سیدھے راستے کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں عرش سے اُٹھا کر فرش پر دے مارا۔ کہاں گئے ہمارے وہ عباسی شہنشاہ جن کا نام سُن کر شہنشاہانِ روما غش کھا جاتے تھے ۱۲۵۸ء میں ایک ڈاکو بغداد میں داخل ہوا اور اس نے ہماری پُر جبروت سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ کہاں گئے جانشینانِ

طارق و عبد الرحمٰن الداخل۔ اسپین و فرانس پر ۷۱۶ء سے ۱۴۹۲ء یعنی پورے ۷۷۶ برس تک کوس لمن الملک بجانے والے آج یوں خاموش ہیں کہ گویا کبھی تھے ہی نہیں۔ کہاں گئے ہمارے سلجوقی۔ عثمانی۔ فاطمی۔ ایوبی۔ صفاری۔ بویہی۔ دیلمی۔ صفوی۔ قاچاری۔ طاہری۔ بنی زیاد۔ بنی حمدان اور دیگر بیسیوں فرمانروا سلسلے آج یہ کیوں خاموش ہیں۔ کیوں مٹا دئے گئے۔ اللہ کا جواب حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی سنئیے:۔

"خداوند کے دشمن بکرے کی چربی کی طرح پگھل جائیں گے۔ اور دھوئیں کی مانند فنا ہو جائیں گے"۔

(۷) "میں خداوند اس وقت دم لوں گا جب بُرُوں کے گھر بے چراغ ہو جائیں گے۔ اور ان کی بستیاں ویران ہو جائیں گی"۔ (یسعیاہ $6\frac{9}{11}$)

(۸) "اے بنی اسرائیل سن۔ ملک میں سچائی مہربانی اور خدا کا خوف نہیں رہا۔ جھوٹ۔ چوری۔ حرامکاری اور بد زبانی کے بغیر کچھ باقی نہیں رہا۔ اسلئے یہ سرزمین ماتم کرے گی اس سے بہت جلد آدمی مویشی سب ناپید ہو جائیں گے۔ یہانتک کہ دریاؤں سے مچھلیاں بھی ناپید ہو جائیں گی"۔ (ہوسیع $4\frac{1}{3}$)

(۹) "خداوند اپنے مخالفوں سے انتقام لیتا ہے۔ وہ غصّے میں دھیما مگر زور میں توانا ہے۔ خداوند کی راہ بگولے اور آندھی میں ہے۔ وہ سمندر کو ڈانٹ کر خشک کر سکتا ہے۔ اس کے خوف سے پہاڑ کانپتے اور ٹیلے پگھل جاتے ہیں"۔ (ناحوم $1\frac{2}{6}$)

(۱۰) "رب الافواج فرماتا ہے کہ میں بدکاروں کی تعمیریں ڈھا دوں۔

گا۔" (ملاکی ۲/۱۵)

یہ تو تھیں ان انبیاء کی شہادتیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اور بعض دیگر کے صحیفے ہم تک پہنچے ہیں۔ آئیے اب ذرا ہندوستانی بزرگوں اور رشیوں کی رائے معلوم کریں۔

جناب سری کرشن مہاراج نے اہل ہند کے سامنے گیتا پیش کی، فرماتے ہیں:۔

(۱) "جو آدمی میری تعلیم پہ نہیں چلے گا، وہ تباہ ہو جائیگا۔ (گیتا ۳/۲۴)

(۲) "بدکار لوگ دنیا کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔" (گیتا ۱۶/۹)

مقدس وید میں مندرج ہے:۔

" اگر ایک بادشاہ جھوٹ بولتا ہے تو وہ ایک کمزور جانور کی طرح اپنی تمام جاہ و حشمت کھو کر تباہی کا منہ دیکھتا ہے۔ (یجر وید ۲۳/۲۴)

دیکھ لیا آپ نے کہ کردار تقدیر کا دوسرا نام ہے! اور سمجھ لیا آپ نے کہ اللہ کی عادت کیا ہے! یہی کہ وہ بدکاروں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ دنیا کی ہزار ہا بڑی بڑی قوموں کو محض بدکاری کی وجہ سے تباہ کر چکا ہے اور مسلمانوں کو ابتک وہ ۱۲۸ ٹھوکریں لگا چکا ہے۔ اگر اب بھی مسلمان نہ سنبھلا۔ اس نے اپنے اخلاق کی سطح کو بلند نہ کیا۔ اگر وہ سراپا منشائے ایزدی کے سانچے میں نہ ڈھل گیا۔ اس نے جھوٹ۔ رشوت۔ بے ایمانی، بدعہدی، بدکاری اور بدنیتی کو نہ چھوڑا۔ تو اس سے پاکستان اسی طرح چھین لیا جائیگا جس طرح ۱۸۵۷ء میں چھینا گیا تھا، اور جیسے ۱۲۸ مرتبہ اس سے پہلے بھی

ہو چکے ہیں۔

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ (قرآن)

اگر تم اُنہی راہ پہ چل پڑے ہو تو یاد رکھو۔ کہ ہم بھی کافروں کو ہٹا سکتے ہیں یہ بھی دانا ہو سکتے ہیں۔

قوت قرآن حکیم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے:۔

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔

اے مسلمانو! تم وہ ہیبت پیدا کرو اور تمہارے اصطبلوں میں گھوڑے اس کثافت سے بندھے ہوں کہ اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن تمہارا نام سنکر غش کھا جائیں۔

اس آیت کو پڑھنے کے بعد پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانانِ عالم میں آج کہیں بھی یہ ہیبت موجود ہے؟ جواب صاف ہے۔ کہ نہیں۔ آہ! وہ دن یاد آتے ہیں۔ جب سعد بن ابی وقاص نے دریائے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیئے تھے۔ تو ایرانی سپہ سالار رستم نے عالم بے چارگی میں آہ بھر کر کہا تھا۔

"دیواں آمدند"

وہ زمانہ بھی یاد ہے۔ جب فاروق اعظم کی افواج قاہرہ شہنشاہان روما کے چھکے چھڑا رہی تھی۔ جب صلاح الدین ایوبی کی للکار ایوان یورپ میں ایک ہلکہ ڈال رہی تھی۔ جب ترکان عثمانی کے سر کیف نوجوان آسٹریا کے دارالخلافہ

کا محاصرہ کر رہے تھے۔ اور جب بحیرہ روم کی نیلی سطح پر کسی قوم کا جہاز ہماری اجازت کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتا تھا۔ کیا آج بھی ہم میں وہی ہیبت موجود ہے؟ نہیں۔ معاً دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہیبت کہاں سے اور کیسے حاصل کی جا سکتی ہے۔ جواب صاف ہے کہ مسلمان بننے سے لیکن کیسا اسلام؟ آئیے تفصیل سنئے:۔

مسلمان اور کائنات

کون نہیں جانتا کہ قوت کے تمام عناصر سینۂ زمین میں مستور ہیں۔ اقوام حاضرہ کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار دوڑ رہا ہے جو فولاد، پٹرول اور کوئلے کی آمیزش سے تیار ہوا ہے۔

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۔	ہم نے فولاد پیدا کیا جس میں زبردست ہیبت موجود ہے۔ اور یہ معدن نوع انسانی کے لئے ازبس مفید ہے۔

پٹرول کوئلے کا پسینہ ہے۔ کوئلہ ان سبز درختوں سے تیار ہوا ہے جو آج سے کئی لاکھ برس پہلے کسی زلزلے کی وجہ سے زمین میں دب گئے تھے۔ سورت یٰس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے:۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ ۔	اللہ وہ ہے جس نے سبز درختوں سے آگ نکالنے کا سامان مہیا کیا اور آج تم وہ آگ جلا رہے ہو۔

کتنی مہیب اور طاقتور ہیں وہ قومیں جن کے پاس یہ اقانیم ثلثہ موجود ہیں۔ اور

کس قدر کمزور ہیں وہ ممالک جن کے پاس نہ تو یہ چیزیں موجود ہیں۔ اور نہ انہیں ان کے استخراج و استعمال کا علم حاصل ہے۔ عراق میں تیل موجود ہے۔ لیکن اس پر اغیار کا قبضہ ہے۔ ابن سعود کے پاس تیل کے علاوہ کوئلے کے ذخائر بھی بکثرت موجود ہیں۔ لیکن وہ غریب نہ ان اشیاء کو نکال سکتا ہے اور نہ استعمال کر سکتا ہے۔ ایرانی پیٹرول پر انگریز مسلط ہیں۔ اور پاکستان کے اٹک والے چشموں کے مالک بھی چند انگریز ہیں۔ اور ہم کس چیز کے مالک ہیں۔ خالی زیت اور مٹی کے۔

یہ احتیاج۔ یہ ضعف اور یہ سیاسی پریشان حالی کس چیز کا نتیجہ ہے۔ ہماری علمی کا، اور اسلام کے مسخ شدہ تخیل کا۔ آج پاکستان کی تمام مساجد سے یہ صدا اُٹھ رہی ہے کہ پاکستان میں اسلام کو واپس لاؤ۔ یعنی قوانین میراث۔ طلاق۔ نکاح وغیرہ کو تابع فقہ بناؤ۔ قضاۃ کا محکمہ قائم کرو۔ پولیس میں مولوی بھرتی کرو۔ اور اسکول کے بچوں کو قرآن پڑھاؤ۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا۔ کہ کائنات سے امتحۂ ہیبت و قوت نکال کر ملت کو اتنا طاقتور بناؤ کہ چار دانگ عالم میں اس کی دھاک بندھ جائے۔ تجربہ گاہیں کھولو۔ نباتات۔ جمادات۔ اور طبقات الارض کی چھان بین کے لئے ماہرین پیدا کرو۔ عناصر کی تسخیر کے لئے آلات ایجاد کرو۔ اور بطن زمین سے ذخائر نکالو۔ تاکہ مسلمان میں وہ عظمت و جلال آ جائے کہ اس کے قشون جابرہ جس سمت کو رُخ کریں دشمنوں کے دل خوف سے بیٹھ جائیں۔ اور ساری کائنات اس کی ہیبت سے دہلنے لگے۔

قہاری و جباری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان ۔ (اقبالؒ)

کیا مسلمانوں کو یہ معلوم نہیں کہ قرآنِ حکیم نے انہیں مطالعۂ کائنات کیطرف ۷۵۶ مرتبہ متوجہ کیا ہے؟ اور بار بار ہدایت کی ہے۔ کہ ارض و سما کی تخلیق پر غور کرو۔ سمندروں کو مسخر کرو۔ شمس و قمر پر حکومت کرو۔ رخش گردوں کو لگام دو۔ عناصر تمہارے خادم ہیں۔ معادن تمہاری زینت ہیں۔ پھول تمہارے زیور ہیں۔ قوس قزح تمہارا جھولا ہے۔ کواکب تمہارے کھلونے ہیں۔ باغ و راغ تمہاری درسگاہیں ہیں اور یہ سیم و فولاد تمہارے امتنعۂ قوت ہیں۔ قرآن میں نکاح طلاق اور دیگر فقہی و اخلاقی مسائل پر صرف ۱۲۰ آیات ہیں۔ اور مطالعۂ کائنات پر پوری ۷۵۶۔ غور کرو۔ کہ کائنات کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مسلمان کا مقصد دنیا میں اللہ کی حکومت قائم کرنے کے بعد اس کی مشیت کو نافذ کرنا ہے۔ چونکہ دنیا شیطانوں سے لبریز ہے۔ اس لئے ہر ہر قدم پر اس کا مقابلہ بڑے ہالموں چنگیز خانوں اور نار اسنگھوں سے ہوگا۔ اگر مسلمان کو ٹمے فولاد اور پٹرول سے مسلح نہ ہوا۔ اور اس کے پاس کائنات گیر علم کی مرعوب کن طاقت نہ ہوئی تو وہ ان ابلیسوں کا مقابلہ کیا خاک کرسکے گا۔ اگر وہ ہر قدم پہ شیطانوں سے مغلوب ہوتا چلا گیا۔ تو خدائی مشیت کا نفاذ کیسے ہوگا۔ ذرا غور فرمایئے اس تنبیہہ پر:-

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ وَّاَنْ عَسٰۤی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُھُمْ۔	یہ لوگ کائناتِ ارض و سما پر کیوں غور نہیں۔ معلوم ہوتا ہے انکی موت قریب آگئی ہے۔

حدیث میں وارد ہے :۔

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ۔ | گھڑی پر غور سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔

جانتے ہو غور سے کیا مراد ہے۔ کائنات کے ہر منظر پر غور۔ پتے پتے کی چھان بین۔ اور زمین کی ہر تہ کی تلاش۔ کہ قوت کا خزانہ یہیں مدفون ہے۔ اور وہ قوت والا بھی یہیں مل جاتا ہے۔ ؎

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کُل
کھیل بچوں کا ہُوا دیدۂ بینا نہ ہُوا (غالبؔ)

حدیث میں وارد ہے کہ ایک صبح آنحضرتؐ کافی سویرے بیدار ہوئے اور جلدی جلدی مسجد کو چل دیئے۔ نماز بھی معمول سے ذرا سویرے ادا فرمائی اور نماز کے بعد فرمانے لگے :۔

لَقَدْ اُنْزِلَتْ عَلَیَّ اللَّيْلُ آيَةٌ وَيْلٌ لِّمَنْ قَرَاَهَا وَلَمْ يَتَدَبَّرْ وَيْلٌ لَهٗ ثُمَّ وَيْلٌ لَهٗ | آج رات مجھ پر ایک آیت نازل ہوئی ہے ہلاکت ہو اُس پر جو اسے پڑھے اور پھر غور نہ کرے۔ دوبارہ ہلاکت،، سہ بار ہلاکت۔

اور پھر یہ آیت پڑھی :۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ | ارض و سماء کی تخلیق، پرندوں، کشتیوں اور گھٹاؤں وغیرہ میں ایک غور کرنیوالی قوم کیلئے اسباق قوت موجود ہیں۔

دیکھا آپ نے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے مطالعۂ کائنات کی اہمیت کس رنگ میں واضح کی۔ لیکن اے کاش کہ آج مسلمان اللہ کی ان ۷۵۶ ہدایات کو نظر انداز کرنے کے بعد جہان بھر میں ذلیل و رسوا ہو رہا ہے۔ نہ اس کے پاس کوئی تجربہ گاہ لیبارٹری، نہ کیمیا دان، نہ عالمِ نباتات، نہ حکیم حیوانات نہ شناسائے طبقات، نہ مسخرِ عناصر، نہ کیمبرج جیسا کوئی علمی مرکز، نہ آئین سٹائین جیسا کوئی محاسب، نہ سر جیمز جینز جیسا کوئی منجم، نہ بطلیموس، نہ اقلیدس، نہ سقراط، نہ بقراط، نہ رازی نہ سینا، نہ ابن رشد، نہ ابن الخطیب نہ کندی نہ فارابی۔

دگر بہ مدرسہائے حرم نمے بینم
دلِ جنید و نگاہِ غزالی و رازی (اقبال رح)

ہمارے پاس ہے کیا؟ انگریز کے بنائے ہوئے چند سکول اور کالج چند فرسودہ مکاتب۔ مساجد میں تاریک نگاہ مُلّا۔ اور باہر تمام اوصاف سے کورا مسٹر۔ اے سبحان اللہ۔ کیا باکمال لوگ جمع ہوئے ہیں۔

چند روز ہوئے قائدِ اعظم بحری فوج کو خطاب فرما رہے تھے۔ دورانِ تقریر میں فرمایا "اسلام کا مقصد امن قائم کرنا ہے۔ اور یہ امن تبھی قائم ہو سکتا ہے، جب ہمارا مہیب سمندری بیڑا ہر چہار طرف وہ ہیبت برسا رہا ہو۔ کہ کسی بدنیت قوم کو پاکستان کی طرف نگاہ تک اُٹھانے کی جرأت نہ ہو سکے"

یہ تھا قرآن کی اس آیت کا تقریباً لفظی ترجمہ جو آغاز میں درج ہے یعنی

وَ اَعِدُّ وْالَهُمْ ..... اخبار میں دیکھا کہ قائد اعظم اعلیٰ طبیعات کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے قریباً ڈیڑھ سو نوجوانوں کو غیر ممالک میں بھیج چکے ہیں۔ اور طلباء کا دوسرا گروہ عنقریب بھیجنے والے ہیں۔ تو گویا ہمارے قائدِ اعظم زندگی کے اس راز سے پوری طرح آگاہ تھے۔ جسے قرآن حکیم نے ۷۵۶ مرتبہ بیان فرمایا۔ اور جس سے ہمارے مولانا اور مقتدی قطعاً ناآشنا ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے وعظ میں داڑھی کی لمبائی چوڑائی اور اس قسم کے باقی مسائل پر تو پورا زور بیان فرماتے ہیں۔ لیکن کوئلے۔ فولاد اور پٹرول کا نام تک نہیں لیتے گویا ان کے نزدیک یہ چیزیں بیکار محض ہیں۔ متاع دنیا ہیں۔ آلاتِ فتنہ و فساد ہیں۔ نہ قیام امن کے لئے ان کی ضرورت۔ نہ نمرودانِ دہر کا سر توڑنے کے لئے ان کی حاجت۔ رات دن کلمہ شریف کا ورد کرو۔ اور جب تارا سنگھ بیاس کے کنارے کھڑا ہو کر للکارے، تو گیدڑوں کی طرح بھاگ کر پاکستان کے بل میں آگھسو۔

الغرض مطالعہ کائنات اسلام کا ایک اہم رُکن ہے۔ اسلئے طلباء کا فرض ہے کہ ان کی ایک بہت بڑی تعداد علم کیمیا۔ فزکس اور نباتات وغیرہ کی طرف رجوع کرے۔ کہ اس کے بغیر ہماری بگڑی کبھی نہ بن سکے گی۔ [1]

علم

ہمارے اسلاف اس حقیقت سے آشنا تھے کہ زندہ قوموں کا زیور علم ہے۔ چنگیزیوں کے پاس ایک عظیم الشان سلطنت

---

[1] اس مضمون پر اگر آپ تفصیلی بحث دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو ملاحظہ فرمایئے میری تصنیف "دو قرآن" (کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور)

موجود تھی۔ لیکن علم نہ تھا۔ اس لئے مؤرخ اُن کا احترام نہ کر سکا۔ یونان کا ایک چھوٹا سا خطہ آج بھی تاریخ کے دُھندلکے میں اختر سحر کی طرح چمک رہا ہے اس لئے نہیں کہ وہ اسکندر و فیلیپوس کا وطن تھا۔ بلکہ اس لئے کہ وہاں سقراط، بقراط، بطلیموس، اقلیدس اور افلاطون و ارسطو نے جنم لیا تھا۔ جرمنی مر چکا لیکن تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس لئے کہ یہ ملک چند شہرہ آفاق علمائے طبیعی کا مولد ہے۔ ایٹم بم تک کے موجد یہی لوگ تھے ان کی ایجادات۔ علمی انکشافات۔ بلند مقالات اور محققانہ تصنیفات پر انسانی تہذیب ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ یہی حال انگریزوں کا ہے ۱۹۲۱ء میں برٹش میوزیم میں صرف ڈیڑھ لاکھ کتابیں تھیں۔ اور آج ایک کروڑ۔ انگلستان میں اس قدر مؤرخ۔ محاسب۔ فلسفی اور علمائے طبیعی پیدا ہوئے اور بدستور ہو رہے ہیں۔ کہ اُن کے تمام شعبہائے علوم مکمل ہو چکے ہیں۔ اُن کے طلباء نئی علمی دُنیاؤں کی تلاش میں دیوانہ وار گھوم رہے ہیں۔ ہر منظر۔ ہر ڈالی اور ہر پتی کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہیں۔ کہ شاید کائنات کا کوئی اور راز ڈھونڈھ لیں۔ علم کی جو بے پناہ تڑپ جرمنوں اور انگریزوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کا ہلکا سا پرتو بھی کہیں اور نہیں ملتا۔ اور باقی رہے ہمارے پاکستانی طلبہ۔ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ میری تنقید میرے نوجوانوں کا حوصلہ توڑ دیں گی، تو میں ان کے نفسیات کا تجزیہ کر کے بتاتا۔ کہ ان کے قوائے عمل پر کیوں اوس پڑی ہے۔ معاشرہ زندگی کی دلفریبیاں انہیں کیوں اپنی طرف متوجہ نہیں کرتیں۔ ان میں کیوں جذبۂ مسابقت موجود نہیں۔ ان کے پاؤں جادہ

حیات پر بڑھنے کے لئے کیوں بے چین نہیں۔ انہیں کیوں معلوم نہیں کہ وہ خود پاکستان کے معمارِ فردا ہیں۔ اور انہیں اس عظیم الشان ذمہ داری کے لئے ابھی سے تیار ہو جانا چاہیئے۔

اس وقت ہمارے پاس کیا ہے؟ انگریزوں کے بخشے ہوئے چند انجینئر۔ چند صناع۔ اور چند دیگر ماہرین۔ کیا اتنی بڑی سلطنت کا بوجھ صرف چند افراد اُٹھا سکتے ہیں؟ کیا ہمارے طلبہ کا فرض نہیں کہ وہ علمی بلندیوں کی طرف بیتابانہ حرکت کریں؟ وقت کم ہے سفر لمبا۔ اور ہمارا مستقبل تہی مایہ پاکستان کو معرضِ وجود میں لانے اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگانے والے طالبعلمو! یاد رکھو کہ نااہلوں کے ہاتھ میں کوئی سلطنت زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان روس، امریکہ اور انگلستان کا ہم پایہ بن جائے تو علمی دنیا میں جھکو۔ شہرہ آفاق طبیعی فلسفی۔ مؤرخ اور ادیب پیدا کرو۔ کہ بلند کردار کے بعد علم سب سے بڑی طاقت ہے۔

خدا بخشے ہمارے بزرگوں کو۔ وہ قوت کے اس راز سے آگاہ تھے۔ اور اسی لئے وہ دُنیا کے کونے کونے سے علماء کو ڈھونڈ کر اپنے درباروں میں رکھا کرتے تھے۔ محمود غزنوی تو علماء کا اغوا بھی کیا کرتا تھا۔ اور دوسری طرف ہندوستان کے آخری فرمانرواؤں کے درباروں میں کیا تھا۔ کُتے۔ تماشی گھوڑے۔ بٹیر۔ کبوتر۔ بھانڈ اور طوائف۔

انصافاً کہیئے۔ کہ اللہ ان ناکارہ لوگوں کو کیوں باقی رکھتا۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ

اِس زمین پر صرف مفید اشیاء

فِی الْاَرْضِ (قرآن) | زندہ رہ سکتی ہیں۔

دورِ عباسیہ

عباسیوں کا دور اسلام کا عہدِ زرّیں شمار ہوتا ہے۔ اس لئے نہیں۔ کہ ان کے زمانے میں بادلوں سے سونا برستا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ یہ حکمران اسلامی کلچر اور ادب کو اتنا چمکا گئے۔ کہ نسلِ انسانی قیامت تک فائدہ اُٹھاتی رہے گی۔ عباسیوں کا دور ۷۵۰ء سے ۱۲۵۸ء تک جاری رہا۔ اس پانچسو برس کے عرصے میں طبیعیات۔ ریاضیات۔ تاریخ۔ ادب۔ شاعری۔ مذہب۔ فلسفے۔ موسیقی۔ نجوم اور دیگر اصنافِ علم پر اس قدر کتابیں لکھی گئیں۔ کہ جب ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان نے بغداد کو تباہ کیا۔ تو کتابیں دریائے دجلہ میں پھینک کر اپنی فوجوں کے لئے گذرگاہ تیار کی۔ ڈاکٹر ڈریپر کا خیال یہ ہے کہ اس زمانے میں صرف بغداد میں ۷۰ لائبریریاں تھیں۔ جن میں کتابوں کی مجموعی تعداد ۴ کروڑ سے کم نہیں تھی۔ اُن غیر مسلم علماء کو تو جانے دیجئے۔ جو روم۔ یونان۔ سسلی۔ جندیشاپور اور ہندوستان تک سے دربارِ بغداد میں جمع کئے گئے تھے مثلاً جبرئیل بن بختیشوع ثابت بن ابراہیم الصابئی۔ ثابت بن قرہ۔ ابوالحسن بن سنان الصابئی۔ کنکتہ الہندی وغیرہ۔ ذرا ان مسلم فضلاء پر نگاہ ڈالیئے۔

موسیٰ بن عقبہ (۷۵۸ء) ابن اسحاق (۸۰۳ء)، واقدی (۸۲۲ء) سعد کتاب الطبقات الکبیر کے مصنّف (۸۴۴ء) ابن قتیبہ (۸۹۱ء) الکندی (۸۵۰ء)، جاحظ (۸۶۹ء) ابن درید (۹۳۴ء)، محمد بن العلا (۱۰۵۷ء)، ابوالفتح شہرستانی (۱۱۵۳ء)، امام غزالی (۱۰۵۸ء)، ابی عبداللہ

(سنہ ۹۴۰ء) ابوالفرج علی الاصفہانی (سنہ ۹۶۷ء)، احمد بن یحییٰ البلاذری (سنہ ۸۹۲ء) محمد بن جریر الطبری (سنہ ۹۲۳ء) مسعودی بغدادی (سنہ ۹۵۶ء) عتبی (سنہ ۱۰۳۶ء) خطیب بغدادی (سنہ ۱۰۷۱ء)، العقفلی (سنہ ۱۲۴۸ء) ابن جوزی (سنہ ۱۲۰۰ء)، ابن الاثیر (سنہ ۱۲۰۳ء)، ابوالعشاق (سنہ ۱۰۰۰ء)، المقدسی (سنہ ۱۲۶۰ء) یاقوتی (سنہ ۱۲۲۹ء) ابوالنصر فارابی (سنہ ۹۵۰ء) بو علی سینا (سنہ ۱۰۳۷ء) ابوبکر رازی (سنہ ۹۲۳ء) وغیرہ جنہیں شمار کرنا مشکل ہے۔

یہ لوگ کس شان سے رہتے تھے۔ اور خلفاء ان کی کتنی قدر کرتے تھے۔ صرف اس ایک مثال سے اندازہ لگا لیجئے کہ دربار بغداد کے مشہور نصرانی حکیم جبرائیل بن بختیشوع کو ہارون الرشید کے سالے عیسیٰ بن جعفر سے ۵۰ ہزار درہم۔ فاطمہ (جعفر برمکی کی والدہ) سے ۷۰ ہزار۔ ابراہیم بن عثمان سے ۳۰ ہزار فضل بن ربیع سے ۵۰ ہزار شاہی تحفوں کی صورت میں ایک لاکھ زرعی جائیداد سے آٹھ لاکھ، یحییٰ بن خالد برمکی (وزیر ہارون) سے سات لاکھ۔ جعفر بن یحییٰ برمکی سے ۱۲ لاکھ۔ اور فضل بن یحییٰ برمکی سے ۶ لاکھ درہم سالانہ ملتے تھے یعنی اسکی سالانہ آمدنی ۳۰ لاکھ درہم تھی۔

علمائے ہسپانیہ

ہم نے ہسپانیہ پر قریباً ساڑھے سات سو برس حکومت کی۔ اس دور میں وہاں بھی شہرۂ آفاق فلسفی۔ مؤرخ اور حکیم پیدا ہوئے۔ مثلاً ابن خلدون۔ ابن عربی۔ ابن رُشد وغیرہ۔ اگر ہم تمام اسلامی سلسلوں کے علماء کا تذکرہ کریں تو بات لمبی ہو جائے گی۔ اسلئے ہم یہاں چند ان علمائے کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ جنہوں نے

اسلامی کلچر پر بہت زیادہ احسانات کئے ہیں۔ مثلاً:-

بڑے بڑے مصنفین

نام	تعداد تصانیف
(۱) امام غزالی (۱۰۵۸ء)	قریباً ۲۰۰
(۲) ابن عربی (۱۲۴۰ء)	״ ۲۵۰
(۳) ابن الجوزی (۱۲۰۰ء)	״ ۱۵۰
(۴) النابلسی (عبد الغنی) (۱۰۲۸ء)	״ ۳۰۰
(۵) سید مصطفیٰ البکری (۱۷۴۹ء)	״ ۲۳۵
(۶) یعقوب الکندی (۱۰۵۸ء)	״ ۲۵۰
(۷) ابوعبیدہ ابن المثنیٰ (۸۲۸ء)	״ ۲۰۰
(۸) ابوبکر رازی (۹۲۳ء)	״ ۱۷۵
(۹) ابونصر فارابی (۹۵۰ء)	״ ۱۰۰
(۱۰) بوعلی سینا (۱۰۳۷ء)	״ ۲۲۵
(۱۱) عبد اللطیف بغدادی (۱۲۳۹ء)	״ ۱۵۰
(۱۲) امام فخر الرازی (۱۲۱۱ء)	״ ۱۲۵
(۱۳) ابن الہیثم البصری (۱۰۳۹ء)	״ ۱۷۵
(۱۴) علی بن رضوان المصری (۱۰۶۱ء)	״ ۱۵۰
(۱۵) امام ابن تیمیہ (۱۳۲۷ء)	״ ۵۰۰

(۱۶) تقی الدین السبکی (۱۳۵۵ء)	قریباً	۱۷۵
(۱۷) ابن حجر العسقلانی (۱۴۴۸ء)	"	۱۵۰
(۱۸) جلال الدین سیوطی (۱۵۰۶ء)	"	۵۵۰
(۱۹) ابن کمال پاشا رومی (۱۵۳۴ء)	"	۲۰۰
(۲۰) ابن طولون دمشقی (۱۵۴۶ء)	"	۷۵۰

ہمارے طلبہ نے اندازہ لگا لیا ہوگا۔ کہ ہمارے اسلاف کتنے باہمت لوگ تھے۔ امام ابن تیمیہ نے ۵۰۰۔ سیوطی نے ۵۵۰۔ اور ابن طولون نے ساڑھے سات سو کتابیں سپرد قلم کیں۔ اور ہم ہیں کہ ساٹھ ستر برس کی آسودہ زندگی میں ایک مقالہ تک لکھنے کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم سست ہیں۔ محنت سے جی چراتے ہیں۔ بہر حال ہمارے عظیم المرتبت اسلاف صحرائے ہستی پر بے شمار نقوشِ قدم چھوڑ گئے ہیں۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان کی تابدار روایات کو پھر زندہ کریں۔ اور دنیا کو دکھا دیں کہ ہم اپنے واجب الاحترام اسلاف کے مایۂ ناز اخلاف ہیں۔ سے

تا کجا طور پہ دریوزہ گری مثل کلیم
اپنی مٹی سے عیاں شعلۂ سینائی کر (اقبالؔ)

(۵)

عورت کا صحیح مقام

قرآن کی روشنی میں

Rizvi

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا تھا۔ ؎

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں

حقیقتاً مسئلہ زن ایک نہایت ہی مشکل مسئلہ ہے۔ اسے جتنا سلجھاؤ یہ اتنا ہی اُلجھتا جاتا ہے۔ مغرب میں عورت کی آزادی۔ بے باکی اور آوارہ گردی سے مردوں کے ہاں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے۔ اور مشرق میں وہ گھر کی چار دیواری اور زندانِ نقاب میں یوں محبوس ہے کہ اس پر رحم آتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس مشکل کا حل کیا ہے؟ اور قرآن حکیم اس معاملے میں ہماری کہاں تک رہنمائی کرتا ہے؟

مسئلے کی صورت :۔ مسئلہ زن کو سمجھنے کے لئے ہمیں چند سوالات کا حل قرآن سے تلاش کرنا ہوگا۔

۱۔ کیا ہمارا موجودہ برقع قرآن کی رُو سے درست ہے؟
۲۔ کیا عورتوں اور مردوں کا ملنا جائز ہے؟
۳۔ عورتوں کی بہتری کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

پردے کے متعلق قرآن شریف میں مندرجہ ذیل آیات ملتی ہیں :۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ يَّغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ

اے نبی مسلمانوں سے کہئیے کہ (وہ عورتوں سے ملیں) تو آنکھیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ اَنْ يَّغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۔

اسی طرح مسلم خواتین کو حکم دیجیے کہ (وہ مردوں کے سامنے آئیں) تو آنکھیں جھکالیں۔ اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

اس آیت سے کہیں یہ مترشح نہیں ہوتا کہ عورتیں منہ پہ نقاب ڈال کر باہر نکلا کریں۔ بلکہ آنکھیں جھکالینے کی ہدایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورت بلا حجاب بھی پھر سکتی ہے۔ اگر آنکھیں جھکالینے سے مراد پردہ لیا جائے تو تو پھر مردوں کو بھی پردہ اوڑھنا پڑے گا۔ اسلئےکہ آنکھیں جھکالینے کا حکم مرد و زن ہر دو کے لئے ہے۔ اگر اس حکم کے ہوتے ہوئے مرد بلا حجاب پھر سکتا ہے، تو عورت کو کونسی چیز روکتی ہے؟

مزید برآں اگر عورت پردے میں ہو۔ تو پھر آنکھیں جھکالینے کی ہدایت اس کے لئے بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ ہدایت اس صورت میں مفید و بامعنی ہو سکتی ہے اگر عورت کو بے نقاب پھرنے کی اجازت ہو۔

دوسری آیت:۔

ولا یظہرن زینتہن الا ما ظہر منہا۔

عورتیں (غیر محرموں کے سامنے) اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔ ہاں جو زینت

| خود بخود ظاہر ہو جائے (اس کا کوئی حرج نہیں)۔

خود بخود ظاہر ہونے والی زینت کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اس زینت سے مراد ہاتھ۔ پاؤں۔ پاپوش اور ہاتھوں کے زیور ہیں۔ اور چہرے کو ننگا رکھنا ممنوع ہے۔ دوسرا گروہ جس میں حضرت ابن عباسؓ ابن عمرؓ۔ حضرت انسؓ۔ ضحاکؒ اور سعید بن جبیرؓ وغیرہ شامل ہیں۔ اس زینت میں چہرے کو بھی شامل سمجھتا ہے۔ حضرت حسن بصری بھی اس خیال کے مؤید ہیں۔ سنن ابی داؤد اور موطا (امام مالک) میں چند احادیث بھی اس مضمون پر موجود ہیں کہ عورت چہرے پر نقاب ڈالنے کے لئے شرعاً مامور نہیں۔

اس وقت ٹرکی۔ ایران۔ مصر۔ لیبیا۔ مراکش۔ تیونس۔ شام۔ سعودی عرب عراق۔ شرق اردن۔ فلسطین اور لبنان میں عورتوں کے چہروں پر نقاب نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سارے جسم کو ایک بڑی چادر سے ڈھانپ لیتی ہیں۔ اور چہرہ ننگا رکھتی ہیں۔ بہرحال اس آیت سے ہمارا مروجہ برقع ثابت نہیں ہوتا۔

تیسری ہدایت:۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ | خواتین کو چاہیئے کہ اپنی اوڑھنیوں سے سینوں کو ڈھانک لیں۔

چہروں کو نہیں بلکہ "سینوں" کو۔ اگر اللہ کا مقصد نسوانی چہروں کو چھپانا ہوتا تو وہ "جیوبھن" کی جگہ "وجوھھن" کے الفاظ استعمال کرتا۔

چوتھی ہدایت:۔ (جو ازواج نبی کے لئے مخصوص ہے۔)

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ

اے رسول! اپنی ازواج سے کہہ دو کہ وہ گھروں میں رہا کریں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح بن سنور کر باہر نہ نکلا کریں۔

یہ حکم صرف امہات المومنین کے لئے ہے۔ لیکن اگر اسے عام بھی سمجھ لیا جائے۔ تب بھی اس سے موجودہ برقع ثابت نہیں ہوتا۔ اس آیت کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصّے کا مفہوم یہ ہے کہ "گھروں میں جم کر رہو"۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس آیت کے نزول کے بعد امہات المومنین اور دیگر مسلم خواتین جم کر گھروں میں بیٹھ گئی تھیں۔ اور کسی ضرورت کے لئے بھی باہر نہ نکلتی تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ضروری حوائج کے لئے یقیناً باہر آتی تھیں لیکن بن سنور کر نہیں نکلتی تھیں۔ تو گویا اس آیت کا دوسرا حصّہ پہلے کی تفسیر ہے۔

پانچویں ہدایت:-

یا ایھا النبی قل لازواجک وبنتک ونساء المومنین ان یدنین علیھن من جلابیبھن

اے رسول اپنی بیویوں۔ بیٹیوں اور دیگر مومنات کو حکم دیجئے کہ وہ باہر نکلیں تو ایک بڑی چادر خوب اچھی طرح اوڑھ لیا کریں۔

اس آیت میں "یدنین" کا لفظ تشریح طلب ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے معنی لکھے ہیں کہ "گھونگھٹ نکال لیا کریں"۔ ہم حیران ہیں کہ گھونگھٹ کا مفہوم کہاں سے نکال لیا۔ یدنین کا ماخذ "دنو" (دنی دنوا) ہے۔ "دنو" کے معنی ہیں "قریب کرنا۔ قریب آنا .... "قریب لانا" تو اس آیت کے

لفظی معنی یہ ہوں گے :-

"کہ عورتیں ایک بڑی چادر کو اچھی طرح جسم کے قریب لائیں" مطلب یہ کہ اچھی طرح اوڑھ لیں کہ زینت کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔

دیکھا آپ نے کہ اللہ نے یہاں بھی چہرے کو برقعے سے بچالیا ہے۔

آیاتِ پردہ کا ماحصل :-

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتیں بن سنور کر باہر نہ پھریں۔ باہر نکلیں بھی تو ایک بڑی چادر سے مقاماتِ زینت مثلاً سینہ، زیور اور خوبصورت کپڑوں کو ڈھانپ کر نکلیں۔ اور جب نامحرموں سے ملیں تو جاہئیں آنکھوں کو جھکالیں

ان ہدایات سے ہم مندرجہ ذیل نتائج نکال سکتے ہیں :-

اوّل :- ہمارا موجودہ پردہ قرآن سے ثابت نہیں۔

دوم :- عورتیں ایک بڑی چادر میں اندر باہر آ سکتی ہیں۔

سوم :- وہ آنکھیں جھکا کر غیر محرموں سے گفتگو کر سکتی ہیں۔

چہارم :- اگر وہ حیا و عصمت کے تقاضوں کا خیال رکھیں تو زندگی کے ہر شعبے میں برابر کا حصّہ لے سکتی ہیں۔ وہ چاہیں تو معلّم بنیں۔ فلسفہ سیکھیں سیاسیات میں حصہ لیں۔ سائنس پڑھیں۔ ڈاکٹر بنیں۔ تلوار چلائیں۔ ہوا میں اُڑیں۔ سمندروں میں تیریں۔ انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ بشرطیکہ حیا و عصمت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اللہ گناہ اور بے حیائی کا دشمن ہے۔ عورت کی بے حجابی کا دشمن نہیں۔ اگر ایک عورت پردے میں رہ کر عصمت بیچ رہی ہے تو کیا وہ اللہ کے عذاب سے محض اسلئے بچ جائے گی

کہ وہ بی بی بن کر اندر بیٹھی ہوئی ہے۔ اللہ کا مقصد گناہ کو روکنا ہے۔ مرد و زن کی آزادی پہ پابندی بٹھانا نہیں۔ اگر مرد و زن آنکھیں نیچی رکھ سکتے ہیں تو آزاد ہیں۔ ورنہ مرد کو جیل میں اور عورت کو گھر کی چار دیواری میں لیلو سزا بند کر دیا جائے۔

ایک تاریخی واقعہ:۔

" جب راون سیتا جی کو اُٹھا کر لے گیا تو سیتا راستے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر زیور ٹپکاتی گئیں۔ تاکہ پسماندگان کو سراغ لگانے میں آسانی رہے۔ یہ تمام زیور ایک بندر اُٹھا کر رامچندر جی کے سامنے لے آیا۔ رامچندر جی نے اپنے چھوٹے بھائی لچھمن سے پوچھا۔ کیا تم ان زیوروں کو پہچانتے ہو؟ لچھمن پاؤں کے زیور الگ کر کے کہنے لگا۔ کہ میں ان زیوروں کو پہچانتا ہوں۔ جب رامچندر جی نے باقی زیورات کو نہ پہچاننے کی وجہ پوچھی۔ تو کہنے لگا میری نگاہ آج تک بھابی کے پاؤں سے اوپر نہیں اُٹھی "۔

سبحان اللہ! کیا کردار ہے۔ ایک ہی گھر میں برسوں رہے۔ اکٹھا دیس نکالا ملا۔ جنگل میں بھی شب و روز اکٹھے۔ اکٹھے شکار۔ اکٹھا کھانا پینا۔ لیکن دیور کی نظر بھاوج کے پاؤں سے ایک لمحہ کے لئے بھی اوپر نہ گئی۔ یہ ہے وہ بلند کردار جو قرآن اپنے پیروؤں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اگر آج ہم میں بھی اس قسم کے مرد پیدا ہو جائیں۔ تو ہماری عورتیں جنگلی ہرنیوں کی طرح خود بخود آزاد ہو جائیں۔ اور انسانی سوسائٹی میں انہیں مناسب مقام مل جائے۔ لیکن مشکل یہ ہے۔ کہ ہم میں لچھمن بہت کم ہیں اور راون بہت زیادہ۔ اسلئے ہمیں مجبوراً اپنی

سیتاؤں کو حریص نگاہوں سے بچا کر رکھنا پڑتا ہے۔

عورتوں کی آزادی مانگنے والو! پہلے نیک اور شریف النفس بنو۔ نگاہیں نیچی رکھو۔ شرمگاہوں پہ حیا و عصمت کے پہرے بٹھاؤ۔ عورتیں خود بخود آزاد ہو جائیں گی۔

اگر ہمارا کردار کا فراتہ ہو۔ اور ہم کسی سُرخ دوپٹے کو دیکھ کر میلوں اس کا پیچھا کرتے ہوں۔ تو انصافاً کہیئے کہ ہم کس بوتے پر اپنی معصوم بہنوں اور بیٹیوں کو باہر بھیجیں۔ ہمارا موجودہ پردہ اسلامی نہیں۔ بلکہ محض مجبوری اور ضرورت کا پردہ ہے۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ مسلم نوجوان اس قدر اخلاقاً گر چکا ہے۔ کہ وہ شب و روز عورت ہی کا پیچھا کرتا رہتا ہے۔ بلکہ میں صرف ایک خطرے کا ذکر کر رہا ہوں۔ اور ممکن ہے وہ موہوم ہی ہو۔

عورتوں کی آزادی کے چند فوائد

مجھے اس سے انکار نہیں کہ خواتین کی آزادی میں کچھ خطرات بھی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی کچھ فوائد بھی ہیں۔ مثلاً جس محفل یا جلسے میں کوئی عورت آجائے تو تمام مرد گفتگو میں متین۔ قہقہوں میں معتدل۔ حرکات میں مہذب اور بحث و مناظرہ میں میانہ روبن جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں درج ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ۔ | تم ان عورتوں سے نکاح کرو، جنہیں تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

موجودہ پردے کی صورت میں پسند و انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ اگر مرد کو اپنی رفیقۂ حیات پسند کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ تو اسکی

خانگی زندگی عموماً بدمزگی۔ تصادم اور نامرادی کی ایک طویل داستان بن کر رہ جلتی ہے۔ انتخاب سے میرا مطلب مغربی انتخاب نہیں۔ بلکہ جانبین کو ایسے مواقع بہم پہنچانا ہیں کہ مرد و زن ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔ سیرت و صورت کا کچھ اندازہ لگا سکیں۔ اور اندھی شادی کے تلخ نتائج سے بچ سکیں۔

قدیم رسوم و رواجات میں پلے ہوئے بزرگ یقیناً میری اس تجویز پر بُرا منائیں گے۔ اور کہیں گے کہ تو کون ہوتا ہے۔ ہماری لڑکیوں کو غیر محرموں سے پسند کرانے والا۔ ہم مر جائیں گے لیکن یہ بے غیرتی گوارا نہیں کریں گے میاں صاحب! مجھ پر ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں تو قرآن پیش کر رہا ہوں۔ اللہ کہہ رہا ہے کہ تم صرف ان عورتوں سے شادی کرو۔ جو تمہیں پسند آئیں۔ اگر ہم نے اپنے ہونے والے داماد کی نظروں سے بچی کو دور رکھا۔ اور شادی کے بعد اسے پسند نہ آئی۔ تو دو ہی صورتیں ہونگی۔ طلاق یا ایک ہی چاردیواری میں دو نامراد اور اداس رُوحیں عمر بھر اپنے والدین کو کوستی رہیں گی۔ انتخاب کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اگر آپ مسلمان ہیں اور قرآن کو مانتے ہیں تو پھر آپ کو یہ حکم بھی ماننا ہی پڑے گا۔ آپ یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ قرآن کا یہ حکم میری غیرت سے متصادم ہوتا ہے۔ اِس لئے میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ یاد کیجئے وہ دن جب آپ کی شادی کا انتظام ہو رہا تھا۔ اور آپ نہایت گھبراہٹ اور بے تابی میں اپنے رازداروں سے پوچھتے پھرتے تھے۔ خدا کے لئے کچھ تو بتاؤ۔ لڑکی کالی ہے یا گوری۔ پتلی ہے یا موٹی۔ خوبصورت ہے یا بدصورت۔ قد و قامت موزوں ہے یا اونٹ کی نسل کی کوئی شاہزادی ہے

عادات و اطوار کیسے ہیں۔ باسلیقہ ہے یا اُجڈ۔ نرم خو ہے یا جھگڑالو۔ اور یہ تمام سوالات آپ اسی لئے پوچھ رہے تھے کہ آپ کو پسند کا موقعہ نہیں دیا گیا تھا۔ میں عدہا ایسے گھرانوں سے واقف ہوں جو محض اِس لئے اُجڑ گئے۔ کہ بیوی کے انتخاب میں شوہر کا دخل نہیں تھا۔ خود میرا گھر ایک مرتبہ اسی "خاندانی غیرت" کا شکار ہو چکا ہے۔ اور بے شمار ایسے جوڑے موجود ہیں۔ جو بہ ظاہر آباد ہیں۔ لیکن ان کے سینے قبرستان سے زیادہ اُداس ہیں۔ اسلام انسانی فطرت کا مذہب ہے۔ یہ حکمت و دانش کا مذہب ہے یہ وہ دستور العمل ہے۔ جس کی ہر ہدایت لازوال مسرّت و راحت کا پیغام ہے۔ اسی دستور العمل کے مصنّف نے یہ حکم دیا تھا۔ کہ بیویوں کے انتخاب میں تمہاری پسند کا دخل ہونا چاہیئے۔ لیکن مفروضہ خاندانی غیرت اس حکم کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہو گئی۔ اور آج نتائج آپ کے سامنے ہیں۔

مذکور ہے کہ حضور پُر نور جب لڑائیوں پر جاتے تھے۔ تو ازواجِ مطہرات اور مسلم خواتین کی کافی بڑی تعداد آپ کے ہمراہ ہوتی تھی۔ عورتوں کی موجودگی ہر مرد میں "ہیرو" بننے کا تیز احساس پیدا کر دیتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ہر میدان میں صبر و ثبات کا وہ عدیم النظیر مظاہرہ کیا کرتے تھے کہ آخر دشمن گھبرا کر بھاگ نکلتا تھا۔ صحابہ کو یہ بھی احساس ہوا کرتا تھا کہ اگر ہم ہار گئے تو ہماری یہ خواتین دشمن کے قبضے میں چلی جائیں گی۔ چنانچہ وہ اپنی عزت۔ غیرت اور ناموس کو بچانے کے لئے یوں جم کر لڑتے تھے کہ

آسمان سے ملائکہ ان پر فتح و ظفر کے پھول برسانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ یہ عورتیں مجاہدین کے لئے کھانا پکاتی تھیں۔ اور کئی دیگر خدمات بھی سرانجام دیتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مشک اُٹھا کر کافی دُور سے غازیوں کے لئے پانی لاتی تھیں۔ جب کوئی غازی زخمی ہو جاتا تو اُسے اُٹھا کر کیمپ میں لاتیں۔ اور اس کی دیکھ بھال کرتیں۔ ایک زخمی سپاہی کا آدھا دُکھ دُور ہو جاتا ہے۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ خود اس کی بہن۔ ماں یا بیوی اُس کی تیمار داری کر رہی ہے۔

پچھلی جنگِ عظیم میں ہر مورچے کے قریب زخمیوں کے لئے عارضی ہسپتال قائم کئے گئے تھے۔ جن میں تیمار داری کے لئے عورتیں مقرر کی گئی تھیں۔ اسلئے کہ عورتوں کا نرم و حساس دل دوسروں کی تکالیف سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ اور ان کا سلوک بیمار سپاہیوں سے بہت زیادہ ہمدردانہ اور "ہمشیرانہ" قسم کا ہوتا ہے۔

عورتوں کا مطالبہ عورتیں آئے دن یہ مطالبہ کرتی رہتی ہیں کہ ہمیں ہمارے حقوق دو۔ یعنی پردے سے باہر نکالو۔ ہمیں اعلیٰ تعلیم دلاؤ۔ شوہر کے انتخاب اور اُسے طلاق دینے کی اجازت دو۔ جدوجہدِ حیات میں برابر کا شریک بناؤ۔ اور آبائی وراثت سے ہمارا حصہ الگ کردو۔

جہاں تک اللہ کا تعلق ہے۔ وہ ان مطالبات کو مدت سے منظور کر چکا ہے۔ پردے کے متعلق قرآن کا فیصلہ آپ سن چکے ہیں۔ رسول کریمؐ نے

حصولِ علم ہر مسلم و مسلمہ کے لئے فرض قرار دیا ہے۔ خاوند کو طلاق دینے (خلع) کا حق اسے شرعاً حاصل ہے۔ لیکن چونکہ عورت فطرتاً کم حوصلہ، زود رنج اور جلد باز واقع ہوئی ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ وہ جلدی میں کوئی ایسا فیصلہ کر بیٹھے جس پر اسے بعد میں پچھتانا پڑے۔ اِس لئے اسے حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ شوہر سے جان چھڑانا چاہتی ہے۔ تو حاکمِ شرع کو اپنی کہانی سنائے۔ اگر حاکم مطمئن ہو جائے کہ عورت کی شکایات معقول ہیں تو وہ اسے شوہر سے علیحدہ کر دے۔

عام طور پر والدین خود ہی اپنی لڑکیوں کے لئے شوہر تلاش کرتے ہیں اور نکاح کے وقت بیٹی سے جبراً اختیارات لے کر اسے ایک نادیدہ و ناشنیدہ انسان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ بیٹی کو خاوند پسند ہو یا ناپسند، ان کی بلا سے۔ انہوں نے تو سر سے بوجھ اُتارنا تھا۔ میں کئی ایسی حسین۔ پاکیزہ مذاق لطافت پسند اور تعلیم یافتہ لڑکیوں سے واقف ہوں، جنہیں دولت کے لالچ میں ماں باپ نے جاہل۔ سیہ رُو۔ اُجڈ۔ غلیظ۔ بدصورت اور عمر رسیدہ شوہروں کے حوالے کر دیا۔ اور وہ گھر کے جیل میں پڑی اُداس زندگی کے آہستہ خرام دن گذار رہی ہیں۔

اس مسئلے پر شریعت کا نقطۂ خیال ہمارے سامنے ہے۔ شریعت کی رُو سے نکاح اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک عورت "ہاں" نہ کہے۔ اگر کوئی لڑکی خاوند کو دیکھے سُنے بغیر ہاں کر دیتی ہے تو یہ اُس کی اپنی غلطی ہے جس کا بعض اوقات اسے نہایت تلخ خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ ورنہ

شریعت اسے اجازت دیتی ہے۔ کہ "ہاں" کہنے سے پہلے تحقیق کرلے کہ اس کا ہونے والا شوہر کیا چیز ہے۔

اعتراض یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ خاوند کو تو اجازت ہے کہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے بغیر عورت کو طلاق دے کر ایک لمحے میں گھر سے نکال دے۔ لیکن عورت پہ یہ پابندی لگادی ہے۔ کہ وہ عدالتوں میں خراب ہوتی پھرے۔ کیا یہ تفاوت خلاف انصاف نہیں؟

جواب (۱) عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جائیں تو سارے سسرال میں بیوی کا کوئی ہمدرد باقی نہیں رہتا۔ اس قسم کے ناسازگار ماحول میں بیوی مرعوب اور خوفزدہ ہوجاتی ہے اور اس میں یہ ہمت ہی نہیں رہتی کہ وہ شوہر کو طلاق دیتی پھرے۔ اس لئے عدالت کو کہا گیا کہ وہ عورت کی مدد کرے۔

(۲) عورت فطرتاً جلدباز، زودرنج اور کم حوصلہ ہوتی ہے۔ اگر طلاق کے اختیارات اس کے ہاتھ میں ہوتے۔ تو ممکن تھا کہ وہ ذرا سی رنجش پہ طلاق کا کلہاڑا شوہر کے سر پر دے مارتی۔ اسلئے اسے ان اختیارات سے محروم کردیا گیا۔

(۳) نیز ممکن تھا کہ شوہر بھی کسی وقت کسی چھوٹی سی بات پہ بگڑ کر طلاق دے بیٹھتا۔ اسلئے قرآن نے حکم دیدیا کہ عورت تین طلاقوں سے حرام ہوگی۔ اور ہر طلاق ایک حیض کے بعد دی جاسکتی ہے۔ چونکہ طلاق کا مروجہ طریقہ ہرگز قرآنی نہیں۔ اسلئے اگر کوئی شخص ایک وقت میں یا دس دن میں اپنی بیوی کو

دس لاکھ مرتبہ طلاق دے ڈالے۔ تب بھی یہ ایک طلاق سمجھی جائے گی قرآنی طلاق کی صورت یہ ہے۔ کہ عورت کو طلاق دو۔ جب اندازاً مہینہ گذر جائے تو دوسری طلاق دو۔ اور پھر مہینے کے بعد تیسری۔ اس عرصے میں شوہر جب چاہے اپنے فیصلے کو بدل سکتا ہے۔ اگر اس عرصے میں خاوند بیوی کو چھو لے یا پیار محبت کی باتیں کر بیٹھے یا اس کے ساتھ ایک چارپائی پہ بیٹھ جائے تو فقہا کے ہاں پچھلی طلاق یا طلاقیں خود بخود منسوخ ہو جاتی ہیں۔ طلاق کی یہ میعاد اس لیئے مقرر کی گئی ہے کہ خاوند کو مزید سوچنے اور رشتہ داروں کو مصالحت کرانے کے مواقع مل جائیں۔

اسی طرح عورت کو یہ حکم کہ طلاق حاصل کرنے کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے۔ کچھ اسی قسم کی مصلحت کا حامل ہے۔ آخر عدالت میں جاتے، عرضی دیتے۔ شہادت پیش کرنے اور شوہر کے عذرات سننے پر دو چار ہفتے تو ضرور صرف ہوں گے۔ ممکن ہے کہ اس عرصے میں عورت اپنے فیصلے پہ نظر ثانی کر لے، یا مرد اپنی غلط روش بدل ڈالے، یا کوئی اور بہتر صورت نکل آئے الغرض طلاق دینے میں میاں بیوی ہر دو پہ پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ جن کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جانبین کو اپنے فیصلے پہ نظر ثانی کرنے کے کافی مواقع دیئے جائیں اور ظاہر ہے کہ یہ پابندیاں تقاضائے انصاف ہیں نہ کہ خلافِ انصاف۔

وراثت

آبائی وراثت میں عورت کا حصہ اگر مرد سے زیادہ نہیں تو برابر ضرور ہے۔ فرض کرو کہ ایک گھر میں ایک لڑکا ہے، اور دو لڑکیاں۔ لڑکا نصف جائیداد کا وارث ہوگا۔ اور نصف دیگر کی یہ لڑکیاں

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کو لڑکے کے برابر نہیں سمجھا گیا۔ لیکن حقیقت یوں نہیں۔ اگر رحلت والدین کے بعد یہ لڑکیاں شادی نہ کریں، تو خرچ بھائی کے سر۔ اور اگر کریں تو پھر پدری جائداد سے نصف لینے کے بعد شوہر کے ہاں گئیں۔ زندگی بھر کا کل نفقہ شوہر کے سر۔ اگر مہینے میں ایک لڑکی کا خرچ پچاس روپے بھی ہو تو گویا کم از کم بیس تیس ہزار روپیہ شوہر سے لے لیا۔ مہر الگ۔ زیور کپڑا الگ۔ اور اس کی جائداد میں حصہ داری الگ۔ پھر ماں بنی تو بیٹے کی جائداد میں شریک بن بیٹھی۔ انصافاً کہو کہ کون فائدے میں رہا۔ بیٹی یا بیٹا؟ اور قرآن نے کس کو زیادہ حصہ دلایا؟ یہ بھی یاد رہے کہ بیٹے کے گھر ایک بیوی بھی ہے اور چند بچے بھی۔ جن کا بوجھ اسی کے سر پہ ہے۔

الغرض عورتوں کے تمام مطالبات قرآن نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے منظور کر دیئے تھے۔ اگر ان کے والدین اور شوہر قرآن کی مخالفت کریں۔ اور اللہ کے صریح احکام کو توڑ کر اپنی بیویوں۔ بیٹیوں اور بہنوں پہ مظالم توڑیں۔ انہیں جائداد۔ آزادی اور اعلیٰ تعلیم سے محروم کریں تو اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج؟

عورت کے دُکھوں کا واحد علاج

آج عورت مرد کے سامنے بے بس ہے۔ اور اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اوّل رواج اور دیرینہ روایات۔ دوم عورتوں کی ہمہ گیر بے علمی۔ سوم عورتوں کی خاموشی۔

ان تمام دُکھوں کا واحد علاج عورتوں کو تعلیم دلانا ہے۔ تعلیم کھاد کو بلند

شخصیت کو با اثر۔ اور زبان کو فصیح بنادیتی ہے۔ علم سے تصوراتِ حیات بدل جاتے ہیں۔ علم روح میں بالیدگی۔ ایمان میں تازگی۔ دل میں حرارت اور جذباتِ عالیہ میں حرکت پیدا کرتا ہے۔

ہمارا یہ فرض ہے کہ اپنی بچیوں کو بلند تعلیم دلوائیں۔ اگر کسی شہر میں لڑکیوں کا کالج موجود نہ ہو۔ تو لڑکوں کے کالج میں انہیں بھیجیں۔ میں جانتا ہوں کہ لڑکوں کے ہمراہ بیٹھ کر پڑھنے میں کچھ خطرات بھی ہیں۔ لیکن فوائد بہت زیادہ ہیں۔ اللہ نے شراب و قمار کو حرام کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ واثمھما اکبر من نفعھما | کہ ان کا نقصان فائدے سے زیادہ ہے اور اسلئے انہیں حرام کر دیا گیا تھا۔ دوسری طرف اگر لڑکیاں لڑکوں کے ہمراہ مل کر پڑھیں۔ تو فوائد نقصانات سے بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے یہ اقدام جائز ہو گا۔

بہر رنگ اگر ہماری بیٹیاں بلند علم کے زیور سے آراستہ ہو جائیں۔ تو پھر مردوں کو یہ ہمت نہیں پڑے گی کہ وہ عورتوں کے جائز حقوق کو غصب کر سکیں علم وہ طاقت ہے۔ جو ہر رکاوٹ کو ہٹا کر اپنا راستہ خود ہموار کر لیتی ہے۔ اسلام نے حصولِ علم مرد و زن ہر دو کے لئے فرض قرار دیا ہے۔ تاکہ ہر دو طاقتور بن جائیں۔ اور کوئی جانب دوسرے کو کمزور سمجھ کر اس کے حقوق پہ دست درازی نہ کر سکے +

(۶)

مطالبۂ شریعت

شریعت کیا ہے؟ اس کے تقاضے اور آداب
کیا ہیں؟ پاکستان میں شریعت کے نفاذ کے مطالبہ
کا پس منظر کیا ہے؟ کون کون سے گروہ کون کونسی
مصلحت کے پیش نظر اس مطالبہ کے حق میں آواز بلند
کر رہے ہیں؟ سلامتی اور فلاح کی راہ کون سی ہے؟
اور پاکستان کو کس طرح صحیح معنوں میں ایک اسلامی
سلطنت بنایا جاسکتا ہے؟

آجکل[1] قلمرو پاکستان میں بعض حلقوں سے یہ صدا اُٹھ رہی ہے کہ ملک میں شرعی آئین نافذ کیا جائے۔ یہ صدا آغاز میں دھیمی تھی۔ لیکن اب بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی ہے اس تحریک کے علمبرداروں میں تین قسم کے لوگ ہیں۔

اوّل:- وہ جنہیں امیر القوم بننے اور حکومت پہ قبضہ کرنے کی ہوس چین نہیں لینے دیتی۔

دوم:- حکومت ہند کے ایجنٹ جن کے مقصد ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنا ہے۔

سوم:- وہ مخلص کارکن جو اس اسلامی سلطنت کو صحیح معنوں میں اسلامی بنانا چاہتے ہیں۔

پہلا گروہ ایک خاص قسم کی ذہنی و دماغی بیماری میں مبتلا ہے۔ یہ لوگ اپنے علم۔ تجربہ۔ رائے۔ فکر اور نظر کو ہر لحاظ سے کامل سمجھتے ہیں کسی مسئلے کے متعلق اُن کا نظریہ در اصل غلط ہو یا صحیح وہ صحیح سمجھیں گے۔ اور اس پر ہٹ دھرمی سے جمے رہیں گے۔ علمائے نفسیات کے ہاں اس دماغی مرض کا نام "جہل مرکب" ہے۔

---

[1] یعنی ۱۹۴۸ء

دوسرا گروہ ہماری سلطنت کا خطرناک ترین دشمن ہے لیکن شریعت کے شور مچانے والے انبوہ میں وہ اس طرح خلط ملط ہو گیا ہے کہ اُسے کیفرِ کردار تک پہنچانا بہت دشوار ہے۔

تیسرے گروہ کے ارادوں میں اخلاص، آواز میں گداز اور نیتوں میں ایک تڑپ پائی جاتی ہے۔ اور ان کی یہ بے چینی ردِّ عمل ہے گذشتہ نو ماہ کے واقعات کا۔ مثلاً :-

(۱) ہندوؤں کے جانے کے بعد ہمارے اکثر لیڈروں، مسلم لیگ کے عہدیداروں اور بعض افسروں نے جو لوٹ مچائی، اسے دیکھ کر ہر حساس دل تڑپ اُٹھا۔

(۲) ہمارے اہلکاروں اور ماتحت ملازموں نے انصاف، دیانت اور نظم و نسق کا کچومر نکال کر رکھ دیا۔ ہر طرف رشوت کا بازار گرم ہو گیا۔ خدمتِ خلق کا مقدس جذبہ سسکیاں لے لے کر دَم توڑ گیا۔ کنبہ پروری، دوست نوازی، تقرریات و ترقیات کا معیار بن گئے۔ اور ہر آدمی دوسرے سے پوچھنے لگا کہ کیا پاکستان انہی "مقدس ارادوں" کو پورا کرنے کے لئے حاصل کیا گیا تھا؟

(۳) اشتراکی حضرات نے اپنی اقتصادی تحریک پر رنگِ الحاد چڑھا دیا۔

(۴) اور ترقی پسند شعراء و مصنفین علی الاعلان عریانی و بے حجابی کا ڈھول پیٹنے لگے۔

تو یہ ہیں وہ اسباب و عوامل جو تحریکِ شریعت کا پس منظر ہیں۔

شریعت کے مختلف تصورات

شریعت کیا چیز ہے۔ اس کے متعلق علماء کے مختلف گروہ ہیں۔

(۱) ایک گروہ کا تصور یہ ہے کہ اگر ہر آدمی کو نماز پڑھنے اور ڈاڑھی رکھنے پر مجبور کر دیا جائے تو شریعت کا منشاء پورا ہو جائے گا۔

(۲) ایک اور گروہ کا خیال ہے کہ زانی کو دُرّوں اور چور کو قطع ید کی سزا دینے سے شریعت کا نفاذ عمل میں آ جائے گا۔

(۳) ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ وزراء حضرت عمرؓ کی طرح گشت لگایا کریں اور بدکار کو قلمرو پاکستان میں کہیں پناہ نہ لینے دیں۔ وہ حکام کا محاسبہ کریں۔ ان کے اعمال کی پوری پوری نگرانی کریں۔ اور جہاں کہیں کسی سے لغزش ہو۔ اُسے فوراً سزا دیں۔

(۴) ایک اور جماعت یہ چاہتی ہے کہ حکومت شیخ الاسلام کے منصب کو پھر زندہ کرے۔ اور ساری سلطنت میں سرکاری وکلاء کی جگہ مفتیانِ دین مقرر ہوں۔ جو عدالتوں کو منشائے قرآن و سنت سے آگاہ کرتے رہیں۔

الغرض جتنے مولوی، لفظِ شریعت کی اتنی ہی تاویلیں۔ اگر آج پیر ہاشم کی عدالت کے تصور کے مطابق شرعی نظام نافذ کر دیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ سینکڑوں دیگر علماء پوری طاقت سے اس کی مخالفت کریں گے۔ اور اس وقت تک چین نہیں لیں گے۔ جب تک مناصب حکومت میں انہیں مناسب حصہ نہیں مل جائے گا۔

لفظِ شریعت کی تشریح ۔ قرآن کریم مسلمانوں کے لئے مکمل اور آخری

ضابطۂ قوانین ہے۔ اور اسی ضابطے کا دوسرا نام شریعت ہے۔ شریعت کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی گئی ہے۔

(۱) عبادات (۲) اخلاق (۳) تسخیر کائنات۔

(۱) پاکستان میں عبادات پہ کوئی پابندی نہیں۔ ہر مسلمان پوری آزادی کے ساتھ فریضۂ عبادت ادا کر سکتا ہے۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تارک الصلوٰۃ کو سزا دینے کے لئے کیوں کوئی قانون وضع نہیں کیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے مکمل ضابطہ یعنی قرآن حکیم میں بھی تارکِ صلوٰۃ کے لئے کوئی دنیوی سزا موجود نہیں۔ اسلئے پاکستان کا اس سمت میں کوئی قدم اُٹھانا قرآن میں اضافہ کے مترادف سمجھا جائے گا۔ اور غالباً کوئی مسلمان دستور سازانِ پاکستان کو اس تعدی کی اجازت نہیں دیگا۔ ہاں حکومت عبادات کے لئے ترغیب و ترہیب کا راستہ اختیار کر سکتی ہے۔ اور یہ وہ کام ہے۔ جو علمائے اسلام پہلے ہی سرانجام دے رہے ہیں۔ اگر حکومت اس مخلصانہ تبلیغ کیلئے ان کی کچھ مالی امداد کر دے تو عوام و علماء ہر دو مطمئن ہو جائیں گے۔

(۲) اخلاق

قرآن حکیم میں بیسیوں آیات اس مضمون پر موجود ہیں۔ کہ حکومت اسلامی کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اسلام فضائل کا مبلغ اور رذائل کا دشمن ہے۔ آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابۂ کرام کی تمام طاقت استئصالِ شر و استیصالِ شر میں بسر ہوئی۔ اسلامی تلوار ہمیشہ گناہ کے خلاف بے نیام ہوئی۔ جہاں کہیں ظلم، رشوت، عیاشی، سیہ کاری و بدکرداری نظر آئی وہاں بجلی بن کر گری۔ قیاصرۂ روم کی عظمت کا سر بفلک محل

اسی لیئے پیوندِ خاک کر دیا گیا تھا۔ کہ وہاں گناہ کا بسیرا تھا۔ اکامرۂ ایران کا ایوانِ حشمت اسی لئے تباہ کر دیا گیا تھا کہ وہاں عیاشی و بدکاری کے کہ بھید المنظر عفریت برہنہ ہو کر ناچتے تھے۔ اسلامی تلوار ریڈ کے کھیتوں اور پیٹرول کے چشموں کی خاطر کبھی بے حجاب نہیں ہوئی۔ اسلام کا مقصد کبھی بھی تو آبادیات کا حصول نہیں تھا۔ مسلمان اللہ کا سپاہی ہے۔ وہ ہمیشہ اللہ کی خاطر جیتا اور اللہ کیلئے مرتا رہا۔ جہاں کہیں اللہ کی توہین ہوتی دیکھی وہیں طوفانِ مرگ و ہلاکت بن کر پہنچا۔ زندہ رہا تو غازی۔ مرگیا تو شہید۔ نہ جینے کی ہوس نہ موت کا خوف، صرف اللہ کے اشاروں پر رقص کرنے والا۔ شمع الوہیت پہ پروانوں کی طرح قربان ہونے والا۔ اور آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں یہ گاتے ہوئے کود جانے والا کہ ع

ہم تو جیتے ہیں کہ دُنیا میں ترا نام رہے

لفظ "معروف" میں کیا کچھ شامل نہیں۔ سچائی۔ دیانت، قناعت، خدمتِ خلق، انصاف، انکسار تواضع، حسن سلوک، صلہ رحمی، محبت، اتفاق، اتحاد وغیرہ سب معروف میں شامل ہیں۔ اور "منکر" نام ہے جھوٹ، بددیانتی، بوالہوسی، ایذارسانی، ظلم، رشوت، تکبر، غرور، بدمعاملگی، نفاق، غمازی، فتنہ انگیزی اور اتحاد شکنی کا۔ ایک اسلامی حکومت کا یہ پہلا فرض ہے کہ وہ گناہ کو سانپ سمجھ کر اس کا سر کچل دے۔ اور نیکی کی حوصلہ افزائی کرے۔ یہ نہیں کہ کسی امیر کسی لیگی لیڈر یا کسی ایم۔ ایل۔ اے نے جرم کیا تو اُسے چھوڑ دیا۔ اور غریب کو ارتکابِ جرم سے پہلے ہی دھر لیا۔ نیکی کی وسیع تبلیغ اور گناہ کے خلاف بیباکانہ

بمطابق منشائے شریعت ہے۔

چونکہ ہماری سلطنت نوزائیدہ اور بے شمار نئے مسائل میں اُلجھی ہوئی ہے۔ اس لئے ہمیں اعتراف ہے کہ ہمارے حکام امر بالمعروف کی طرف ہمہ تن متوجہ نہیں ہو رہے۔ ہمیں توقع ہے کہ حکومت اپنی معروفیات سے جلد فارغ ہو کر اس اہم پہلو کی طرف توجہ دے گی۔

یہاں یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہو گا کہ پاکستان کے موجودہ دستور میں بھی ہر بدی اور ہر گناہ کے لئے ایک سزا مقرر ہے۔ قتل کے لئے موت، جھوٹ، فریب، مکاری اور فتنہ انگیزی وغیرہ کے لئے کئی کئی سال کی قید با مشقت سارے آئین میں کہیں بھی گناہ کی اجازت نہیں۔ بہ دیگر الفاظ انگریز کے بنائے ہوئے دستور میں بھی (جو عبوری زمانہ کے لئے پاکستان کا دستور ہے) بُرائی سے روکنے کی بڑی حد تک کوشش کی گئی ہے۔ ہاں چند چیزیں قابلِ اعتراض بھی ہیں۔ مثلاً قحبہ خانوں کا کھلا استعمال اور بہ رضا سے ناجائز تعلقات کی اجازت۔ لیکن یہ چیزیں بند ہو کر رہیں گی۔ نہ قائد اعظم کو یہ چیزیں پسند تھیں، نہ ہمارے وزراء کو نہ حکام کو اور نہ عوام کو۔ جن بدکاریوں کو راستے عام کا سیلاب تند بہا لے جانے پر تلا ہوا ہو، اُن کے باقی رہنے کی کونسی صورت ہو سکتی ہے۔

موجودہ تعزیرات شریعت سے دو چار اور مقامات پر بھی متصادم ہوتی ہے۔ مثلاً تعزیرات زانی کو زیادہ سے زیادہ سات سال کی سزا دینا چاہتی ہے اور شریعت سو دُرّے کی۔ اسی طرح شریعت چور کا ہاتھ کاٹنا چاہتی ہے۔ اور تعزیرات سزائے جرمانہ و قید پر اکتفا کرتی ہے۔ پاکستان اس

تصادم کو بہ یک کشش قلم دور کر سکتا ہے۔ اگر ایک زانی کو جس کے خلاف، چار عینی گواہ موجود ہوں، دُرّوں کو سزا دی جائے۔ اور وہ بالفرض مر بھی جائے۔ تو ہرج کیا ہے۔ اگر ہم اس قسم کے دس بیس بدمعاشوں کی جانیں لے کر سلطنت کے طول و عرض میں زنا جیسے بھیانک گناہ کو ختم کر سکیں۔ اور چند شیطانوں کی قربانی دے کر کروڑوں نفوس کو فرشتہ بنا سکیں۔ تو اس سودے میں ہمیں قطعاً کوئی خسارہ نہیں ہوگا۔

چونکہ زنا کا جرم انسانی آنکھوں سے بہت دور رات کے اندھیروں میں چھپ کر کیا جاتا ہے۔ اور چار عینی گواہوں کا ملنا بہت دشوار ہے۔ اس لئے اگر ہم یہاں اجتہاد سے کام نہ لیں اور آیت کے ظاہری الفاظ پر جائیں تو ممکن ہے کہ یہ گناہ بجائے گھٹنے کے اور بڑھ جائے۔ اس لئے کہ نہ چار عینی گواہ کہیں جمع ہونگے اور نہ زانی کو قرآن کے حکم کے مطابق سزا مل سکے گی۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ جہاں گواہوں کی تعداد کم ہو، اور ارتکاب جرم کے باقی شواہد یقین انگیز ہوں تو وہاں مجرم کو قید و بند کی سزا دی جائے۔ اور جہاں چار عینی گواہ ہوں، وہاں سو دُرّے لگیں۔

اسی طرح کا اجتہاد چور کے متعلق بھی کیا جا سکتا ہے۔ چور کی سزا قطع ید ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ایک مشہور ڈاکو اور ایک شریف انسان کو جس نے زمیندار کے کھیت سے مکئی کا ایک بھٹہ توڑ لیا ہو۔ برابر برابر سزا دی جائیگی۔ چور دونوں ہیں۔ نفس جرم میں دونوں شامل ہیں۔ لیکن آپ مؤخر الذکر کا ہاتھ کاٹنے پر کبھی راضی نہیں ہونگے۔ انصاف یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ کہ اگر کوئی منچلا

چھوکرا حلوائی کے تھال سے ایک لڈو اٹھا لے تو اسے قطع ید کی سزا دی جائے آخر جرم اور سزا میں کوئی نسبت تو ہونی چاہیئے۔ ہمارے بعض فقہا کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چار آنے کی چیز چرا لے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ یہ چار آنے کی حد آپ نے کس آیت کی رو سے وضع کی ہے؟ چوری چوری ہے خواہ وہ چار آنے کی ہو یا پونے چار آنے کی۔ پونے چار آنے کی چوری پر چھوڑ دینا۔ اور صرف ایک پیسہ زائد چرانے پر ہاتھ کاٹ دینا کہاں کا انصاف ہے۔

اگر ہمارے پرانے فقیہ زور اجتہاد سے چوری کی حد چار آنے مقرر کر سکتے تھے تو ہمیں بھی اجتہاد کی ویسی ہی اجازت ہے جیسے انہیں تھی۔ اسلئے ہم مندرجہ ذیل تجویز پیش کرتے ہیں:۔

(۱) اگر کوئی شخص پہلی مرتبہ چوری کرے۔ اور مال مسروقہ مل جائے تو مال مالک کے حوالے کیا جائے۔ اور چور کو کم از کم دو سال قید با مشقت کی سزا دی جائے۔

(۲) اگر مال مسروقہ برآمد نہ ہو۔ اور یہ مال مستغیث کی جائداد کا چوتھا حصہ یا اس سے کم ہو۔ تو ملزم کو قید کے ساتھ جرمانہ یا تاوان کی سزا بھی دی جائے اور یا تینوں سزائیں بیک وقت دی جائیں۔

(۳) دوبارہ جرم کرنے پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اگر مجسٹریٹ کو یقین ہو جائے۔ کہ ایک اور موقعہ دینے سے یہ سنبھل سکتا ہے۔ تو اسے کم از کم ۵ سال قید با مشقت کی سزا دے۔ اور ہاتھ نہ کاٹے۔ اور اگر یہ مجرم

تیسری مرتبہ اسی گناہ کا ارتکاب کرے تو بلادریغ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔
ہمارے اس اجتہاد نے چوٹی چور کو سنبھلنے کا موقعہ دیدیا۔ بڑے بڑے چوروں کی اصلاح کی بھی گنجائش رکھ لی۔ اور عادی چور کو نص قرآنی کے مطابق قطع ید کی بھی سزا دے دی۔ اور اس طرح انصاف و شریعت دونوں کا منشاء پورا ہوگیا۔

مجھے اُمید ہے کہ ہماری دستور ساز اسمبلی چور اور زانی کی وہی سزا مقرر کریگی جو اللہ نے قرآن میں تجویز کی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہونگے کہ ہمارے دستور ساز اپنے آپ کو اللہ سے زیادہ عقلمند سمجھتے ہیں۔

تسخیر کائنات

اسلامی حکومت کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے امر بالمعروف کے لفظی معنی ہیں "نیکی کا حکم دینا" چونکہ حکم دینا حاکم کا کام ہوتا ہے۔ اسلئے تبلیغ خیر کے لئے حکومت کا ہونا ضروری ہے حکومت وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کے حصول و بقا کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی جاتی ہے۔ آزادی فضائل اور غلامی رذائل کا مقناطیس ہے۔ غلام اور ڈھور میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ دونوں کو لادا جاتا ہے۔ دونوں مالک کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ دونوں آقا کے عزائم کو پورا کرنے کے لئے آلۂ کار بنتے ہیں۔ بدیگر الفاظ دونوں ایک بے جان مشین کی طرح مالک کی منشاء کے مطابق محوِ عمل رہتے ہیں۔ اس قسم کے بے اختیار، مجبور اور بے بس غلاموں سے یہ اُمید رکھنا کہ وہ دُنیا کو معروف کا حکم دینگے۔ اُمید خام ہے۔ اسلام اور آزادی دونوں ہم معنی لفظ ہیں قرآن حکیم میں جزیہ عائد کرنے کا تو حکم موجود ہے۔ لیکن جزیہ ادا کرنے کے متعلق

کوئی ہدایت نہیں ملتی۔ ہمیں جا بجا بتایا گیا ہے۔ کہ ہم حکومت قائم کرنے کے بعد غیر اقوام سے کس قسم کا برتاؤ کریں۔ لیکن یہ کہیں نہیں سمجھایا گیا کہ محکومی کی حالت میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہو۔ مجھے یوں نظر آتا ہے کہ اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ سلطنت ہے۔ اس لئے قرآن کسی ایسے مسلمان کا وجود ہی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جو محکوم بھی ہو۔ اور مدعی اسلام بھی۔ اگر آزادی اصول اسلام پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔ تو لازماً محکومی ترک اسلام کا نتیجہ ہونا چاہیئے۔ جو مسلمان غلام ہونے کے باوجود مدعی اسلام ہے اُسے یا تو اپنے دماغ کا علاج کرانا چاہیئے۔ اور یا کوئی ایسا قرآن ڈھونڈنا چاہیئے جو غلاموں کو بھی مسلمان سمجھتا ہو۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا۔

یہ آیات اس عظیم الشان وعدے کا متن ہیں۔ جو اللہ اور پیروانِ اسلام میں ہوا تھا۔ اللہ کا منشا یہ تھا کہ دُنیا میں ایک ایسی جماعت قائم کی جائے۔ جو صرف اللہ کی عبادت یعنی غلامی کرے۔ جو ہندو اور انگریز کی غلام نہ ہو۔ پیٹ کی پجاری نہ ہو۔ جذبات سفلی کی دہلیز پر سر جھکانے والی نہ ہو۔ بلکہ صرف اللہ کی غلام اور اللہ کی مطیع ہو۔ جب یہ کام رسول کریمؐ کے سپرد کیا گیا۔ تو رسول نے کہا۔ کہ اللہ کے غلام تو صرف اسی صورت میں پیدا کئے

جا سکتے ہیں۔ کہ قیاصرہ و اکاسرہ کی آفاقی کا طلسم توڑ دیا جائے۔ اور آسمانی بادشاہت کے لیے زمین ہموار کی جائے۔ ؎

گفتند جہانِ ما آیا بہ تو می سازد
گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن (اقبالؒ)

اللہ نے کہا کہ ہم تمہاری خواہش کو پورا کریں گے۔ چنانچہ مسلمانوں سے تین وعدے کئے گئے۔ اور ایک لیا گیا۔ وہ تین وعدے یہ تھے:۔

اوّل:۔ کہ ہم تمہیں آفاقی و سلطنت عطا کریں گے۔

دوم:۔ تمہیں موقعہ دیں گے۔ کہ تم اللہ کے پسندیدہ قانون (شریعت نبیؐ) کو اپنے قلمرو میں نافذ کر سکو۔

سوم:۔ اور ہم تمہیں خوف و بیم کے بعد امن کی نعمت عطا کریں گے۔

اس کے بدلے میں مسلمانوں سے جو وعدہ لیا گیا وہ یہ تھا۔

یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا

کہ مسلمان صرف اللہ کی غلامی کرے گا۔ وہ کسی سرمایہ دار، کسی پیر، کسی ڈپٹی کمشنر یا تھانیدار کو اللہ کا شریک نہیں بنائے گا۔

اللہ کا لاکھ شکر ہے۔ کہ اس نے مدت کے بعد ہمیں قائدِ اعظم جیسا اولوالعزم، بلند ہمت اور انقلابی رہبر عطا کیا۔ قائدِ اعظم نے مسلمانوں کی تباہ شدہ، منتشر اور شکست خوردہ قوم کے منجمد سینوں میں ایمان کی حرارت پیدا کی۔ بکھرے ہوئے قطرات مل کر ندی بنے، ندیاں دریا اور دریا دھاڑتے ہوئے سمندروں میں تبدیل ہو گئے۔ ہم جس زندان میں صدیوں سے مقید

تھے۔ اس کی بنیادیں تک آب بُرد ہو گئیں۔ اور آج ہم آزاد ہیں۔ آزاد چمن کی فضاؤں میں ایک جھومتے ہوئے سرو اور وسیع مرغزار العلیں میں کلیلیں کرتے ہوئے ہرنوں کی طرح آزاد۔ ؎

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں (اقبالؔ)

سلطنت تو مل گئی۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ امن کیسے پیدا ہو۔ اس وقت ہمیں سکھ اور ہندو دھمکا رہے ہیں۔ گذشتہ نو دس ماہ سے کشمیر میں ہم ہندو اور سکھ لٹیروں کی یلغار کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تقسیم ہند کے وقت انگریز نے ہم سے شدید بے انصافی کی۔ جس سے ہم کمزور رہ گئے ہماری کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر تارا سنگھ بھی ہمیں آئے دن دھمکاتا رہتا ہے۔ بدیگر الفاظ ہمیں امن و سلام قطعاً میسر نہیں۔ اس لیئے کہ امن نتیجہ ہے طاقت کا، جس سے ہم محروم ہیں۔ ؎

غنچہ باشی کودکانت بر کنند
دانہ باشی مرغکانت بر چنند (رومیؔ)

آج طاقت نام ہے کوئلے۔ فولاد۔ پیٹرول۔ عناصر اور تسخیر عناصر کے علم یعنی سائنس کا۔ سلطان ابن سعود چھ لاکھ مربع میل زمین کا مالک ہے۔ لیکن طاقتور اقوام کے مقابلہ میں وہ دو گھنٹے بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ اس کے پاس پیٹرول، سونے اور کوئلے کی کانیں موجود ہیں۔ لیکن جہالت کی وجہ سے نہ انہیں نکال سکتا ہے۔ اور نہ ان کے استعمال سے آگاہ ہے۔ نتیجۃً نہ اس کے پاس

ٹینک ہیں نہ توپیں۔ نہ جہاز نہ طیارے۔ انصافاً کہئیے کہ ایسے کمزور فرمانرواؤں کو زندہ رہنے کا کیا حق حاصل ہے۔ اگر وہ جی رہا ہے۔ تو محض اسلئے کہ کوئی قوم عرب کی کروڑوں تن دہیت پہ قابض نہیں ہونا چاہتی۔

مطالعۂ کائنات و تسخیر کائنات ہی سے اصل طاقت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں اس مضمون پر ۷۵۶ آیات موجود ہیں[1]۔

بعض کوتہ بین حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو تسخیر کائنات کی تعلیم دینا گویا مادہ پرستی سکھاتا ہے۔ انہیں کون سمجھائے۔ کہ انسان خود مادی۔ یہ ساری کائنات مادی۔ اس مادی دُنیا میں رہ کر مادہ اور خواص مادہ یعنی علم الاشیاء سے بے تعلق رہنا اپنی موت خریدنا ہے مسلمانوں کو کائنات سے منحرف کرنا۔ گویا اس کے دین اور دُنیا۔ اس کے تمدن اور سیاست سب کا جنازہ نکالنا ہے۔ ہر زمانہ میں ہمارے دشمنوں نے ہمارے کم ظرف۔ کم نگاہ و کم سواد مُلا کو خرید کر اُس سے ترک دُنیا اور روحانیت کے وعظ کرائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ماموں کے معابعد جو کائنات سے بھاگا۔ تو پھر اس منبع قوت و ماخذ ہیبت کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ ہر مسجد میں مولوی نے کائنات کے خلاف وعظ کہے۔ سائنس کو کفر بتایا۔ اور مطالعۂ کائنات کو فرنگیت قرار دیا۔ چنانچہ مسلمان اسرار کائنات سے لاکھوں فرسنگ دُور رہ گیا۔ دشمن خوش

---

[1] تفصیل دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو میری کتاب " دو قرآن " (کتاب منزل کشمیری بازار لاہور)

تھا۔ کہ مسلمان کی بصیرت و بصارت مردہ و مسخ ہو چکے ہیں۔ وہ ضعف کو قوت اور موت کو زندگی سمجھتا ہے۔ وہ اوراد و وظائف کی شراب دو آتشہ پی کر مخمور ہے۔ وہ نشۂ شقاعت و توکل میں چور ہے۔ وہ راہِ منزل گم کر چکا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو سب سے بڑا راہ نما یا خضر اور راست رو سمجھتا ہے۔ اس غلط اندیشی، غلط کاری و غلط انگاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہالت سے ہماری دنیا تاریک ہو گئی۔ نگاہ تاریک، سینے تاریک، تصورات تاریک، مقدمات غلط، نتائج غلط۔ ع

نحو غلط، انشاد غلط، املا غلط

میں ان شریعت کا شور مچانے والے علماء سے پوچھتا کہ کیا قرآن شریف میں ۷۵۶ آیات تسخیر کائنات کے متعلق موجود نہیں۔ اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو کیا تسخیر کائنات کے وسائل اختیار کرنا ہم پر فرض نہیں؟ اگر ہیں تو علماء بتائیں کہ انہوں نے آج تک اس سلسلے میں کیا کیا۔ کبھی اس مضمون پہ زندگی بھر میں ایک وعظ بھی کہا؟ کوئی ایک فقرہ بھی لکھا؟ کار پردازان پاکستان کو ایک مرتبہ بھی اس طرف متوجہ کیا؟ اگر نہیں کیا اور یقیناً نہیں کیا۔ تو تم سب کتمانِ حق کے مجرم ہو۔ قرآن شریف میں نکاح و طلاق اور صوم و صلوٰۃ پر صرف ۱۲۰ آیات ہیں۔ اور تسخیر کائنات پر ۷۵۶۔ کہو کونسا پہلو زیادہ اہم ہوا۔ اتنے بڑے پہلو سے اغماض اور اعراض کر کے چند جزئیات کو شریعت سمجھنا اور سلطنت میں بچھڑ بکھیر کر اسلامی صفوں میں انتشار پیدا کرنا ایک مولوی ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

سلطنت کو نیئے سال نہیں ہوا۔ لیکن علماء کی ایک خاص جماعت تخریب میں مصروف ہو گئی ہے۔ اگر یہ فتنہ کار علماء اپنی حرکات سے باز نہ آئے، تو ہم قوم کو یہ بتانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کہ ہمارے نام نہاد علماء نے کتنے ہزار مرتبہ کتنے بڑے بڑے محشر اُٹھائے۔ اسلامی سلطنت کو کتنی دفعہ تباہ کیا۔ اور اب کی مرتبہ ان کے ارادے کیا ہیں؟

علماء میں نیک نیت بھی ہیں۔ جو پاکستان کی تعمیر میں خاموشی سے مصروف ہیں۔ لیکن ایک خاص تعداد ایسے مُلّاؤں کی ہے۔ جو یا تو جہل مرکب کا شکار ہیں یا بدنیت ہیں۔ اور یا خود غرض ہیں۔ کوئی خود وزارت سے مایوس ہوا کسی کو معزول شدہ وزیر نے خرید لیا۔ کسی کے پاس عبداللہ کشمیری کی تھیلیاں پہنچ گئیں۔ کوئی کانگرس کا وظیفہ خوار بن کر شریعت گروپ میں شامل ہو گیا۔ اور یہ سب لگے پاکستان کی جڑوں پر کلہاڑا چلانے۔

شریعت شریعت پکارنے والوں میں ایک صاحب ایسے بھی ہیں جو ہمیشہ پاکستان کے خلاف کام کرتے رہے۔ جنہوں نے پچھلے دنوں جہاد کشمیر کو فساد قرار دیا تھا۔ آج جب پاکستان ایک حقیقت ثابتہ بن چکا ہے۔ تو وہ خدائی شریعت کا لبادہ اوڑھ کر پاکستان کو کمزور کرتے پھرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مسلمان ان کے عزائم سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ اور وہ اس ہمرنگ زمین دام میں کبھی نہیں پھنسیں گے۔ ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ امن نتیجہ ہے طاقت کا۔ طاقت کا سرچشمہ یا تو ایک پاکیزہ دل ہے اور یا ایک فلک سیر نگاہ۔ ایسا دل جس سے نیکی کے چشمے اُبلیں اور ایسی نگاہ جو قطرے میں دجلہ اور پتّی میں چمن کا نظارہ دیکھ سکے۔ ۵

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جُزو میں کل
کھیل بچوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا (غالب)

آج پاکستان میں کئی جگہ تجربہ گاہیں، اور تجزیہ گاہیں کھول دی گئی ہیں۔ جہاں ہر کنکر اور ہر پتّی کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ کہ شاید قدرت کا کوئی نیا راز کھُل جائے۔ یا طاقت کا کوئی اور نسخہ ہاتھ آجائے۔ قائد اعظم نے نباتات، جمادات، حیوانات، طبقات الارض، آب شناسی، اور دیگر اصناف علوم کے کئی سو ماہرین مزید بصیرت حاصل کرنے کے لئے ممالک غربیہ میں بھیج دیئے ہیں۔ تسخیر عناصر کا یہ بے پناہ جذبہ اور حصولِ طاقت کے لئے یہ بے پایاں اضطراب کیا کسی اجر کا مستحق نہیں۔ کیا یہ قرآن کی ۵۶، طبیعی آیات کی تعمیل نہیں۔ اگر شریعت نام ہے تعلیم قرآن کا۔ تو پھر پاکستان کی ان مساعی کو خلاف شریعت یا خارج از شریعت سمجھنا ایک مُلّا کے مفلوج دماغ ہی کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔

مولوی کے نزدیک ضیافت کے لئے ہاتھ دھونا مذہب۔ پورا مُرغ پیٹ میں بھر کر ڈکار لینا اور ساتھ ہی الحمدللہ پڑھنا مذہب۔ نکاح و ختنہ مذہب، داڑھی بڑھانا مذہب، فطرانہ و اسقاط وصول کرنا مذہب،

لیکن اگر مذہب نہیں تو قوت و ہیبت کے اسرار تلاش کرنا، پہاڑوں کا دل چیر کر زغال و فولاد باہر نکالنا اور برق و باد کے رخشِ سرکش کو لگام دے کر نیلگوں فضاؤں پہ حکومت کرنا۔ یعنی مُلّا یہ چاہتا ہے کہ آپ کی دوڑ صرف مسجد تک ہو، آپ کے تمام معاملات، اعتقادات، اطلاعات اور سیاسیات کا ماخذ مُلّا ہو۔ آپ پڑھیں تو صرف منیہ و قدوری سُنیں تو صرف نُور نامہ و درود لکھی کا شور۔ اور دیکھیں تو صرف قاصدِ ضیافت کی راہ، اور اگر کسی وقت کوئی دشمن پاکستان پر حملہ آور ہو جائے۔ تو آپ حجروں اور خانقاہوں میں گھس کر "رَبَّنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ" کی لمبی لمبی دعائیں مانگیں۔

خیز و وا کن دیدۂ مخمور را — دوں مخواں ایں عالمِ مجبور را
کوہ و صحرا دشت و دریا بحر و بر — تختۂ تعلیمِ اربابِ نظر
ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد — عالمے از ذرۂ تعمیر کرد
غایتش توسیعِ ذاتِ مسلم است — امتحانِ ممکناتِ مسلم است (اقبالؒ)

تسخیرِ کائنات کے بعد ہی وہ قوت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا ذکر آیۂ ذیل میں کیا گیا ہے:-

وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

تم وہ ہیبت اور طاقت حاصل کرو اور تمہارے اصطبلوں میں گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوں کہ تمہارے دشمن تمہارا نام سُن کر غش کھا جائیں۔

یہ قوت اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ جب ہماری افواجِ قاہرہ ہزارہا طیاروں کے سائے میں لاتعداد ٹینکوں اور ہلاکت بار توپوں کی معیت میں باہر نکلیں تو دھرتی کا سینہ خوف سے دھڑکنے لگے۔ اور ارض و سما سے الامان والحفیظ کی صدائیں بلند ہوں۔ ؎

چہ خوش است زندگی را ہمہ سوز و ساز کردن
دل کوہ و دشت و صحرا بہ دمے گداز کردن
بہ گدازہائے پنہاں بہ نیازہائے پیدا
نظرے ادا شناسے بہ حریم ناز کردن (اقبال)

سب سے بڑا اعتراض:- بعض علماء یہ کہتے پھرتے ہیں کہ قائدِ اعظم داڑھی نہیں رکھتے تھے۔ اُن کی ہیئت غیر اسلامی تھی۔ اسلئے وہ پاکستان کے حاکم اعلیٰ نہیں ہونا چاہیئے تھے۔ اس موضوع پر ایک مولوی صاحب سے جو دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ گفتگو کرنے کا موقعہ ملا۔ یہ گفتگو درج ذیل کی جاتی ہے:-

برق:- کیا آپ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن ہر لحاظ سے ایک مکمل ضابطہ ہے؟

مولوی صاحب:- اس میں کیا کلام ہے!

برق:- اگر کوئی شخص مذہب کا کوئی ایسا اصول وضع کرے جس کا ذکر قرآن میں موجود نہ ہو۔ اور ہمیں اس کی پابندی کی تعلیم دے۔ تو آپ ایسے شخص کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟

م:- ایسا شخص بدعتی ہے اور وہ قرآن اور صاحبِ قرآن کی توہین کرتا ہے

کوئی سچا مسلمان تعلیماتِ قرآنیہ پر کسی اضافہ کے تصورات تک برداشت نہیں کرسکتا۔

ب۔ بالکل بجا۔ تو پھر جناب کی اُن علماء کے متعلق کیا رائے ہے۔ جو ڈاڑھی کو اسلام کا سب سے بڑا اصول کہتے ہیں۔ اور بے دلیل طور پر ہر جگہ برستے پھرتے ہیں۔

م۔ لیکن ڈاڑھی کے متعلق تو قرآن میں صاف ہدایت موجود ہے۔

ب۔ وہ کہاں ؟

م۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ یعنی تم اللہ اور رسول اور اپنے حاکم کی تابعداری کرو۔ چونکہ رسولِ کریمؐ نے ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی۔ اس لئے اس آیت کے مطابق ڈاڑھی رکھنا ضروری ہے۔

ب۔ رسول کریم نے سر کے بال بھی رکھے ہوئے تھے۔ سر کے بال کیوں سنت نہیں اور یہ امتیاز صرف ڈاڑھی کو کیوں حاصل ہوا ہے ؟

م۔ آپ سُنّت کی توہین کررہے ہیں !

ب۔ رسول کریمؐ ہمیشہ کھدر کا کرتہ زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ لیکن آپ نے قیمتی غبیان پر ململ کا نفیس کرتہ پہن رکھا ہے۔ ڈاڑھی تو اس لئے سنت ہوگئی کہ رسول اللہ نے رکھی ہوئی تھی۔ لیکن کھدر کا کرتہ کیوں سنت نہیں ؟

م۔ تو پھر اطیعوا الرسول کی تشریح آپ ہی کردیں۔

پ ۔ رسول کریم کی دو حیثیتیں تھیں ۔ وہ پیمبر بھی تھے ۔ اور بشر بھی بحیثیت پیمبر ہم پر ان کی اطاعت فرض ہے ۔ ہم ان تمام احکام پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہیں ۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضور کی معرفت ہم تک پہنچائے تھے ۔ اور جن کا مفصل ذکر قرآن کریم میں موجود ہے ۔ لیکن بشری رجحانات میں ہمیں آزادی حاصل ہے کہ چاہیں تو کھانے، پینے، بیٹھنے اور اوڑھنے میں ان چیزوں کو پسند کریں جو حضور کو میسر تھیں، یا کائنات کے اس وسیع نگارخانے میں سے اپنا انتخاب آپ کریں. بشرطیکہ یہ انتخاب ہر لحاظ سے جائز ہو ۔ چونکہ ڈاڑھی حضور کا ایک ذاتی و شخصی رجحان ہے ۔ جس پر کوئی ہدایت موجود نہیں ۔ اس لئے مسلمان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو رکھے اور چاہے تو نہ رکھے ۔

م ۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ ۔ یہ کیسے ممکن ہے ۔ کہ کوئی کام رسول اللہ صلعم نے کیا ہو ۔ اور وہ ہم پر فرض نہ ہو ۔ کیا رسول مجسّم قرآن نہیں تھے؟

پ ۔ ابھی میں عرض کر چکا ہوں ۔ کہ رسول اللہ عمر بھر کھدر کا کرتہ پہنتے رہے اور آپ تسلیم کرتے ہیں کہ کھدر پہننا فرض نہیں ۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضور کی ازواجِ مطہرات کی تعداد گیارہ تھی ۔ لیکن آپ کو ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت صرف اسی صورت میں مل سکتی ہے ۔ کہ آپ دونوں سے برابر برابر سلوک کر سکیں ۔ آپ جانتے ہیں کہ حضور زندگی بھر عربی میں گفتگو کرتے رہے ۔ اور آپ پنجابی بولتے ہیں ۔ اگر رسول اکرم کا ہر عمل تفسیر قرآن ہے تو پھر گیارہ شادیوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

آپ مانتے ہیں کہ سورۂ عبس میں آنحضرتؐ کو اس فروگذاشت پہ ڈانٹا گیا تھا۔ کہ آپ ایک اندھے کی طرف پوری طرح متوجہ نہ ہو سکے تھے اسی طرح سورۂ مزمّل میں آپ کو شب بھر کی عبادت سے روکا گیا تھا۔ تو ثابت ہوا کہ حضورؐ کا ہر بشری فعل قرآن کی تفسیر نہیں۔ قرآن روحانی، اخلاقی و سیاسی ضوابط کا مجموعہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کا کہ آج دال کھائی جائے یا ساگ۔ سر پہ جناح ٹوپی پہنی جائے یا افغان کیپ۔ کرتہ لمبا ہو یا چھوٹا۔ سر کے بال لمبے رکھے جائیں یا چھوٹے۔ ڈاڑھی رکھی جائے یا نہ۔ ضوابطِ حیات سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

م۔ گو قرآن میں ڈاڑھی پر کوئی آیت موجود نہیں۔ لیکن اطیعوا الرسول کے ضمن میں یہ چیز آ جاتی ہے!

ب۔ ہر الہامی کتاب کا انداز یہ ہے کہ وہ تمام اوامر و نواہی سے مفصّل بحث کرتی ہے۔ اور پھر حکم دیتی ہے کہ ان تمام احکام کے سلسلے میں پیغمبر کی پیروی کرو۔ یعنی ہم ایک پیغمبر کی اطاعت صرف اُن احکام کی حد تک کریں گے۔ جن کا ذکر الہامی کتاب میں موجود ہے۔ باقی امور میں ہم آزاد ہیں۔ قرآن حکیم میں تمام فرائض کا ذکر اسی لئے کیا گیا ہے تاکہ اُمت کو معلوم ہو جائے کہ رسول کی اطاعت کن امور میں کرنی ہے۔ بہ دیگر الفاظ تفصیل فرائض مقدم ہے۔ اور اطاعت رسول مؤخّر۔ اگر قرآن نے ڈاڑھی کو اصول مذہب قرار نہیں دیا۔ تو علماء کو

کیا حق ہے کہ وہ ایک نئی چیز ہم پر ٹھونس کر ذہن قرآن کے مرتکب ہوں جس قرآن میں گفتگو کرنے، زمین پر چلنے، گھروں پر صدا دینے اور مجلس نبی میں بیٹھنے تک کے آداب درج ہیں۔ اس میں ڈاڑھی کا ذکر نہ آنا ہی ثابت کرتا ہے۔ کہ یہ چیز جزوِ مذہب نہیں۔ یا تو کہیئے۔ کہ قرآن نامکمل ہے جس میں ڈاڑھی جیسی ضروری چیز کے متعلق کوئی ہدایت موجود نہیں۔ اور یا آپ غلطی پر ہیں۔ کہ حضور کے بعد کے محض ایک ذاتی رجحان کو جزوِ مذہب بنا رہے ہیں۔

م۔ تو آپ کے خیال میں ڈاڑھی خلافِ اسلام ہے ؟

ب۔ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ جزوِ اسلام نہیں۔ خلافِ اسلام ہونے اور جزوِ اسلام ہونے میں بڑا فرق ہے۔ میز پر بیٹھ کر لکھنا۔ بوٹ پہننا۔ شام کو سیر کرنا یا دن میں تین مرتبہ غسل کرنا جزوِ اسلام نہیں۔ لیکن خلافِ اسلام بھی تو نہیں۔ یہی حال ڈاڑھی کا ہے۔ بڑے بڑے شرفاء ڈاڑھی رکھتے رہے۔ اور ان لوگوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جو شریف بھی تھے اور بے ریش بھی۔ مثلاً کمال اتاترک۔ رضا شاہ پہلوی۔ قائدِ اعظم۔ عصمت انونو۔ امان اللہ خان۔ شہنشاہ اکبر۔ جہانگیر وغیرہ یعنی ڈاڑھی رکھنا نہ جزوِ اسلام ہے اور نہ خلافِ اسلام۔ یہ محض ذاتی رجحان کا قصہ ہے اور بس۔

م۔ ہاں یاد آ گیا۔ رسول کریم نے اُمت کو حکم دیا تھا کہ ڈاڑھی رکھو۔

ب۔ کہاں ؟

م۔ حدیث میں۔

ل

ب ۱۔ کیا حدیث جیسی ظنی چیز پر بھی بنائے اسلام رکھی جا سکتی ہے؟ جہاں ہر سو احادیث میں سے ننانوے وضعی ہیں۔ امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث میں سے صرف ۲۷۷۵ انتخاب کیں۔ اور باقی کو جھوٹا قرار دیا۔ حضرت امام ابن حنبل کے عہد میں احادیث کی تعداد ۱۲ لاکھ سے متجاوز ہو گئی تھی۔ یحییٰ بن معین کے متعلق مشہور ہے کہ ۱۲ لاکھ احادیث جانتے تھے۔ امام ذہبی نے "تذکرہ الحفاظ" میں لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ نے مجمع عام میں فرمایا تھا:۔

"تم آج احادیث کے متعلق اختلاف رکھتے ہو۔ آئندہ نسلوں میں یہ اختلاف بڑھ جائے گا۔ لہٰذا آنحضرت صلعم سے کوئی حدیث روایت نہ کرو۔ بلکہ اگر کوئی پوچھے تو کہہ دو کہ ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ جو چیز قرآن نے جائز قرار دی ہے اُسے جائز سمجھو۔ اور جو چیز ناجائز بتائے اُسے ناجائز۔"

"توجیہہ" میں درج ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود ابو الدرداء اور ابوذر جیسے جلیل القدر صحابہ کو زیادہ احادیث بیان کرنے کے جرم میں نظربند کر دیا۔ "تذکرہ الموضوعات" مصنفہ محمد طاہر میں درج ہے کہ ابن عکاشہ اور محمد تمیم فاریابی نے دس ہزار احادیث وضع کیں۔ ملّا قاری اپنی مشہور تصنیف "موضوعات کبیر" میں لکھتے ہیں کہ حبیب ابن ابی العوجاء زندیق گرفتار ہوا۔ تو اُس نے چار ہزار احادیث وضع کرنے کا اعتراف

کیا۔ اور ساتھ ہی کہا کہ میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال بناتا رہا۔ محمد بن عبد اللہ موصلی۔ نوح ابن مریم اور سینکڑوں دیگر جعل کاروں کے نام ہمارے ہاں محفوظ ہیں۔ جنہوں نے لاکھوں احادیث گھڑ کر اس چشمۂ مصفا کو مکدر بنا ڈالا۔ حدیث کی اس مخدوش حالت کو دیکھ کر امام سفیان بن عیینہ (وفات ۱۹۸ھ) فرمایا کرتے تھے۔

"کاش علم حدیث میرے سر پر شیشوں کا ایک ٹوکرا ہوتا جو گر کر چور چور ہو جاتا"

ایک مرتبہ فرمایا۔

"اللہ میرے دشمن کو محدث بنا دے"

بکر بن حماد تیسری صدی ہجری کے مشہور شاعر اور محدث تھے۔ اُن کا قول ہے:۔

"رسول اللہ کی وفات کے بعد ہر نیکی گھٹ رہی ہے
لیکن حدیث بڑھ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ
حدیث کوئی اچھی چیز نہیں"

امام ذہبی فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ابو بکر صدیق نے ایسی ۵۰۰ احادیث کا مجموعہ تیار کیا تھا۔ جو انہوں نے حضورؐ کی زبانِ مبارک سے سُنی تھیں۔ اُن کا ارادہ یہ تھا۔ کہ اس مجموعہ کی اشاعت کی جائے۔ لیکن جب انہیں اس حدیث کا علم ہوا۔

لاتکتبوا عنی شیئاً غیر القرآن (مسلم) (مجھ سے قرآن کے

سوا کوئی اور چیز مت لکھو) تو آپ نے وہ مجموعہ جلا دیا۔

طبقات ابن سعد (ج ۵ - ص ۱۴۰) میں درج ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ کو حکم دیا۔ کہ جس کسی کے پاس کوئی حدیث لکھی ہوئی موجود ہو۔ وہ لے آئے۔ چنانچہ احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ اور آپ نے اپنے سامنے سب کو سپرد آتش کر دیا۔

تو جس حدیث کی یہ حالت ہو اُس پر اعتماد کر کے ڈاڑھی کو اصول اسلام بنانا اور قائد اعظم تک کی ذات تک کو نہ چھوڑنا۔ مُلّا پن نہیں تو اور کیا ہے؟

م۔ اگر حدیث کو غلط یا مشتبہ قرار دیں۔ تو آپ ایک قدم نہیں چل سکیں گے۔ مثلاً نماز ہی کو لیجیئے۔ اس کی تفصیل قرآن میں موجود نہیں حدیث کو آپ مانتے نہیں۔ تو نماز کیسے ادا کریں گے۔ اسی طرح زکواۃ کی تفصیل بھی حدیث ہی میں دی ہوئی ہے۔

پ۔ یعنی آپ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ایک ایسی ناقص کتاب ہے کہ اگر حدیث موجود نہ ہو۔ تو یہ ہمارے لئے بیکار محض ہے۔

م۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ نماز کی تفصیل کہاں سے حاصل کرینگے؟

پ۔ نماز و زکواۃ کا حکم قرآن میں موجود ہے۔ حدیث نے ان کی تعبیر یا تشریح[۱]

---

[۱] حدیث نے نماز کی بیسیوں صورتیں پیش کی ہیں تفصیل کیلئے میری کتاب "دو اسلام" ملاحظہ فرمایئے اگر آج دُنیائے اسلام میں نماز کی صرف ایک صورت باقی ہے۔ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمیں حدیث بھول چکی ہے۔ اور ہم نماز کا طریقہ نسلاً بعد نسل اپنے اسلاف سے سیکھ رہے ہیں۔ برق۔

کردی۔ اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ آخر اتنے بڑے ذخیرے میں چند صحیح احادیث بھی تو موجود ہوں گی۔ لیکن ہم حدیث کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ مذہب میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرتی پھرے۔ جس کا ذکر قرآن میں موجود نہیں۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم قرآن میں موجود ہے۔ حدیث نے صرف اس کی تشریح کی ہے۔ لیکن ڈاڑھی کے متعلق کوئی ہدایت قرآن میں نہیں ملتی۔ اس لئے ہم ایسی حدیث پر توجہ دینے کے لئے تیار نہیں۔ جس کی صحت مخدوش ہو۔ اور جس کی تعمیل اسلام جیسے فطری و عقلی مذہب کو مضحکہ خیز بنا سکتی ہو۔ مذہب پاکیزگی دل و دماغ اور بلند سیاست کا ایک مکمل دستور العمل ہے۔ بالوں سے بھلا اس کا کیا تعلق ہے؟ دُنیا میں صرف ایک ہی ایسا "مصلح" آیا۔ جس نے بالوں کو مذہب کا حصّہ بنا ڈالا۔ اور وہ تھا گورو گوبند سنگھ۔ جس کی اُمّت آج اپنے مہیب کیسوں اور خوفناک ڈاڑھیوں کی وجہ سے سارے جہاں کا مضحکہ بنی ہوئی ہے۔ کیا آپ ربّ الکعبہ کو بھی انسانی خط و زلف کا شیدائی سمجھتے ہیں۔ کہ بالوں کو اصولِ مذہب بنا کر فلسفیانِ عالم کی تنقید کا ہدف بنتا۔

تعالیٰ شانہ عما یقولون	اللہ کی شان ان چیزوں سے بلند ہے

یاد رکھیئے کہ اللہ مُلا نہیں ہے۔ کہ صبح و شام ڈاڑھی پر واعظ کہتا پھرے۔ قرآن میں ۶۶۶۶ آیات ہیں۔ لیکن ڈاڑھی کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ ہمارے پاس تورات۔ انجیل۔ زبور۔ کتاب سلیمان۔ کتاب دانیال

اور ساٹھ دیگر انبیاء کے صحائف موجود ہیں۔ لیکن ڈاڑھی پر ایک چھوٹی سی ہدایت بھی موجود نہیں۔ رسول کریم اور خلفائے راشدین کے سینکڑوں خطبے، صفحاتِ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ لیکن ڈاڑھی کے ذکر سے خالی آنحضرتؐ تریسٹھ برس زندہ رہے اور تئیس برس بحیثیت رسول۔ اگر ڈاڑھی اتنی ہی ضروری چیز ہوتی۔ تو آپ لوگوں کو بار بار ہدایت فرماتے۔ اور ہزار ہا صحابہ ایسی احادیث کے راوی ہوتے۔ لیکن پندرہ لاکھ احادیث میں ڈاڑھی پر صرف ایک جملہ ملتا ہے۔ اور وہ بھی خبرِ واحد۔ اس لئے ہر لحاظ سے ضعیف۔ ان حالات میں ہم ڈاڑھی کو فرض یا سنّت تصور کریں تو کیونکر؟

حدیث ایک قیمتی تاریخی ذخیرہ ہے جس میں ہمیں عہدِ رسول کے مکمل واقعات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن تاریخ آخر تاریخ ہے۔ اس میں غلط واقعات بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ اور ہمارے پاس زبردست شہادتیں موجود ہیں۔ کہ حدیث میں بے اندازہ تحریف ہوئی۔ ان حالات میں ہم صرف ایسی احادیث پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ جو قرآن سے متصادم نہ ہوتی ہوں۔ اور جو اللہ کے بیان کردہ دستور العمل میں کوئی اضافہ تجویز نہ کرتی ہوں۔

حدیث میں درج ہے۔ کہ حضورؐ نے آخری بیماری میں ایک دن فرمایا۔

"لاؤ قلم دوات، میں تمہارے لئے ایک ایسی تحریر چھوڑ جاؤں۔ کہ تمہاری گمراہی کا کوئی احتمال باقی نہ رہے"

حضرت عمرؓ بھی پاس موجود تھے۔ فرمانے لگے قلم دوات لانے کی

ضرورت نہیں۔

حسبنا کتاب اللہ (مشکوٰۃ شریف) | ہمیں اللہ کی کتاب یعنی قرآن کافی ہے۔

اگر حضرت عمرؓ رسول کریم کے حضور میں یہ جسارت کر سکتے تھے۔ تو ہم بھی علماء سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ جاؤ اپنا کام کرو۔ حسبنا کتاب اللہ۔ ہمیں ہدایت کے لئے کتاب الٰہی کافی ہے۔

---

(۷)

اسلامی گداگروں سے ملاقاتیں

یہ بھکمنگے بیکار اور کاہل مُلّاں۔ مکر و فریب کے پیکر، دا عتما نام نہاد، انجمنوں کے مہتمم اور شکست الوجود ننگِ اسلاف ہماری قوم کے جسم پر رِستے ہوئے ناسور ہیں۔ ان کی سرگرمیاں اور وجود ہمارے لئے شرم و ندامت کا باعث ہیں۔

کیا یہ ہماری ترقی کیلئے سنگِ راہ نہیں ہیں؟

(۱)

چند روز کا ذکر ہے کہ میں اپنے مطالعہ گاہ میں کوئی علمی کام کر رہا تھا۔ کہ کسی نے دستک دی۔ میں باہر آیا تو ایک گداگر گڑگڑا گڑگڑا کر کہہ رہا تھا۔ "بابوجی مجھے خدا کے نام پر کچھ دو۔" یوں تو یہ فقرہ ہزار مرتبہ پہلے بھی سن چکا تھا، لیکن اس مرتبہ خیالات میں عجیب طرح کا ہیجان پیدا ہوا۔ میں نے سائل کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اُس نے غلیظ چیتھڑے پہن رکھے تھے۔ سر کے بال خاک سے اَٹے ہوئے تھے۔ بدن پر انچ انچ بھر میل کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ منہ سے تعفن کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں۔ دانت کرم خوردہ اور گندے۔ آنکھیں سیلی، تر اور بیمار۔ ہاتھ پاؤں کھردرے اور بھدے یعنی غلاظت کا وہ ایک چلتا پھرتا مجسمہ تھا۔ خدا کا نام اس کے منہ سے سن کر مجھے طیش آگیا۔ کہ یہ ننگِ انسانیت، یہ پیکرِ تعفن، اور یہ تودۂ لعنت اللہ کے نام پہ کیوں مانگ رہا ہے۔ اگر اسے دو چار پیسے درکار ہیں تو پیٹ کے نام پہ مانگ لے۔ یہ خدا کو بیچ میں لانے کا کیا مطلب؟ چنانچہ میں نے کڑک کر پوچھا۔

کیا تم خدا کے ایجنٹ ہو؟ رشتہ دار ہو؟ یا نائب ہو؟ کہ اللہ کے نام پر بھیک مانگ رہے ہو؟ اللہ کی تعزیرات میں سب سے بڑا جرم کاہلی ہے جس کی سزا مکمل تباہی ہے۔ یہی وہ جرم ہے جس نے مسلمانوں کو تختِ سلطنت سے اُٹھا کر

فرش پر دے مارا تھا۔ یہی وہ گناہ ہے۔ جس نے کیانیوں، ساسانیوں اور دیگر بے شمار مہیب اقوام کو مٹا دیا۔ اور یہی وہ خوفناک بیماری ہے۔ جس کی سزا تم بھگت رہے ہو۔ بدیگر الفاظ تم اللہ کی قلمرو میں سب سے بڑے مجرم ہو۔ قدم قدم پر اللہ کے قوانین توڑتا اور پھر اسی کے نام پر بھیک مانگتا؟ یعنی چہ؟ دور ہو جاؤ اور چلے جاؤ یہاں سے، ورنہ .....

سائل چلا گیا، اور میں اب تک سوچ رہا ہوں کہ جو کچھ میں نے کیا، وہ غلط تھا یا صحیح؟

(۲)

میں۔ آپ کی تعریف؟

نو وارد۔ میں فلاں یتیم خانے کا مہتمم ہوں۔

م۔ ارشاد؟

ن۔ یتیم خانے کے لئے حسب توفیق کچھ عنایت کیجئے!

م۔ یہ یتیم خانہ کھولنے سے آپ کا مقصد کیا تھا؟

ن۔ یتیموں کی تعلیم و تربیت!

م۔ کل نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد کے سامنے چند ایک یتیم بچے چندہ مانگ رہے تھے۔ کیا وہ آپ کے یتیم خانے سے تعلق رکھتے ہیں؟

ن۔ جی ہاں!

م۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ گداگری ذلت کی آخری منزل ہے؟

ن۔ لیکن ہمیں مجبوراً یہ کرنا پڑتا ہے۔

م۔ گداگری، مجبوری اور ذلت دونوں کی انتہا ہے۔ تربیت کا نمونہ تو میں نے کل دیکھ لیا تھا۔ اب ذرا یہ فرمائیے۔ کہ آپ انہیں تعلیم کس قسم کی دیتے ہیں؟

ن۔ ہم انہیں قرآن شریف پڑھاتے ہیں!

م۔ وہ کس لئے؟

ن۔ تاکہ ان کی دنیا و عاقبت دونوں سنور جائیں۔

م۔ دنیا سنوارنے کے لئے تو آپ ان سے گداگری کراتے ہیں۔ باقی رہی عاقبت، تو اس کے لئے آپ کا لائحہ عمل کیا ہے!

ن۔ یہ یتیم بچے نہایت باقاعدگی سے نماز پڑھتے اور قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں۔

م۔ مہتمم صاحب! قرآن حکیم جہانگیری و جہانبانی کے گر سکھاتا ہے، اور نماز اطاعت امیر، ضبط، تنظیم اور صف آرائی کی مشق ہے۔ آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ آپ یتیم بچوں کو قرآن شریف پڑھاتے یعنی فرمانروائی کے گر سکھاتے ہیں لیکن کام ان سے گداگری کا لیتے ہیں۔ یعنی انہیں بلند ترین تعلیم دے کر پست ترین زندگی بسر کرنے کیلئے تیار کرتے ہیں؟

ن۔ سب یتیم خانوں میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اور قوم پھر بھی ان کی سرپرستی کر رہی ہے!

م۔ وہ اسلئے کہ قوم قرآن کے نام سے دھوکا کھا جاتی ہے۔ قوم سمجھتی ہے کہ آپ ان یتیموں کو بھولا ہوا سبق پڑھا کر انہیں خالدؓ، سعدؓ، ابو عبیدہؓ،

رازی، غزالی اور ابن رشد بنا رہے ہیں۔ قوم کو کیا معلوم، کہ چندہ آپ کے پیٹ میں جا رہا ہے اور یتیم لپسنی کے جہنم میں۔

ل۔ لیکن آپ کیا چاہتے ہیں کہ یتیم خانوں میں کیا ہو؟

ھ۔ میں چاہتا ہوں کہ یتیم خانوں میں بڑے بڑے ورکشاپ اور کارخانے ہوں۔ جن کی آمدنی سے یتیموں کے مستقبل کی تعمیر کی جائے، جو یتیم بلند تعلیم کے قابل ہوں، اُنہیں ان کارخانوں کی آمدنی سے پڑھایا جائے۔ یہ کارخانے یتیموں کی مشترکہ ملکیت ہوں، مہتمم صاحب نگرانی اور محنت کے لئے معاوضہ لیں۔ اور یتیم منافع میں برابر کے شریک ہوں۔ ان کارخانوں کے ساتھ صنعتی تعلیم کا بھی انتظام ہو۔ نصاب تعلیم کچھ اس طرح کا ہو کہ سترہ اٹھارہ برس کی عمر تک ایک یتیم ایک مکمل صنّاع ہونے کے علاوہ دو چار ہزار روپے کے سرمایہ کا بھی مالک ہو جائے۔ شرائط اس طرح کی ہوں، کہ جب ایک یتیم سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد صاحب مال و ہنر بن جائے۔ تو اُسے رخصت کر دیا جائے اور اس کی جگہ نیا یتیم بھرتی کیا جائے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہاں اس سکیم کا کامیاب ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ دیانتدار کارکن نہیں ملتے۔

ل۔ تو کیا آپ مجھے بھی بددیانت سمجھتے ہیں؟

ھ۔ قوم نے آپ کو روپیہ دیا۔ لمبی چوڑی عمارات بنوا کر دیں۔ اور یہ یتیم بچے دیئے کہ انہیں صحیح تعلیم و تربیت دیں۔ لیکن آپ بنگال سے خیبر تک آج سے چندہ منگوا رہے ہیں۔ یعنی آپ انہیں آل انڈیا گداگر بنا رہے ہیں۔ کیا

اسی کا نام دیانت داری ہے ؟

ن۔ مطلب یہ کہ آپ چندہ نہیں دیں گے۔؟

م۔ جب میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ یتیموں کا مستقبل تباہ کر رہے ہیں تو آپ کو چندہ کیوں دوں ؟ اگر عیّاری اور تباہ کاری کا بھی کوئی صلہ ہو سکتا ہے تو آپ بھی چندہ کے مستحق ہیں۔ ورنہ معاف فرمایئے۔

مہتمم صاحب چلے گئے۔ اور میں اب تک سوچ رہا ہوں کہ میرا رویّہ درست تھا یا غلط۔

(۱۱۳)

فرنٹیر میل، ٹیکسلا اسٹیشن پہ رُکی اور معاً ایک مولوی صاحب ہمارے کمرے میں گھس آئے۔ پہلے تو آرام سے بیٹھے رہے، لیکن جب گاڑی چل پڑی تو آپ نے ایک رسید بک نکالی اور مسافروں سے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ جب میرے پاس تشریف لائے، تو میں نے پاس بٹھا لیا، اور پوچھا۔

میں۔ یہ چندہ آپ کس غرض کے لئے جمع کر رہے ہیں ؟

وہ۔ ایک مسجد کے لئے جو ہمارے گاؤں میں بن رہی ہے۔

میں۔ مسجد کس غرض کے لئے بنا رہے ہیں ؟

وہ۔ ذکر خدا کے لئے۔

میں۔ ذکر خدا کا مطلب ؟

وہ۔ ذکر خدا کا مطلب خدا کا ذکر ہے، یعنی خدا کو یاد کرنا۔

میں۔ خدا کو یاد کرنے کا فائدہ ؟
وہ۔ ذکرِ خدا زادِ آخرت ہے۔
میں۔ کیا خدا کو آپ زیادہ یاد کرتے ہیں یا وہ بھکاری جو ہر شخص کو بیس مرتبہ اللہ کا واسطہ دے کر پیسے مانگتا ہے ؟
وہ۔ وہ خدا کو بھیک کیلئے یاد کرتا ہے۔ اسلئے مستحق اجر نہیں۔
میں۔ آپ خدا کو جنت کے لئے یاد کرتے ہیں۔ اس لئے آپ بھی اجر کے مستحق نہیں۔
وہ۔ اچھا بابا! معاف کیجئے، چندہ پاس رکھیئے اور مجھے اجازت دیجئے!
میں۔ ذرا تشریف رکھیئے اور یہ بتائیے کہ آپ کے گاؤں میں کتنی مسجدیں پہلے موجود ہیں ؟
وہ۔ تین !
میں۔ اُن سے آپ کیا کام لے رہے ہیں ؟
وہ۔ اُن میں باقاعدہ نماز پڑھی جاتی ہے۔
میں۔ آپ کے ہاں نمازیوں کی تعداد کتنی ہے ؟
وہ۔ الحمدللہ کہ نوّے فیصدی آبادی نماز پڑھتی ہے۔
میں۔ کیا یہ بھی درست ہے کہ آپ کے گاؤں میں بھائیوں کی دو بڑی بڑی پارٹیاں موجود ہیں۔ جن کا کام ایک دوسرے سے لڑنا، جھوٹے مقدمے بنانا، جھوٹی شہادتیں دینا، ایک دوسرے کی فصلوں، مکانوں اور جانداروں کو جلانا ہے اور ہر پارٹی تھانیدار کو خوش کرنے کیلئے ہر جائز و ناجائز ذریعہ

استعمال کرتی ہے؟

وہ۔ یہ درست ہے، لیکن . . . . .

میں۔ تو پھر مسجد کا فائدہ؟

وہ۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

میں۔ مطلب صاف ہے کہ مسجد کا مقصد اللہ کی عبادت ہے۔ عبادت کا مفہوم ہے غلامی۔ غلام کا کام ہے آقا کے ہر حکم کی بلا چون وچرا تعمیل مساجد اسلئے بنائی گئی تھیں کہ انسانوں کو اللہ کے احکام بتا کر ان پر عمل کرایا جائے۔ تاکہ انسان صحیح معنوں میں اللہ کا غلام بن جائے۔ جو نمازی خانۂ خدا سے نکلنے کے بعد سازشوں، بدمعاشیوں، دروغ بافیوں اور تھانیدار صاحب کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اُن کے لئے چوتھی مسجد تیار کرنے کا فائدہ؟ مسجد اسلئے تھی کہ اللہ کے غلام پیدا کئے جائیں نہ کہ خدا کے بندوں کو ہوا و ہوس کا بندہ، آز و نیاز کا پجاری اور کوتوالِ شہر کا پرستار بنایا جائے۔ مسجد اس لئے تھی کہ یہاں تنظیم اُمت، اطاعت امیر اور تزکیۂ قلب و دماغ کے وسائل سوچے جائیں۔ قوم کو بلند کرداری راست گفتاری، دیانتداری اور میدانِ عمل میں تیز رفتاری کا درس دیا جائے۔ نوجوانوں کو وسائل قوت و ہیبت بتا کر گرمایا جائے۔ اشرف کائنات کو تسخیر کائنات کا راز سمجھا کر آقائے کائنات بنایا جائے۔ نہ اسلئے کہ یہاں سے جھوٹے، عیّار، مفسد، مکّار، نااہل و ناہنجار اور تھانیدار صاحب کے بندگانِ وفادار پیدا کئے جائیں۔

۵۔ اگر لوگ جھوٹ بولیں۔ عدالتوں میں قسم کھا کر جھوٹی شہادتیں دیں، یا تھانیدار صاحب کی غلامی کریں، تو اس میں مسجد کا کیا قصور؟

میں۔ فرض کیجیے، آپ ڈاکٹری کا ایک سکول کھولتے ہیں۔ اور پچاس ساٹھ طلبہ کو فنِ طب و جراحی کی تعلیم دیتے ہیں۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے ہر ڈاکٹر کا ہر نسخہ ہر مریض کے لئے زہر ثابت ہوتا ہے۔ تو کیا قدرتاً یہ شبہ پیدا نہیں ہوگا کہ آپ کے ادارے میں کوئی نقص ہے۔ اسلئے یا تو اس نقص کو دور کیا جائے اور یا اُس ادارے کو فوراً بند کر دیا جائے۔ بس یہی حال ہماری مساجد کا ہے۔ یا تو ان مساجد سے وہی کام لیا جائے، جس کام کے لئے یہ بنائی گئی تھیں اور یا انہیں بند کر دیا جائے۔

باتوں باتوں میں اگلا اسٹیشن آ گیا۔ مولوی صاحب نہایت جذبے کے ساتھ میری نشست سے اُٹھے۔ تیز اور گرم نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بلند آواز سے لاحول پڑھنے کے بعد میرے کمرے سے نکل گئے۔ وہ تو چلے گئے۔ لیکن میں بدستور سوچ رہا ہوں کہ میرا رویہ درست تھا یا غلط۔

(۴)

نووارد۔ السّلام علیکم!

میں۔ وعلیکم السّلام۔ آئیے، تشریف رکھیئے، جناب کی تعریف؟

ن۔ میں فلاں سجادہ نشین صاحب کا خلیفہ ہوں۔

م۔ ارشاد؟

ل۔ بس یہی کہ حسبِ توفیق لنگر خانے کی امداد فرمائیے!

م۔ یہ لنگر خانہ کیا بلا ہوتی ہے؟

ل۔ ہر گدی کے ساتھ ایک لنگر خانہ ہوتا ہے۔ جس کی آمدنی سے گدی کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔

م۔ پہلے یہ تو بتائیے کہ آپ نے یہ گدی کس غرض سے قائم کر رکھی ہے اور اس کے ساتھ کون سی مدات ہیں۔ جن کے لئے اخراجات کی ضرورت پڑتی ہے؟

ل۔ گدی کا مقصد لوگوں کی صحیح راہ نمائی ہے۔ اور لنگر خانہ کی آمدنی مہمانوں وغیرہ پر صرف ہوتی ہے۔

م۔ آپ کے پیر صاحب صحیح راہ نمائی کیوں کر کیا کرتے ہیں؟

ل۔ لوگوں کو نماز پڑھنے، داڑھی رکھنے، نیز اوراد و وظائف کی پابندی کی تعلیم دیتے ہیں۔

م۔ یعنی ایک قرآنی اور دو غیر قرآنی باتوں کا پابند بناتے ہیں؟

ل۔ آپ کا مطلب؟

م۔ مطلب صاف ہے کہ نماز کا حکم تو قرآن حکیم میں موجود ہے۔ لیکن داڑھی رکھنے اور وظیفے پڑھنے کے متعلق کہیں کوئی ہدایت نہیں ملتی۔ ان دو چیزوں کو اصولِ اسلام میں شامل کرنے کی جرأت آپ کے پیر صاحب ہی کو ہو سکتی ہے۔ ورنہ ایک اللہ سے ڈرنے والے مسلمان ہیں یہ کہاں ہمت کہ اللہ کی مکمل کتاب اور مکمل آئین میں اپنے پاس سے اضافہ کرتا پھرے۔

ل۔ لاحول ولا قوۃ۔ کیا آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلعم نے ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی۔ اور آپ رات کو دیر تک نماز پڑھا کرتے تھے؟

م۔ اور کیا آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ آنحضرت صلعم مختلف ضروریات کے لئے لوٹے میں پانی ڈالا کرتے تھے۔ تو کیا لوٹے میں پانی ڈالنا بھی اصولِ اسلام میں داخل ہے؟ کیا آپ کو علم ہے کہ آنحضرتؐ دیکھتے، سنتے، چلتے اور سوتے بھی تھے، تو کیا آپ ان تمام اعمال کو جزوِ مذہب سمجھ کر قرآنی تعلیمات میں شامل کر لیں گے؟ کیا اللہ کو معلوم نہیں تھا کہ ڈاڑھی رکھنا اسلام کا ایک اصول ہے؟ اگر معلوم تھا تو قرآن حکیم میں (جسے ہر لحاظ سے مکمل ہونے کا دعوےٰ ہے) بیان کیوں نہ کیا؟ اگر کسی الہامی کتاب میں مذہب کے تمام اصول موجود نہ ہوں، تو پھر وہ مکمل کیسے ہو سکتی ہے؟ باقی رہا اوراد و وظائف کا معاملہ، تو آپ کو علم ہونا چاہیئے کہ پیروانِ اسلام کو رہبانیت سے روکا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ رات عبادت میں گزار دیتے ہیں، وہ دن بھر سوئے رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے رات سونے کے لئے بنائی ہے۔ بدیگر الفاظ وہ خدائی منشا کے خلاف چلتے ہیں۔ انسان کی تخلیق کا مقصد تعمیرِ عالم اور تسخیرِ کائنات ہے۔ اگر تمام دنیا آپ کی بات مان کر رات کو جاگتی اور دن بھر اونگھتی رہے، تو چند گھنٹوں میں نظمِ کائنات درہم برہم ہو جائے[1]۔

---

[1] آنحضرت صلعم کی سیرتِ مبارکہ تو یہ تھی کہ دن بھر گھر کے کام کاج، دینی اعمال، تبلیغی امور (باقی صفحہ ۲۳۵ پر)

ل: تو آپ کے خیال میں گدّیوں کا یہ سلسلہ فضول ہے؟

ھم: سخت فضول، بلکہ میں تو اسے ناجائز اور خلاف قانون تجارت سمجھتا ہوں اور تجارت بھی ایسی، جس میں ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر لاکھوں کی آمدنی ہو۔ سکھوں کے ہاں بھی گدّیوں کا یہ سلسلہ موجود ہے۔ لیکن اُن لوگوں نے ان کی آمدنی سے سکول، کالج، صنعتی مرکز، شفاخانے اور دیگر مفید ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ اور اس طرح اپنی قوم کو بلند تر بنا رہے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے پیر اپنی آمدنی بٹیروں، بازوں، قوالوں، حکام کی دعوتوں اور دیگر عیاشیوں پر صرف کر رہے ہیں۔ اور انکی قوم بادشاہت کی بلندیوں سے گر کر کشمیری ہاتوؤں[۱] کے درجے تک پہنچ چکی ہے لیکن ان مفت خوروں کی آنکھ ابھی تک نہیں کھلی۔

اگر آپ اپنے لنگر خانے کی آمدنی سے کارخانے کھولیں یعنی

ذوالفقار عصر ۲۳۴ اور سلطنت کی مہمات میں بالکل مصروف رہتے (اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیلًا۔ مزمل۔۷) اسکے باوجود رات کا کچھ حصہ جاگ کر قرآن مجید پر غور فرماتے (قُمِ اللَّیلَ ...... رتّل القرآن۔ مزمل ۳۔۴) جب دوسرے لوگوں نے آپکے ساتھ شب خیزی میں مبالغہ کیا تو اسی سورہ کے آخر میں حکم آگیا کہ تم سے یہ کام نبھنے کا نہیں (لن تحصوہ) تم میں سے مریض بھی ہونگے (منکم مرضیٰ) انہیں زمین پر چل پھر کر دنیوی کاروبار بھی کرنا ہے (یضربون فی الارض الخ) اور جہاد بھی ضروری ہے (یقاتلون فی سبیل اللہ) پس تلاوت قرآن مجید کی سہولت سے کام لو (ماتیسر منہ) (البیان)

۱ کشمیر کے فلاکت زدہ لوگ جو مختلف شہروں میں جا کر انتہائی ذلیل کام کر کے بمشکل پیٹ پال لیتے ہیں۔ (البیان)

کالج جاری کریں۔ ذہین اور محنتی طلبا کو اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت بھجوائیں۔ بینک، بیمہ کمپنیاں اور دیگر اقتصادی ادارے کھولیں۔ ٹریکٹر خرید کر مریدوں میں مفت تقسیم کریں۔ اپنے علاقے کے طلبہ طبیعیات کے وظائف باندھ دیں۔ تو میں اپنا تمام گھربار آپ کے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن اگر آپ عیاشی، قوم کشی اور ملت فروشی کے لئے مجھ سے کوئی رقم مانگیں تو میں اس کے لئے قطعاً تیار نہیں۔

خلیفہ صاحب اُٹھ کر چل دیئے۔ لیکن میں اب تک سوچ رہا ہوں کہ میرا رویہ درست تھا یا غلط۔

(۵)

اجنبی۔ کیا میں اندر آسکتا ہوں؟

میں۔ ضرور تشریف لایئے، آیئے، بیٹھیئے، جناب کی تعریف؟

ا۔ میں انجمن تحفظِ قرآن کا سفیر ہوں!

م۔ ارشاد؟

ا۔ حسبِ توفیق انجمن کی کچھ امداد فرمایئے!

م۔ آپ کی انجمن کا کام کیا ہے؟

ا۔ اسمبلی سے ایسا بل پاس کرانا، جس کی رُو سے کوئی ہندو قرآن شریف کو طبع نہ کرا سکے۔

م۔ اس کام کے لئے سارے پنجاب میں گداگری کی کیا ضرورت ہے؟ کسی ممبر کے پاس جایئے اور اُسے کہیئے کہ اس مطلب کا ایک بل بنا کر اسمبلی کے

آئندہ اجلاس میں پیش کر دے۔ کیا قرآن شریف میں کہیں لکھا ہوا ہے کہ مسلمان جب کوئی کام کرنے لگے تو گداگری کا کشکول ہاتھ میں لیکر پہلے سارے ہندوستان کا چکر کاٹے؟ آپ کیوں اپنے اوقاف اور زکواۃ کی تنظیم نہیں کرتے اور کیوں آپ کے ممبرانِ اسمبلی اس غرض کیلئے کوئی بل پیش نہیں کرتے۔ تاکہ ساری قوم کی اقتصادی حالت سنور جائے اور آئے دن کی گداگری سے سب کی جان چھوٹ جائے ــــ علاوہ ازیں میں یہ نہیں سمجھا کہ اگر قرآن کی طباعت مسلمان کے حوالے کر دی جائے تو اس سے قرآن کی حفاظت کیسے ہو جائے گی۔

۳۔ آپ کو علم ہے کہ ہندو نہایت بے احتیاطی سے قرآن طبع کراتے ہیں آیات کو پاؤں تلے روندتے ہیں۔ اور یہ صورت حالات ایسی ہے جسے ہماری انجمن برداشت نہیں کر سکتی۔

۴۔ مجھے یہ سنکر بڑی خوشی ہوئی۔ کہ آپ کی انجمن بڑی حساس واقع ہوئی ہے لیکن کیا آپ کی انجمن کو یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانانِ ہند کی جو درگت آج بن رہی ہے، وہ ترکِ قرآن کی وجہ سے ہے۔ یہ غلامی، یہ جہالت، یہ بھوک، یہ سر پھٹول، یہ ملت فروشی، یہ گداگری کے انوکھے طریقے، یہ پست اخلاقی اور یہ پست معاشی قرآن حکیم سے بغاوت کا نتیجہ ہے، حیرت ہے کہ آپ کی انجمن ہندو سے تو قرآن بچا رہی ہے، لیکن اسی کتاب عظیم کی جو درگت مسلمان بنا رہا ہے، اسکے متعلق کوئی قدم نہیں اٹھاتی یعنی اگر ہندو قرآن کی بے ادبی کرے، تو آپ کلکتہ سے پشاور تک گداگری

کے لئے نکل پڑیں گے۔ لیکن اگر دس کروڑ مسلمان اسی کتاب کو ذلیل و رسوا
کریں تو آپ خاموش رہیں گے۔ کیوں؟

ا۔ آپ نے بحث ہی اُلٹی چھیڑ دی۔ اسلئے ......

م۔ (بات کاٹ کر) بحث بالکل وہی ہے۔ ہمارا موضوع گفتگو "قرآن حکیم کو بے حرمتی سے بچانا ہے"۔ اگر قرآن حکیم کی ایک آیت نادانستہ ہندو کے پاؤں کے نیچے آ جائے تو آپ بیتاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر مسلمان سارے قرآن کو روند ڈالیں، تو آپ کی رگِ حمیت میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ آخر آپ نے اس پیچیدہ عمل کا فلسفہ مجھے بھی تو سمجھائیے!

ا۔ اگر اسمبلی میں اس غرض کے لئے ایک بل پیش ہو جائے۔ تو آپ کو کیا تکلیف ہے۔

م۔ مجھے یہ تکلیف ہے کہ آپ انگریزوں کی طرح قوم کے سامنے بے حقیقت کھلونے پھینک کر حقائق کو اس کی نگاہ سے اوجھل کر رہے ہیں۔ جس طرح ہر نیا وائسرائے ایک نئی سکیم لے کر ہندوستان میں آتا ہے۔ کوئی بیل پالنے پر زور دیتا ہے، کوئی کوآپریٹو بنک کھلواتا ہے، کوئی بوائے سکاؤٹس کا سرپرست بن جاتا ہے، کوئی سبزیاں اُگانے پر زور دیتا ہے۔ اور آج تک کسی وائسرائے نے ہندوستانیوں سے یہ نہیں کہا کہ تم لوگ موٹروں، گاڑیوں، انجنوں اور جہازوں کے کارخانے کھولو۔ تاکہ اقتصادی بدحالی سے نجات حاصل کر سکو۔ اور یہ سب اسلئے کہ ہندوستانی ان نظر فریب کھلونوں میں اُلجھے رہیں اور کوئی مفید کام نہ کر سکیں۔ اسی طرح آپ لوگ بھی قوم کو ان

بیکار جھمیلوں میں اُلجھا کر بے کار سے بے کار تر بنا رہے ہیں۔ قرآن کی حفاظت کی یہ صورت نہیں کہ ہندو سے اسکی طباعت چھین لی جائے بلکہ صحیح طریق کار یہ ہے کہ مسلمان کو قرآن کا عامل بنا کر ہر دو کو زندہ کر دیا جائے مسلمان کی حفاظت بھی ہو سکتی ہے کہ وہ قرآن پر عمل کرے اور قرآن کی حفاظت کی صورت صرف یہی ہے کہ مسلمان اسے پھر اپنا لے۔

ہاں یہ سکیم تجارتی نقطۂ نگاہ سے بُری نہیں مُسلم طابعین و ناشرین کو تھوڑا سا مالی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ تجارت کے لئے چندہ مانگنا بددیانتی ہے۔ مزید برآں یہ اس قدر بے ضرر بل ہے کہ حکومت اسکی ہرگز مخالفت نہیں کرے گی۔ اور اسمبلی کی ایک نشست میں پاس ہو جائے گا۔ ہاں اگر آپ زکوٰۃ بل پیش کریں گے تو غالباً حکومت سخت مخالفت کریگی۔ ہندو اور فرنگی پریس دونوں ایک کہرام بپا کر دیں گے اور مسلمان ممبروں کو یہ ہمت نہیں پڑے گی۔ کہ اسے درجۂ تکمیل تک پہنچائیں۔

آپ کی رائے مسلم ممبران اسمبلی کے متعلق کچھ درست معلوم نہیں ہوتی۔ ممکن ہے غلط ہو، لیکن خدارا آپ ہی بتائیں کہ گذشتہ پچیس برس میں ہمارے مُسلم ممبروں نے کونسا تیر مارا؟ مسلمانوں کو طبیعیات کی طرف راغب کرنے کیلئے کیا کیا؟ مُسلم طلبہ کے لئے کتنے وظائف مقرر کرائے؟ تنظیم زکوٰۃ و اوقاف کیلئے کونسے وسائل اختیار کئے؟ مسلمانوں کو صنّاع و تاجر بنانے کیلئے کونسا قدم اُٹھایا؟ مسلم رؤسائے پنجاب نے کتنے کارخانے

؎ یہ مضمون ظہور پاکستان سے پہلے اگست ۱۹۴۶ء میں لکھا گیا تھا۔

بنک یا کمپنیاں جاری کرائیں؟ اگر ان لوگوں نے آجتک تعمیر قوم کی طرف ایک قدم تک نہیں اُٹھایا، تو آپ ہی فرمائیں کہ ان کے متعلق کس قسم کی رائے قائم کی جائے؟ میں یہ مانتا ہوں کہ ممبروں کی اکثریت جاہل تھی، اور جو تعلیمیافتہ تھے، ان میں سے بھی بیشتر قوموں کے فلسفۂ عروج و زوال سے قطعاً نا آشنا تھے۔ لیکن جہالت، بیکاری و نا اہلیت کے لئے وجہ جواز نہیں ہو سکتی۔

ل۔ مطلب یہ کہ آپ حفاظتِ قرآن کی اس صورت کے خلاف ہیں۔

م۔ جی ہاں! اور محض اسلئے کہ آپ لوگ، ایک تاجرانہ سوال کو مذہبی رنگ دیکر جہاں مسلمانوں کو جذبات میں اُلجھا رہے ہیں۔ وہیں ان کے مذہبی تخیل کو بھی مسخ کر رہے ہیں۔ اگر اس طرح کا بل اسمبلی میں پاس ہو جائے اور اس کے بعد مسلمان یہ سمجھ کر کہ قرآن تو ہو گیا محفوظ اور اب میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ وہ زیادہ سہل انگار و بیکار بن جائے تو ذمہ دار کون ہوگا؟

ل۔ اور چندہ تو آپ یقیناً نہیں دیں گے؟

م۔ اگر اسلامی سلطنت ہوتی اور مجھے کچھ اختیارات بھی حاصل ہوتے، تو میں آپ کی انجمن کو خلافِ قانون قرار دے دیتا۔

ل۔ اچھا تو معاف فرمائیے میں نے آپ کا نہایت قیمتی وقت ضائع کیا۔

یہ کہہ کر اجنبی چلا گیا۔ اور میں اُس وقت سے سوچ رہا ہوں کہ میرا رویہ درست تھا یا غلط!

۶

میں۔ جناب کی تعریف؟

حافظ۔ میں حافظِ قرآن ہوں۔

م۔ تشریف آوری کا مقصد؟

ح۔ ہمارے ہاں طلبہ کی ایک کافی تعداد موجود رہتی ہے جنہیں قرآن شریف یاد کرایا جاتا ہے۔ اسلئے آپ حسبِ استطاعت ہماری امداد کریں۔

م۔ قرآن شریف کس مقصد کے لئے یاد کراتے ہیں؟

ح۔ جس سینے میں قرآن موجود ہو، وہ سورج سے زیادہ منوّر اور جنّت سے زیادہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ اور ایسے انسان کو بلا حساب جنّت میں داخل کیا جاتا ہے۔

م۔ یعنی آپ کے خیال میں جو شخص اتنا بڑا جھوٹا ہو کہ خدا پر بھی افترا باندھنے سے نہ ٹلے۔ اس کا سینہ منوّر ہو جاتا ہے۔ اور جنّت میں بلا حساب چلا جاتا ہے۔

ح۔ (گھبرا کر) آپ کا مطلب؟

م۔ کیا آپ نے ابھی ابھی نہیں کہا کہ حافظ کا سینہ سورج سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔ اور وہ بلا حساب جنّت میں پہنچ جاتا ہے؟

ح۔ کہا ہے۔ پھر کیا ہوا؟

م۔ کیا قرآن حکیم میں اس مضمون کی کوئی آیت موجود ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً موجود نہیں، تو آپ خدا پر بہتان تراش رہے ہیں۔ حالانکہ آپ حافظ ہیں

اور ظاہر ہے کہ اللہ پر افترا باندھنے والے کا نہ تو سینہ منور ہو سکتا ہے اور نہ وہ جنت میں جا سکتا ہے۔

ح۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہد رسول صلعم میں حفاظ کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ کیا ان کے عمل کے لئے یہی وجہِ جواز کافی نہیں کہ حضورؐ نے انہیں حفظِ قرآن سے کبھی نہیں روکا تھا۔ تو پھر آپ ہمیں کیوں روکتے ہیں؟

م۔ میں آپ کو اسلئے روکتا ہوں کہ آپ لوگ ایک چیز کو اندھا دھند مانتے اور اندھا دھند کرتے ہیں۔ عہدِ رسولؐ میں نہ مطابع موجود تھے، اور نہ کاتبین کی موجودہ فراوانی۔ قرآن شریف کا کوئی نسخہ تیار نہ تھا۔ اس لئے سخت ضروری تھا کہ حفاظ کی ایک کافی تعداد پیدا کی جائے، تاکہ قرآن کا متن تغیرّ و تبدل سے محفوظ رہے۔ آج کہ ہر اسلامی گھر میں اس کتاب کے ایک دو نسخے موجود ہیں۔ حفظ کی ضرورت ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے؟ علاوہ ازیں قرآن حکیم ہدایات و قوانین کا مجموعہ ہے۔ اس کی عبارات کو سوچے سمجھے بغیر یاد کرنا بالکل اس طرح ہے، جیسے طب کا کوئی طالب علم قرابادین قادری کو سمجھے بغیر رٹ لے۔ یا کوئی اُمیدوار وکالت تعزیراتِ ہند کی عبارات یوں یاد کرلے کہ ایک سطر کا مفہوم نہ سمجھتا ہو۔

ح۔ تو گویا آپ کے خیال میں حفظِ قرآن غیر ضروری ہے۔

م۔ بیشک۔ اسلئے کہ آپ لوگوں کی تمام تر توجہ عبادت پر مرکوز رہتی ہے جہاں مفہوم اور عمل کا نام تک لینا گناہ ہے، جس طرح سپیرے

کے منتر سانپ کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اسی طرح آپ کا قرآن بھی آپ کے طلبہ کے ذہن و شعور سے کوسوں دور رہتا ہے۔ دینی کتاب سے یہ نامعقول سلوک ازلیس روح فرسا ہے۔ فرض کیجیئے حکومتِ پنجاب ڈپٹی کمشنر ول کے نام ایک ضروری چٹھی جاری کرتی ہے۔ بعض ڈپٹی کمشنر تو فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں، لیکن بعض دیگر اسے یاد کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ کیا حکومت ان سے بازپرس نہیں کرے گی؟ اسی طرح اللہ نے یہ کتاب اس لیئے بھیجی تھی کہ انسانی دنیا نکبت و شقاوت کی پستیوں سے نکل کر فلاح و سعادت کی بلندیوں تک پہنچ جائے۔ جہالت کی تاریکیاں، غلامی کی ذلتیں اور سوءِ عمل کی رسوائیاں مٹ جائیں۔ لیکن آپ نے ان روشن ہدایات کو سوچے سمجھے بغیر رٹنا شروع کر دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ بازاروں، محفلوں، جلسوں اور مسجدوں میں اسکی فروخت کے بھی سامان ہونے لگے۔ یہاں حلوے کے لالچ میں سورۂ یٰسین پڑھی جا رہی ہے۔ وہاں تراویح میں حافظ صاحب قرآن کو فرنٹیر میل کی رفتار سے اڑائے لئے جاتے ہیں۔ وہ دیکھو بیسیوں گداگر ریل گاڑیوں، پلوں، راستوں اور اڈّوں پر آیات کی تلاوت کرتے ہوئے بھیک مانگ رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر بلکہ تمام تر آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ قرآن کے متن کو گداگری کے لئے استعمال کرنا اس کتابِ عظیم کی انتہائی توہین ہے۔ غضب ہے کہ جو کتاب غلاموں کو فرمانروا اور خاک نشینوں کو فلک نشین بنانے آئی تھی۔ آج اسے بھیک کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے اور ستم بالائے ستم

یہ کہ اس ذلیل حرکت کو جاری رکھنے کے لئے قوم سے چندہ مانگا جاتا ہے اور قوم کی سادہ دلی دیکھئے کہ قرآن کا نام سُنکر دھڑا دھڑ چندہ دے رہی ہے اور یہ سمجھنے کی تکلیف ہی گوارا نہیں کرتی کہ چندہ مانگنے والوں کا اصل مقصد کیا ہے؟ سچ ہے، چندہ مانگنے والا مقتشرع مسلمان، مقصد حفظ قرآن!! اب مسلمان مزید کیوں سوچے؟

ح۔ آپکی باتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ تراویح کے بھی خلاف ہیں:

م۔ میں کسی ایسی چیز کی فرضیت کا قائل نہیں جس کا ذکر قرآن شریف میں موجود نہ ہو۔ تراویح کی حیثیت محض نفلوں کی ہے۔ آپ کا دل چاہے تو نفل پڑھ لیجئے، ورنہ آرام کیجئے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آنحضرت اُمت کو تراویح پڑھنے سے روکا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خدائی حکم کے بغیر کسی نئی عبادت کو شروع نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر فرض ہو جائے۔ آنحضرت کی زندگی میں بعض صحابہؓ تراویح پڑھا کرتے تھے کبھی انفراداً اور کبھی جماعت کے ساتھ لیکن کسی پر پابندی نہیں تھی۔ اکثر نہیں پڑھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی یہی عالم رہا۔ حضرت عمرؓ نے صرف اس نقطۂ نگاہ سے تراویح کو لازمی کر دیا، کہ میدانِ جنگ سے واپس آئے ہوئے سپاہی، تو مسلم اور دیگر کاروباری لوگ جن کے پاس قرآن شریف کا کوئی نسخہ موجود نہ تھا، قرآن کو از ابتدا تا انتہا سُن لیں۔ اور بھولی بسری ہدایات کو دوبارہ اَز بر کر لیں۔ آج کہ ہر گھر میں قرآن شریف موجود ہے۔ تراویح کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ ہاں طبیبانہ نقطۂ نگاہ سے یہ چیز بُری نہیں۔ شام کا کھایا

پیا کسی حد تک تراویح میں ہضم ہو جاتا ہے۔ اور روزہ دار پھر سحری کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ ورنہ پنجابی زمینداروں کو جو عربی سے قطعاً ناپلد ہیں۔ رات کو مسجد میں جمع کر کے لمبی لمبی عربی عبارات سُنانا بیہودہ ہے۔ اس سے تو کہیں یہ بہتر ہے کہ نماز عشاء کے بعد کوئی عالم تمام محلے کو ایک سورہ کا مطلب سمجھا دے، تاکہ کسی کے پلّے کچھ تو پڑے۔ یہ ہر سال تمام عالم اسلام کو مسجد میں بلا کر اور خالی عبارات سُنا کر لوٹا دینا، کیا وقت کا بدترین استعمال نہیں؟ دن بھر کا تھکا ماندہ روزہ دار شام کو ضرورت سے زیادہ کھا پی لیتا ہے۔ برسات کی سہانی رات، مست ہوائیں، اور ٹھنڈا بستر اُسے غنودگی کی بے پناہ دعوت دیتا ہے۔ کہ اتنے میں مسجد سے اذان کی صدا بلند ہوتی ہے۔ چار و ناچار چل پڑتا ہے وہاں مُلّا جی اُسے ڈیڑھ دو گھنٹے تک عربی لیکچر پلاتے ہیں۔ وہ گھبراتا، اُکتاتا اور بار بار اُونگھتا ہے۔ لیکن مذہب کی رسّی اس کے گلے میں ہوتی ہے۔ اِسلئے ہِل نہیں سکتا۔ جب یہ خشک اور بے کیف جلسہ ختم ہوتا ہے تو وہ گھر کو اونگھتے ٹھیلتے روانہ ہو پڑتا ہے۔ مسجد میں کورا آیا تھا اور کورا واپس جا رہا ہے۔ پانچ چھ سو آیات بھی سُنیں، لیکن پلّے کچھ نہ پڑا۔ مَیں پوچھتا ہوں۔ اگر آپ قرآن سمجھا نہیں سکتے۔ تو لوگوں کا وقت تراویح میں کیوں ضائع کرتے ہیں؟ اگر مقصد تلاوت ہی ہے تو لوگ گھروں میں کر لیں گے۔ اگر کوئی اور مقصد ہے تو ہمیں بھی آگاہ فرمایا جائے۔

ح۔ آپ کے خیالات کافی ملحدانہ ہیں۔ اِس لئے آپ سے بحث فضول ہے۔ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ۔ یہ کہہ کر حافظ صاحب چلے گئے۔ اور مَیں اب تک سوچ رہا ہوں، کہ میرا رویّہ درست تھا یا غلط ◆

(۸)

مَیں کیا دیکھ رہا ہُوں

اَور

کیا دیکھنا چاہتا ہُوں

ترک۔ اسلاف کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں اینگلو امریکن اتحاد
کے رحم و کرم پر زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔

طرابلس میں سات سو برس ہسپانیہ پر حکومت کرنے والی قوم
جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔

عرب۔ ڈیڑھ ہزار برس پہلے تمام دُنیا کیلئے شمع ہدایت روشن
کرنے والے مغرب کی نظرِ کرم کے منتظر ہیں۔

ایرانی۔ پٹرول کے بھرے کنارے کے مالک لیکن ضروریاتِ زندگی
کیلئے اتحادیوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہیں۔

روس اور چین کے اٹھارہ کروڑ مسلمان جہالت و غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں

ہند و پاکستان کے دس کروڑ مردہ دل مسلمان گنڈے اور تعویذ
میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔

(جہانِ نو)

میں دیکھ رہا ہوں، ایسے تُرک جو اپنے بعض آباؤ اجداد کی بداعمالیوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ وہ اپنی عظیم الشان شہنشاہیت کو کھو کر زمین کے ایک تنگ سے خطے میں دبکے ہوئے زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔ ایک طرف اینگلو امریکن اتحاد کا چنگبرا شیر دھاڑ رہا ہے۔ دوسری طرف نشۂ فتح میں بدمست سوویٹ یونین کا بپھرا ہوا ریچھ پنجوں سے گرد اُڑا رہا ہے اور غریب تُرکی ساحلِ دریا پر سر جھکائے اور اپنی حزیں نگاہیں فاسفورس کی خاموش لہروں پہ جمائے دھیمی دھیمی لَے میں یہ مصرعہ الاپ رہا ہے :-

ہے جُرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات (اقبالؔ)

میں دیکھ رہا ہوں، افریقہ کے شمالی ساحل پر وہ مراکشی اور بربری قبائل جنہوں نے ہسپانیہ پر ۷۰۰ برس تک حکمرانی کی تھی۔ جن کے فنِ تعمیر، مصوری اور نقاشی کا چرچا تمام عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ جن کے جہاز فرانس سے لیکر چین تک پھیلے ہوئے سمندروں کی سرکش لہروں پر حکومت کیا کرتے تھے، جن سے طبیعیات، الٰہیات، اخلاقیات، سیاسیات اور فلسفے کا درس لینے کیلئے مشرق و مغرب سے طلبۂ علم جمع ہوا کرتے تھے۔ اور جن کے کتب خانوں میں مشاہیرِ روم و یونان و فضلائے ہند و ایران کے تمام علمی کارنامے لاکھوں کی تعداد میں

موجود رہا کرتے تھے۔ جب یورپ کے ان حکمرانوں میں صلاحیتِ حیات باقی نہ رہی تو عیسائی فاتحین نے انہیں یورپ کے برِ اعظم سے بیک بینی و دوگوش نکال باہر پھینکا۔ اور آج انہی جلا وطنوں کی نسل مراکش اور الجیریا میں زندگی کے بُرے دن کاٹ رہی ہے۔

فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ (انعام ۶)

ہم نے انہیں اُن کی بد عملی کی وجہ سے تباہ کر دیا اور اُن کی سلطنت کا مالک کسی اور قوم کو بنا دیا۔

مَیں دیکھ رہا ہوں، کمزور عربوں کی چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں، جنہیں بعض داناؤں نے بارہا یہ مشورہ دیا کہ وہ تمام ریاستوں مثلاً سعودی عرب، یمن، فلسطین، شرقِ اردن، شام، لبنان، عراق اور مصر کو ملا کر ایک طاقتور فیڈریشن یا کنفیڈریشن بنالیں۔ ان لوگوں نے ایک عرب ہائر کمیٹی تو بنالی، لیکن ریاستوں کا سیاسی و اقتصادی اتحاد پسند نہ کیا۔ ان کی حالت بالکل ویسی ہے:۔

ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز (اقبالؒ)

آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے جب تمام دنیا پر جہان کی تاریکیاں مسلط تھیں، عرب سے ہدایت، روشنی، علم، اخلاق، اعلیٰ سیاست اور لازوال فلسفہ کے چشمے اُبل رہے تھے۔ ہمارے غزالی و رازی، کندی و فارابی، حنبل و مالک، ابنِ سینا، ابنِ خلدون، ابنِ خلکان، ابنِ تیمیہ و ابنِ حجر سے کون آگاہ نہیں۔ یہ سب عرب یونیورسٹیوں[۱] کے طالب العلم جہان بھر

---

[۱] عرب یونیورسٹیوں سے مراد وہ تمام علمی ادارے ہیں جو عربی (باقی حاشیہ صہ ۲۵۱ پر)

کے معلّم اور رشد و ہدایت کے روشن مینار تھے۔ افسوس کہ آج وہی عرب جہالت کی وجہ سے سخت ضعیف و رسوا ہو چکے ہیں۔ صرف چند سو میل دُور یعنی روس، جرمنی، فرانس، یونان، بلغاریہ، اٹلی اور انگلستان میں علوم و فنون کے دریا بہہ رہے ہیں۔ جہاں سے جاپانیوں جیسی دُور افتادہ قوم بھی سیراب ہو چکی ہے۔ لیکن لا یعقل اور اندھے عربوں اور تقلید پسند مسلمانوں نے اس روشنی کو ظلمت، اور اس آبِ حیات کو زہر خیال کیا۔ وہ اپنی منیۃ المصلّی اور قدوری ہی کو منتہائے علم سمجھتے رہے۔ اور اس طرح ان کی داستانِ ہیبت و عظمت اک افسانہ بن کر رہ گئی۔

وہ دیکھو، موصل، بحرین، صنعا اور عمان میں قوت و ہیبت کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ میری مراد وہ پٹرول کے چشمے اور زرّ و زغال کی کانیں ہیں، جن کے استعمال سے ہر قوم وقار و ہیبت حاصل کر رہی ہے، لیکن زندگی و عظمت کے ان لازوال خزانوں پر اغیار قابض ہیں۔ اور عرب صرف ریت کے ٹیلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ اور پھر بھی نہایت خوش ہیں۔ اسلئے کہ:۔

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

انہیں معلوم ہی نہیں کہ وہ کیا چیز کھو چکے ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ بحرین

(بقیہ حاشیہ ۲۵۰) تہذیب و سیاست کی بنیادوں پر دُنیا کے مختلف حصّوں میں قائم ہوئے تھے جس طرح کہ آج ہندوستان کی موجودہ یونیورسٹیاں انگریزی یونیورسٹیاں شمار ہوتی ہیں اسی طرح اُس زمانے میں قرطبہ و بغداد کی یونیورسٹیاں بھی عربی یونیورسٹیاں سمجھی جاتی تھیں۔

سے لے کر موصل اور آرمینیہ تک عربوں کی ریاستیں پھیلی ہوئی ہیں۔ تو وہ جامے میں پھولے نہیں سماتے کہ اتنے کروڑ من ریت پر وہ بلا شرکت غیرے قابض ہیں۔ آہ عرب وہ آنکھیں کھو چکے، جو زمین کی تہوں میں قوت و ہیبت کے خزانے دیکھ لیا کرتی تھیں۔ وہ روشنی کھو چکے، جسکی شعاعوں کے سامنے لامکان تک کے اسرار بے حجاب ہونے پر مجبور تھے۔ وہ دماغ کھو چکے، جو عروج و زوالِ انسان کا فلسفہ ایجاد کیا کرتا تھا۔ آج جزیرہ نمائے عرب میں یونیورسٹی کا تو خیر ذکر ہی کیا، کوئی پرائمری سکول تک موجود نہیں۔ سعودی عرب کے طول و عرض میں آج تک ایک پختہ سڑک، بجلی کا ایک کارخانہ اور تہذیب و تمدن کا کوئی ادارہ قائم نہیں کیا گیا۔ اتنے بڑے ساحل پر جو قیرص سے بصرہ تک کئی ہزار میل پھیلا ہوا ہے۔ آج تک ایک بندرگاہ نہیں بنائی گئی۔ انگلستان کے چھوٹے سے جزیرے میں جس کا کُل رقبہ تقریباً ایک لاکھ مربع میل ہے۔ وہ کونسی چیز ہے جو تیار نہیں ہوتی، وہ کونسا راز ہے جو وہاں بے حجاب نہیں، اور وہ کونسی عظمت ہے، جس کا وہاں درس نہیں دیا جاتا۔ برعکس اسکے عرب کا رقبہ چھ لاکھ مربع میل ہے یعنی انگلستان سے چھ گنا بڑا، لیکن علم، طاقت، بینائی، تہذیب، تمدن اور سیاست میں چھ کروڑ گنا کم ہے۔ وہاں طیارے اُڑ رہے ہیں اور یہاں ریت۔ وہاں ریلوں اور جہازوں کے کارخانے ہیں اور یہاں بچے پیدا کرنے کی مشینیں۔ وہاں مشینوں کی مہیب گڑگڑاہٹ سے ساری کائنات دہل رہی ہے اور یہاں عرب کی ساری آبادی دہل جاتی ہے، جب اُن کے سروں پر سے دو چار طیارے گزر جاتے ہیں۔ یہ لوگ اتنے جاہل واقع ہوئے ہیں کہ حج کے دنوں میں کئی لاکھ بکرے اور دُنبے ذبح کر کے میدان عرفات میں پھینک جاتے ہیں

اور انہیں کسی مصرف میں نہیں لا سکتے۔ مصرف میں لائیں تو کیسے منیۃ المصلیٰ میں یہ چیزیں لکھی ہوئی نہیں اور منیہ سے آگے یہ کچھ جانتے نہیں۔ اگر ان کے پاس علم ہوتا، تو کعبے میں چمڑے وغیرہ کے بڑے بڑے کارخانے قائم کرتے۔ کھالوں کو رنگ کر بیچتے، گوشت کو ڈبوں میں بند کر کے لاکھوں پونڈ وصول کرتے۔ ہڈیوں اور خون کو جمع کر کے کھاد بناتے۔ لیکن ان تمام چیزوں کیلئے علم و عقل کی ضرورت ہے جس سے عرب اتنے دور ہیں، جتنی چمگادڑ آفتاب سے۔ آہ، کہاں وہ اگلے عرب اور کہاں یہ ان کے نا اہل خلف ؂

رفتہ رفتہ اس قدر بربادیٔ محفل ہوئی
شہر دنیا کے ویرانوں میں یہ منزل ہوئی

میں دیکھ رہا ہوں، وہ ایرانی جو قوت و حیات کے تمام خزائن یعنی پٹرول وغیرہ اغیار کے حوالے کر کے خود لب رکنا باد نغمۂ چنگ و رقص شاہد کے مزے لوٹ رہے ہیں اور گھر کا تمام اثاثہ بیچ کر عرق سر آتشہ کے خم کے خم لنڈھا رہے ہیں پیام رسول سے ناواقف، درس تنزیل سے ناآشنا، فلسفۂ عروج و زوال سے بالکل کورے، تباہی کے راستے پر بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ وہ لفظ قوت کے مفہوم تک سے ناآشنا ہیں۔ انہیں کسی نے بتایا ہی نہیں کہ طاقت کے خزانے زمین کے پاتال میں مستور ہیں اور اثیر کا ہر ایچ زندگی سے چھلک رہا ہے۔ ایران کی چھ لاکھ مربع میل زمین (انگلستان سے چھ گنا بڑی) میں ایک بھی ایسی درسگاہ موجود نہیں، جہاں معارف کائنات کا درس دیا جا رہا ہو۔ جہاں تسخیر ارض و سما کے گر بتائے جا رہے ہوں، جہاں ہواؤں، سمندروں اور فضاؤں پر بے پناہ حکمرانی کے راز سمجھائے جا رہے ہوں،

اور جہاں بظاہر فطرت کے جھروکوں سے جمالِ فطرت کا تماشہ کیا جارہا ہو۔ یہی وہ ظلم عظیم ہے جس کی سزا قدرت سے ایرانیوں کو مل رہی ہے۔ اس سے بڑی بیچارگی کیا ہوگی۔ کہ جب ۱۹۴۱ء میں بندرعباس سے اتحادی عساکر ایران میں داخل ہوئے اور انہوں نے پہلا فائر کیا تو تمام ایران ایک گھنٹے میں اتحادیوں کے قدموں پر آن گرا کہ خدا کے لئے بچائیو، ہم لڑنے بھڑنے کے قائل نہیں ہیں۔ ہم سے تو شراب و ساقی کی باتیں کیجیے۔ یہ مرنا مارنا کہاں کی شرافت ہے۔

کہاں وہ ایران، جس کے رستم و سہراب، فریدون و جمشید اور ملک شاہ و سنجر کی شمشیر خارا شگاف سے کائنات لرزہ بر اندام رہتی تھی۔ جس کے سینا و رازی، غزالی و رومی، رومی و تفتازانی کے سامنے حکمت و فلسفہ سجدہ کیا کرتے تھے اور جس کے سعدی و نظامی، خاقانی و جامی اور ابن یمین و بسطامی کی اخلاقی ہیبت سے بڑے بڑے فرمانرواؤں کے دل بیٹھ جاتے تھے، اور کہاں آج کا ایران جس کی زنگ آلودہ تلواروں میں برش نہیں، ارادوں میں بلندی نہیں، مقاصد میں رفعت نہیں، بازوؤں میں زور نہیں، خون میں حرارت نہیں، نگاہوں میں وسعت نہیں اور پائے طلب میں حرکت نہیں۔ آئے دن ان پر کوئی نہ کوئی قوم چڑھ دوڑتی ہے لیکن بایں ہمہ وہ سب طاقتوں کے مالک خدا کی پناہ میں آکر، اور اس کے خزائنِ قوت کو استعمال کرکے طاقت ور بننے کی فکر نہیں کرتے۔

قصور کس کا؟

کیا دیکھتے نہیں کہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ان پر کوئی نہ کوئی افتاد آن پڑتی ہے لیکن	أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ

لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ.... صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ٥

(توبہ ۱۲۶ - ۱۲۷)

پھر بھی وہ نہ تو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نہ عبرت حاصل کرتے ہیں ۔ ... اللہ نے اُن کے دلوں کو پھیر دیا ہے۔ اسلئے کہ وہ کوئی بات سمجھنا ہی نہیں چاہتے ۔

میں دیکھ رہا ہوں ، روس اور چین کے اٹھارہ کروڑ مسلمان ، جن کا جہالت اور غلامی نے ستیاناس کر رکھا ہے۔ اُن کے غلیظ کپڑے ، مرجھائے ہوئے چہرے ، بجھے ہوئے جل ، غلیظ بین آنکھیں اور کج اندیش دماغ ، میری نگاہ کے سامنے ہیں جنگ سے پہلے کئی ہزار چینی مسلمان ہر سال ہندوستان میں مزدوری وغیرہ کی غرض سے آیا کرتے تھے۔ آج کل ان کی زیارت کم ہوتی ہے۔ آج سے تقریباً چار برس پہلے کئی ہزار روسی مسلمان جو قازق کے نام سے مشہور ہیں، ہندوستان میں داخل ہوئے۔ ان کا بیشتر حصہ ٹیکسلا میں مقیم ہو گیا۔ اور چند گھر یہاں کیمبل پور میں بالکل میرے گھر کے سامنے آکر آباد ہو گئے۔ ان لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کے سارے کارواں میں جو دس ہزار نفوس پر مشتمل تھا۔ کوئی خواندہ فرد موجود نہیں۔ اور سستی و غلاظت کا یہ عالم ہے کہ ان میں سے اکثر ناک تک صاف نہیں کرتے۔ ان میں سے بعض مردار کا گوشت پکا کر کھا جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ گرمیوں میں میرے ہاں کسی صاحب نے مچھلی بھیجی بیگم الماری میں رکھ کر بھول گئیں۔ دو دن بعد جب اُس الماری کو کھولا، تو مچھلی میں کیڑے پڑ چکے تھے اور بدبو کا یہ عالم تھا کہ دماغ چکرا جاتا تھا۔ جب ملازمہ اس مچھلی کو باہر پھینکنے گئی تو روسیوں نے اُس سے چھین لی، اور کیڑوں سمیت کچی ہی کھا گئے ۔

ایک کہانی اور سُنیئے۔ ہمارے ہاں ربڑ کا ایک موم جامہ تھا۔ جو یونہی پڑے پڑے خراب ہو گیا۔ ہم نے اُسے اُٹھا کر گلی میں پھینک دیا روسی دوڑ کر آئے اور اُٹھا کر وہیں کھا گئے۔

غلامی سب سے بڑی لعنت اور ذلت و رسوائی کی آخری منزل ہے ایک غلام قوم کو مطالعۂ کائنات تو رہا ایک طرف، معمولی نوشت و خواند تک سے محروم رکھا جاتا ہے اور صرف اتنی تعداد کو پڑھایا جاتا ہے، جتنی حکومت کی مشینری چلانے کے لئے درکار ہو، ورنہ کوئی آقا برداشت نہیں کر سکتا کہ غلاموں کو پڑھا کر، اور اُن کی سوئی ہوئی طاقتوں کو جگا کر اپنے خلاف ایک محاذ پیدا کر لے۔ روسی اور چینی مسلمان اسی حکمتِ عملی کا شکار ہو رہے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ ان ممالک میں اجنبی سمجھے جاتے ہیں۔ اِس لئے انہیں مفلس و جاہل رکھ کر خودداری و شرافت کے تمام جذبات و احساسات سے بیگانہ بنا دیا گیا ہے تاکہ ان سے قلیوں اور مزدوروں کا کام لیا جا سکے۔ یہ سائنس کا زمانہ ہے۔ ہر ملک میں بیشمار کارخانے چل رہے ہیں، پُل بن رہے ہیں اور نہریں تعمیر ہو رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تعمیر و تخلیق کے لئے بے شمار مزدوروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس ضرورت کو روس اور چین میں مسلمان پورا کر رہے ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (نور ۵۵)

اللہ نے صالح عمل اور ایمان والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں دُنیا کا فرمانروا بنائے گا۔

یعنی آنے تمھے حکومت کرنے اہلاہدے ہیں گرے۔ سچ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ ۝ (نساء ۱۶۸/۱۶۹)

اللہ ظالموں اور کافروں کے گناہ معاف نہیں کیا کرتے، اور نہ جہنم کے بغیر کسی اور سمت کا انہیں راستہ دکھاتے ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں، اس ملک کے وہ مسلم عوام جو سترہی صدی اوہام پرستی میں گرفتار ہیں۔ وہ اپنے تمام معاملات، مشکلات اور امراض تک کا مداوا تعویذوں اور منتروں میں تلاش کرتے ہیں۔

اور وہ مولوی جو مسلمانوں کو ضعیف اور دُور از کار روایات سنا کر کافر بنا رہے ہیں۔ دعائے گنج العرش، دعائے جمیلہ اور نور نامہ وغیرہ کی تلاوت کا اجر اتنے لاکھ حجوں کی صورت میں دے رہے ہیں کہ مسلم دُنیائے عمل کو چھوڑ کر خانقاہوں میں گھس رہا ہے۔ یعنی یہ مردِ میدان ایک مُردہ دل زاہد اور یہ شیر بیشہ یزداں خفش بن رہا ہے۔

اور وہ مبلغ اور مناظر جو اسلام کی بین الاقوامی حیثیت سے قطعاً غافل، اسے ایک فرقہ یا گروہ ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں انہیں یہ حقیقت کون سمجھائے۔ کہ اسلام کے لفظی معنی ہیں "ماننا" یعنی خدائی احکام کو ماننا۔ چونکہ تمام الہامی صحائف میں اللہ کے احکام موجود ہیں، اسلئے اگر کوئی شخص انجیل ہی کے تمام یا اکثر احکام کی تعمیل کر رہا ہے تو وہ قرآن کی رُو سے مسلم ہے، اسلئے کہ احکامِ انجیل کی تعمیل دراصل قرآن

کی تعمیل ہے۔ دونوں کتابیں خدائی ہیں۔ احکام ایک ہیں، مذہب ایک ہے قانون ایک ہے۔ صرف زبانیں مختلف ہیں۔ اور یہی حال باقی کتابوں کا ہے۔ اسلئے قرآن کا سچا عامل تورات، انجیل اور زبور کا خود بخود عامل بن جاتا ہے۔ اسلام کا کام ہر مذہب کے نیک آدمیوں کو ایک مقصد کے لئے جمع کرنا ہے۔ کوئی نئی جماعت کھڑی کرنا منظور نہیں۔ آئے دن ملکی رسائل میں الہامی کتابوں کی تحریف و تردید پر مضامین نکلتے ہیں اور دیگر انبیاء کی وقعت کو گھٹا کر اپنے رسول کی برتری ثابت کرنے کے لئے مناظروں کے اکھاڑے جمائے جاتے ہیں۔ کاش! ہمارے مناظرین کو معلوم ہوتا کہ اُن کی یہ حرکت تعلیم قرآن کے منافی ہے۔ قرآن میں، قرآن سے پہلے کی تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا، نہ کہ تردید و تکذیب کا۔ ربّ کعبہ کو معلوم تھا۔ کہ اگر مسلمانوں نے دیگر انبیاء کو چھوٹا یا کمتر اور ان کی کتابوں کو محرّف یا غیر الہامی ثابت کرنے کی کوشش کی تو دیگر تمام قومیں مسلمانوں سے متنفر ہو جائیں گی۔ اور خدا یا رسولِ عربیؐ اور قرآن مقدس کی تکذیب پر مضامین اور کتابیں لکھیں گے۔ اور یہ اکھاڑے اسلام کی بین الاقوامی تعلیم کو سخت نقصان پہنچائینگے۔

میں کیا دیکھنا چاہتا ہوں

میں دیکھنا چاہتا ہوں، ایسے مسلمان جن میں تین خوبیاں ہوں:-

۱؎ یہ فتنہ جس کا آپ کو خطرہ ہے۔ پیشہ ور مناظرین کی "برکت" سے بہت مضبوط جڑیں پکڑ چکا ہے۔ اسکے نتیجے میں آئے دن کشت و خون، مقدمہ بازی اور بھولے بھالے فدایانِ رسولؐ کی شہادتیں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ (البیان)

(۱) اخلاق فاضلہ اخلاق کو دو بڑے بڑے شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اوّل وہ اخلاق جو حاکم و محکوم دونوں میں ہو سکتے ہیں۔ مثلاً عبادت، سچائی، خدمتِ خلق، تواضع، مہمان نوازی، ہمسایہ پروری، صلہ رحمی، والدین سے احسان وغیرہ۔ دوم وہ اخلاق جو فرمانروا اقوام میں بہت زیادہ اور محکوموں میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اتحاد، تنظیم، مالی و جانی قربانی، محنت، اولوالعزمی، رزق تلاش، تمام پستیوں سے نفرت اور زندگی کی تمام بلندیوں سے الہانہ عشق۔

تاتاریوں میں جہاں بھر کی بُرائیاں موجود تھیں۔ وہ پرلے درجے کے جاہل، اخلاق کے تمام ضوابط سے نا آشنا، سیاہ کار، لٹیرے اور خونخوار درندے تھے۔ لیکن اُن میں ایک خوبی یعنی تنظیم پائی جاتی تھی۔ اس خوبی کا انہیں صلہ یہ ملا کہ وہ تھوڑی سی مدت میں عراق، ایران، شام، مصر، ایشیائے خورد، ترکستان اور روس کے بہت بڑے حصے پر چھا گئے۔ اور خاندانِ عباسیہ کی سوا پانچ سو سالہ سلطنت فقدانِ تنظیم اور افراد کی تن آسانی کی بدولت صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی۔

ہمارے ہاں غلامانہ اخلاق کی تو کوئی کمی نہیں، ضرورت ہے شاہانہ اخلاق کی، یعنی سب سے پہلے تمام مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔ اتنی سی شکایت نہیں کہ وہ جھنڈا کسی عربی دولت کے ہاتھ میں ہو، یا انگریزی کے دولت کے مقصد یہ ہے کہ یہ بکھری ہوئی پتیاں مل کر ایک حسین چمنستان بن جائیں، اور یہ منتشر قطرے جمع ہو کر بحراوقیانوس کی مہیب لہروں کی شکل

اختیار کر لیں۔ تنظیم کے بعد جانی و مالی قربانی کا درجہ آتا ہے کہ ساری قوم امیر کا اشارہ پاتے ہی متاعِ جان و مال بلا دریغ لٹا دے۔

آزادی حاصل کرنا آسان ہے۔ لیکن اُسے قائم رکھنا مشکل ہے۔ یہ تبھی قائم رہ سکتی ہے۔ جب قوم کا ہر فرد محنتی ہو۔ کاہلی و تن آسانی ایک ایسا گناہ ہے جو اللہ نے آج تک کبھی معاف نہیں کیا۔ وہ دیکھو اسار ٹھ اور بیاد ول کی چلچلاتی دھوپ میں عین دوپہر کے وقت کچھ مزدور سڑک کھود رہے ہیں بعض سروں پر بوجھ اُٹھائے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کو جا رہے ہیں۔ وہ بڑے بڑے شہروں کے بازاروں میں دیکھو، سینکڑوں بھکاری گڑ گڑا کر اور اللہ کا ہزار ہزار واسطہ دے کر بھیک مانگ رہے ہیں۔ جانتے ہو یہ تمام کس گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں؟ کاہلی اور کام چوری کی۔ جب پڑھائی کا وقت تھا، تو یہ سکول میں داخل نہ ہوئے کہ چھ گھنٹے کی قید برداشت نہ کر سکتے تھے۔ نتیجۃً ان کی دماغی طاقتیں بیدار نہ ہو سکیں انسانیت نام ہی دماغی بیداری کا ہے۔ جب وہ انسان نہ بن سکے، تو لامحالہ انہیں جانوروں کی سی زندگی بسر کرنا پڑی۔ ایک جانور صرف اپنے ہاتھوں اور ٹانگوں کے بل پر ہی روزی کما سکتا ہے۔ مسلمانوں میں محنت کا فقدان نہایت ہولناک نتائج پیدا کر رہا ہے۔ ہر سو مسلمانوں میں صرف چار پانچ سکول میں داخل ہوتے ہیں۔ کچھ پرائمری میں تعلیم چھوڑ جاتے ہیں، کچھ مڈل میں پہنچ کر بھاگ جاتے ہیں۔ اور ایم اے تک تو ایک لاکھ مسلمانوں میں سے صرف ایک پہنچتا ہے۔ پھر یہ بی اے اور ایم اے بھی عجیب قسم کے ہوتے ہیں نہ اُردو جانتے ہیں نہ انگریزی نہ

مطالعہ کا شوق نہ لکھنے کا ذوق ، نہ فکر میں پرواز نہ نگاہ میں وسعت ، نہ علوم علم سے کوئی لگاؤ ، نہ فنونِ لطیفہ سے کوئی تعلق ، نہ ماضی پہ نظر ، نہ مستقبل کی فکر ، یعنی عجیب لااُبالی قسم کے انسان ہوتے ہیں۔ اوروں کو تو جانے دیجئے ، اپنے کالجوں کے پروفیسروں پر نگاہ ڈالیئے۔ تعلیمی لحاظ سے یہ بلند ترین انسان سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کتنے ہیں جو اپنی زبان یا ادب کی کوئی خدمت کر رہے ہوں۔ آزاد ممالک میں لفظِ پروفیسر کا مفہوم ہی یہی ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کا مصنّف ، ایک عظیم الشان محقق ، بلند پایہ مقالہ نگار ، اور فصیح البیان مقرر ہو۔ اس کے مقابلے میں ہمارے پروفیسر پرلے درجے کے کاہل ، تحقیق و تلاش سے متنفر اور فنِ تقریر سے عموماً کورے ہوا کرتے ہیں۔ ایسے پروفیسر ہمارے ادب ، تمدّن اور کلچر میں کیا اضافہ کر سکتے ہیں۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ کاہلی ، تن آسانی اور کام چوری کی وجہ سے مُسلمان علمی دُنیا میں کوئی امتیاز حاصل نہ کر سکے۔ اِن میں اٹھانوے فی صدی اَن پڑھ ہیں اور ان کے دو فیصدی پڑھے ہوئے اَن پڑھوں سے بدتر ہیں۔ اسی کاہلی کی بدولت مُسلمانوں کی تجارت کا جنازہ نکل گیا۔ ان کے بنک تھے ہی نہیں اور جو تھے ، وہ یا تو لُوٹ گئے یا بُری حالت میں زندگی کے باقی دن گزار رہے ہیں۔ بازاروں میں سودا بیچنے والے تقریباً سب ہندو ، اور سودا خریدنے والے بیشتر مسلمان۔ دفاتر میں[۱] حکومت کی کرسیوں پہ بیٹھنے والے بیشتر غیر مسلم

[۱] یہ مضمون جنوری ۱۹۴۷ء میں لکھا گیا تھا۔

اور باہر ٹینکوں کھینچنے، پانی ڈھونے اور باغوں میں ٹہلائی کرنے والے ساڑھے ننانوے فیصدی مسلمان جیلوں کے قیدی، پچانوے فیصدی مسلم اور جیلوں کے سپرنٹنڈنٹ اکثر غیر مسلم۔ مسلمانوں کی اس بدحالی و نگوں بختی کا ذمہ دار کون ہے۔ اُن کی اپنی کاہلی اور کام چوری۔

اس لیے میں دیکھنا چاہتا ہوں، ایسے مسلمان جو زندگی کی بلندیوں کی طرف یوں بڑھیں، جس طرح ساون کے گرجتے ہوئے بادل پیاسی کھیتیوں کی طرف بڑھتے ہیں، یا جس طرح بپھرے ہوئے سیلاب کا دھارا بستیوں کا رُخ کرتا ہے ہر مسلمان کا یہ ملکی، اخلاقی اور مذہبی فرض ہے کہ وہ عنفوانِ زندگی میں سب سے پہلے چند علمی منازل طے کرے، اس کے بعد حسبِ رجحان صنعت، تجارت، زراعت وغیرہ کی طرف نکل جائے، اور جہاں جائے وہیں اپنی محنت اور قابلیت کی وجہ سے نام پیدا کرے۔ اگر علمی دنیا میں اور آگے بڑھنا چاہتا ہو، تو ایم اے وغیرہ کو آخری منزل نہ سمجھ لے، بلکہ اس کا نصب العین موت کو شکست دینا ہو اور یہ تبھی ممکن ہے، جب وہ سعدی و رومی کی طرح چمن زارِ علم و ادب میں چند ایسے پھولوں کا اضافہ کر جائے، جن کی مہک اور لہک کو لیل و نہار کی کوئی گردش پیامِ فنا نہ دے سکے۔

جب تک مسلمانوں میں محنت کی خوبی موجود رہی، اُن میں غزالی، رازی، فارابی، کندی، رومی، سعدی اور تفتازانی جیسے ہزاروں علماء، حکماء، طبیب اور فلسفی پیدا ہوتے رہے۔ اور جب اُن سے یہ خوبی جاتی رہی تو اُن کے فاضل نکھٹو اور فارغ پھٹو بن کر رہ گئے۔

مسلمانو! یاد رکھو کہ اللہ کی تعزیرات میں سب سے بڑا جرم کاہلی ہے جس کی کم سے کم سزا ایک نہایت ذلیل، غلیظ اور لپست زندگی ہے۔

اِس وقت مسلمانانِ عالم کی تعداد ساٹھ کروڑ سے کم نہیں۔ لیکن اِن میں ڈھونڈے سے بھی دو غزالی یا فارابی نہیں مل سکتے۔ سچ پوچھو تو دنیا بھر میں ایک مسلمان بھی ایسا موجود نہیں، جس کے علم سے مفلوک الحال مسلمان کو کوئی ٹھوس فائدہ پہنچ رہا ہو۔ عہدِ حاضر میں زندہ رہنے کے لئے تین چیزوں کی سخت ضرورت ہے۔ ریاضیات، اقتصادیات اور طبیعیات اور انہی علوم سے مسلمانوں کو نفرت ہے۔ ہم میں نہ کوئی جیمز جینس ہے اور نہ آئن سٹائن کوئی نور نامے تک پڑھا ہوا ہے، اور کوئی ہیملٹ تک۔ ہم نے کتابِ کائنات کا ایک ورق تک نہیں اُلٹا۔ نتیجۃً کمزور ہو گئے اور :-

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

وہ کچہریوں میں ہمارے اہلکاروں پر نظر ڈالو۔ کس بُری طرح سے لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ اُن کا برتاؤ اہلِ حاجت کے ساتھ کتنا بُرا ہے۔ اپنی پولیس کو دیکھو، سبحان اللہ، طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔ اپنے انجینیروں اور اورسیروں کا مطالعہ کرو، یہ تمام طبقے رشوت میں چوٹی تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ عدالتوں کو دیکھو، ننانوے فیصدی گواہ اللہ کی قسم کھا کر جھوٹ بول رہے ہیں۔ اپنی مجلسوں اور صحبتوں کا مطالعہ کرو، ہر جگہ آٹھ دس بیفکرے اکٹھے ہو کر یا تاش بازی اور چوپٹ میں مشغول ہیں یا بٹیریں لڑا رہے ہیں یا چرس اور بھنگ پی رہے ہیں، اور یا کسی کی ماں بہن کے عشق و حمالی کا

تذکرہ کر رہے ہیں۔

ان بد اخلاقیوں میں سے اگر ایک دو بھی کسی حاکم قوم میں جمع ہو جائیں تو اس کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے ہاں تو اللہ رکھے "فضل تے سے سب کچھ موجود ہے۔ یعنی کسی تباہ کن بدی کا نام لیجئے، وہ مسلمانوں میں پورے شباب پر نظر آئے گی۔ یہودیوں میں صرف ایک دو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، اور ان کی داستانِ عظمت کو اللہ نے افسانہ بنا کر رکھ دیا تھا۔

عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (مائدہ ۶۳)

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً (مائدہ ۱۳)

چونکہ وہ جھوٹ بولتے، حرام کھاتے اور وعدے توڑتے تھے، ہم نے ان کو ملعون و مغضوب بنا کر ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نہایت انصاف پسند واقع ہوئے ہیں۔ وہ اعمال کو تول تول کر جزا و سزا کے احکام نافذ فرماتے ہیں۔ وہ ہر شخص کو خواہ یہودی ہو یا نصرانی، کواکب پرست ہو یا بُت پرست، ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے رہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ یہی یہودی اپنے بلند اعمال کی بدولت خیر الامم تھے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ

اے یہودیو! یاد کرو وہ دن، جب ہمارے انعامات کی تم پر بارشیں برسا کرتی

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (بقرہ - ۴۷)

تھیں۔ اور ہم نے تم کو افضل الناس (خیر الامم) بنا رکھا تھا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (اعراف ۱۳۷)

اللہ نے بنی اسرائیل پر مدح و تحسین کے بے اندازہ پھول برسائے تھے۔

اور آج اپنی بداعمالیوں کی بدولت شر الامم شمار ہوتے ہیں۔ تو وہ اللہ جو یونانیوں، کیانیوں، ساسانیوں، بابلیوں اور مصریوں جیسی صدہا اقوام کو بدعملی کی وجہ سے تباہ کر چکا ہے۔ وہ مسلمانوں کا کیوں لحاظ کرنے لگا۔

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران ۹۷)

مسلم ہو یا کوئی اور، اگر وہ منشائے الٰہی کے خلاف چل پڑے تو اسے اللہ تعالےٰ سزا دینے سے کبھی دریغ نہیں کرتے۔ وہ اہل عالم سے بے نیاز ہیں۔

مسجد میں مولوی صاحب کہتے پھرتے ہیں۔ اجی ہم رسول عربی کی اُمت ہیں۔ خدا صرف ہمارا ہے، وہ ہم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمارے تمام گناہوں کو معاف کر دیا کرتا ہے۔ بہشت کے تمام محل صرف مسلمانوں کے لئے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کیا یہودی کسی رسول کی اُمت نہ تھے؟ کیا ان کے پاس اللہ کی کتاب تورات موجود نہیں تھی؟ کیا انہیں یہ غلط فہمی نہیں ہو گئی تھی کہ خدا ہمارا ہے۔ اور بہشت ہماری ہے؟

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا

یہود کہتے ہیں کہ بہشت میں صرف یہودی

مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى ط (بقرہ۔ ۱۱۱)	داخل ہوں گے اور یہی دعویٰ نصاریٰ کا ہے۔

دوسروں کو بُرا کہنا ایک پُرانا مرض ہے۔ جو ہر قوم کو لاحق رہا ہے اور اب بھی لاحق ہے۔ آج دنیا میں ہزاروں فرقے ہیں، کسی کے پاس جائیے، اُس کے ہر فرد کا یہی خیال ہوگا۔ کہ دنیا میں صرف ہم راہ راست پر ہیں۔ اور باقی تمام انسانی آبادی گمراہ ہے۔ کوئی فرد اپنی قوم کے اعمال کا جائزہ نہیں لیتا، اور نہ اللہ کی سنّت اور منشاء کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، حیب اللہ کی عادت یہی ہے کہ وہ ہر عمل کا بدلہ دیتا ہے۔

اِنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ج (آل عمران ۱۹۵)	خدا تم میں سے کسی مرد یا عورت کا عمل ہرگز ضائع نہیں ہونے دیتا (بلکہ ہر عمل کا بُرا یا اچھا بدلہ مل کر رہتا ہے۔

اور ہر شخص اپنے کئے کا پھل پاتا ہے۔ تو پھر مسلمان خدا کو اپنے لئے کیسے مخصوص کر سکتے ہیں۔ جو شخص یا قوم زیادہ کام کریگی، اللہ اُسی کا بن جائیگا۔ آج سے بہت پہلے اللہ قوم بلند عمل یہودیوں کے ساتھ تھا، اُس کے بعد کارکن مسلمانوں کا دوست بن گیا، اور آج اہل یورپ کے ساتھ ہے، اِس لئے کہ اس وقت یورپ میں سب سے زیادہ کام ہو رہا ہے۔ کل جب اہل مغرب نالائق، جاہل، مفلس، تن آسان، تاش باز، شراب نوش، حرام خور اور جھوٹے بن جائیں گے۔ تو اُن کا بھی وہی حال ہوگا، جو کل یہودیوں کا ہُوا تھا۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ	کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے دُنیا

مِنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ (انعام ۶)

ہیں کیسی کیسی شاندار قومیں گزر چکی ہیں ہم نے انہیں وہ عظمت و ہیبت عطا کی تھی، جو تمہیں نہیں دی گئی۔ اُن کی کھیتیوں پر چھما چھم بارشیں برستی تھیں۔ اور اُن کے باغوں میں نہریں بہتی تھیں، لیکن جب وہ قومیں ہماری منشاء کے خلاف چلنے لگیں تو ہم نے انہیں مٹا دیا اور اُن کا وارث کسی اور قوم کو بنا دیا۔

مٹانے کا مطلب یہ نہیں کہ اُس قوم کا ہر فرد ہلاک ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد غلامی کی ذلیل و پست زندگی ہے۔

۱۔ علم علم کے بڑے بڑے شعبے دو ہیں۔ آرٹس (ادبیات، تاریخ، فلسفہ، منطق وغیرہ) اور سائنس یعنی ریاضیات، علم الکیمیا، علم الاجسام، علم طبقات الارض، علم المادہ، علم الہواء، علم العناصر، علم نسلِ النباتی، علم نباتات، علم حیوانات، علم جمادات، علم تعمیرات، علم الطبیعیات وغیرہ۔ ہمارے بچے اوّل تو پڑھتے ہی نہیں۔ اور اگر پڑھنے پر مجبور ہو جائیں، تو تن آسانی کی وجہ سے آسان آسان مضامین لیتے ہیں۔ مثلاً اردو، فارسی، عربی وغیرہ۔ اور طبیعیات کے قریب تک نہیں پھٹکتے۔ ہمارے نوجوانوں کی اس تن آسانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری کی ساری قوم جنرائیجرا نکالنے سے لے کر گراکش تک جاہل ہو گئی ہے۔ آج

دُنیا میں سب سے بڑی طاقت سائنس ہے۔ اور ہماری قوم جہالت کی وجہ اس طاقت سے محروم ہے۔ ہم میں کیمیا، عناصر، نباتات، جمادات اور طبقات الارض کے علماء کہیں بھی موجود نہیں۔ ہم تعمیر و تخلیق کے فن سے ناآشنا ہیں۔ نہ کوئی انجن بنا سکتے ہیں، نہ اسے سمجھ سکتے ہیں۔ کسی ندی نالے پر پُل نہیں باندھ سکتے، سائیکل کا پیچ تک نہیں بنا سکتے، یعنی انہیں سے دست و پا جاہل مطلق اور قدم قدم پر یورپ کے دستِ نگر[1] ہیں۔ کیا آپ نے قرآن حکیم کی اس آیت پر کبھی غور کیا ہے :-

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (انفال ۶۰)	تم اپنے آپ میں وہ طاقت پیدا کرو اور تمہارے تھانوں پر گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہوں کہ تمہارا نام سُن کر اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن غش کھا جائیں۔

قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمانانِ عالم کے کسی گروہ میں آج یہ طاقت موجود ہے؟ جواب صاف ہے کہ نہیں۔ تو پھر ہم مسلمان کیسے ہی

---

[1] ایک اسلامی ریاست کے وزیر اعظم سے ایک امریکن نے اُس کی ریاست کی مردم شماری پوچھی۔ اس نے جواب دیا "واللہ اعلم بالصواب" صاحب عالم امریکن حیران ہوا کہ یہ اُس قوم کا خلف ہے، جس نے کبھی آسمان کے تارے گن ڈالے اور سمندر کی تہیں ناپ لی تھیں۔ (البیان)

گئے؟ مسلمان کا کام بدی، شرارت اور فتنہ سامانی کے خلاف جہاد کرنا ہے :-

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (انفال ۳۹)	تم اُس وقت تک اُن سے جہاد کرو کہ آتشِ فتنہ فرو ہو جائے۔

اور خلقِ خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا ہے۔ اگر ہمارے پاس ٹینک، اٹیم بم، ہوا مار توپیں، سمندر کی سرکش لہروں کو روندنے والے جہاز، اور ہوا سے آگ اور موت برسانے والے طیارے نہیں ہونگے، تو ہم اِن سرتاپا مسلح دشمنوں کے خلاف جہاد کیسے کریں گے؟ جہاد تو سہی، اُن کے حملوں کو کس طرح روکیں گے؟ اور اگر ہم اجسام، عناصر، کیمیا اور تعمیرات وغیرہ کے ماہر نہیں ہیں، تو لوگوں کو فائدہ کیسے پہنچائیں گے؟ پُل کون بنائے گا؟ نہریں کون کھودے گا؟ کارخانے کون چلائے گا؟ رصدگاہیں اور تجربہ گاہیں کون کھولے گا؟ کائنات کا سینہ چیر کر خزائن و دفائن کون نکالے گا، اور مظاہرِ فطرت کی چلمن سرکا کر شاہدِ فطرت کے جمالِ جہاں آرا کا تماشہ کون دیکھے گا؟

آج دُنیا کی مہیب طاقتیں تین ہیں۔ انگلینڈ، روس اور امریکہ۔ جب ان میں سے کسی کے عساکرِ قاہرہ کسی ملک کا رُخ کرتے ہیں۔ تو اس ملک کے ہر ہر قدم سے صدائے الامان بلند ہونے لگتی ہے۔ کئی لاکھ پیدل فوج ساتھ چالیس پچاس ہزار ٹینک، توپیں، مشین گنیں، لاریاں، ٹرک اور ہوا میں تیس ہزار موت برسانے والے طیارے۔ اس سیلابِ مرگ و ہلاکت کے مہیب شور سے قوموں کے دل دہل جاتے ہیں۔ اور ساری

کائنات لرزہ بر اندام ہو جاتی ہے۔ انصافاً کہو کہ قرآن حکیم کی اس قوت عالی ہدایت پر یہ ممالک عمل کر رہے ہیں یا مسلمان؟ کہ جن میں پاجامے سے جوتیں تک نکالنے کی ہمت نہیں، اور جن کا کام ہے آج طاقت کے سامنے جھکنا، اہلِ مغرب کی عبادت کرنا اور آئے دن نئے آقا تلاش کرنا:

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ (حشر ۱۹)	یہ خدا کو بھول گئے سو اللہ نے ان کو اس قدر از خود رفتہ بنا دیا کہ انہیں اپنی بھی خبر نہ رہی۔

۳۔ دولت

دولت کی دو قسمیں ہیں: شخصی جائداد مثلاً زمین، مکانات، کارخانے وغیرہ اور کائناتی دولت یعنی پٹرول، فولاد، کوئلہ، المونیم وغیرہ۔ پہلی قسم کا تعلق افراد سے اور دوسری کا جماعت سے ہے۔ ایک متمدن قوم کے افراد کا آسودہ حال ہونا سخت ضروری ہے، بھوک تمام جرائم کی ماں ہے۔ چوری، فریب، پستیٔ اخلاق، غلاظت، تعفن، امراض، بدصورتی اور جہالت افلاس کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اور خوش حالی، اعلیٰ تمدن، بلند تعلیم، عمدہ معاشرت، شاندار کیریکٹر اور جاذب شخصیت کے وسائل مہیا کرتی ہے۔ جس طرح پانی کے بغیر وضو نہیں ہو سکتا، اور بلا وضو نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ اسی طرح مال کے بغیر ایک مسلم زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اور اس طرح وہ اسلام کے ایک اہم رکن کا عملاً تارک بن جاتا ہے۔

ہمارے جاہل مولویوں نے ترکِ دنیا پر اس قدر خطبے دیئے کہ ساٹھ کروڑ میں سے پونے ساٹھ کروڑ مسلمان قلاشِ محض بن کر رہ گئے۔ پھر مفلسی نے اُن میں جہان بھر کی عفونتیں اور غلاظتیں پیدا کر دیں۔ کشمیر، سرحد، خیبر، چین، اور روس کے مسلمانوں کو دیکھو۔ ظاہر کتنا گھناؤنا اور باطن کتنا تاریک ہے بوجھ اُٹھا کر یا ڈاک کے ڈال کر روٹی کماتے ہیں۔ دماغی قوٰی بالکل خوابیدہ، انسانیت قطعاً مردہ اور بلند احساسات سے یکسر بیگانہ۔ جہالت نے ان کا اور ان کی انسانیت کا حلیہ بگاڑ رکھا ہے۔ نہ سیاسیاتِ عالم سے کوئی تعلق، نہ رفتارِ زمانہ سے کوئی واسطہ، نہ مقصدِ انسانیت کی کوئی خبر، نہ تہذیب و تمدن سے کوئی رابطہ۔ یہ انسان ہیں یا انسانی پیکر میں وال چپاتی کھانے والے جانور؟

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مسلمان جاگیں؟ گرد و نواح کا مطالعہ کریں، صنعت و تجارت کی طرف راغب ہوں، دولت کمائیں، کارخانے چلائیں، اور طاقتور بن کر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کریں؟ کب تک یہ ذلیل اور پست زندگی، کب تک یہ پنکھے کھینچنا، بوجھ اُٹھانا، دوسروں کے کنوئیں کھودنا، تنور تاپنا، خانساموں، بیہروں اور چپڑاسیوں کے فرائض سر انجام دینا۔ اُٹھو! قبل اس کے کہ تمہیں ہمیشہ کے لیے نوکر بنا دیا جائے۔ جاگو! اس وقت سے پہلے کہ تمہیں ہمیشہ کے لیے مٹا دیا جائے۔ اور طاقت کے سامان پیدا کرو۔ اس گھڑی سے پہلے کہ تمہیں ہندوستان سے لاشوں کی طرح اُٹھا کر کوہستانِ خیبر کے اس طرف پھینک دیا جائے۔

باقی رہی کائناتی دولت، تو اس کے فوائد اس قدر واضح ہیں کہ مجھے کسی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ کتنی طاقتور ہیں وہ قومیں، جن کے پاس لوہا، کوئلہ اور پٹرول کے لیے اندازہ ذخائر موجود ہیں اور کتنی کمزور ہیں وہ قومیں، جو ان اشیاء کے استعمال سے آگاہ نہیں ہیں۔ اس موضوع پر اگر آپ سیر حاصل تبصرہ چاہتے ہیں تو ملاحظہ فرمائیے میری تصنیف "دو قرآن"[1]

خاتمہ جس قوم میں یہ تین خوبیاں پیدا ہو جائیں یعنی بلند اخلاق علم اور دولت۔ اُسے دنیا کی کوئی طاقت ایک گھڑی کے لئے بھی محکوم نہیں رکھ سکتی۔

---

[1] ملنے کا پتہ:۔ کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور۔

(۹)

فدیہ صیام

فدیہ کے معنی ہیں کفارہ، سزا، عوضانہ، جرمانہ۔ قرآن میں بعض فروگذاشتوں کے لئے فدیہ مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً

(۱) وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ (قرآن شریف)

حج کے دوران میں جب تک قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے سر مت منڈواؤ۔ ہاں اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اُس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ روزہ، صدقہ یا قربانی کی صورت میں فدیہ ادا کرکے سر منڈا سکتا ہے۔

(۲) زن و شوہر کو حکم ہے کہ وہ حسن سلوک سے گذارہ کریں۔ لیکن اگر ناچاقی ہو جائے مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلتی ہو۔ اور زوجہ طلاق لینے پر مصر ہو تو وہ فدیہ دے کر طوقِ زوجیت سے خلاصی کرا سکتی ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ

اگر یہ خطرہ ہو کہ زن و شوہر حدود الٰہی کی پابندی نہ کر سکیں گے تو بیوی فدیہ دے کر شوہر سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ اور اسمیں کوئی حرج نہیں

(۳) وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا۔

اگر کوئی شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر ڈالے تو اُس کی سزا یہ ہے کہ وہ ایک مسلمان، غلام یا لونڈی کو آزاد کرے نیز وارثینِ مقتول کو خون بہا دے۔ ہاں اگر وارث معاف کر دیں تو اور بات ہے۔

(۴) وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا۔

جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھتے ہیں اور پھر نادم ہو جاتے ہیں۔ وہ بیویوں کو چھونے سے پہلے ایک غلام یا لونڈی آزاد کریں۔ یہ ہمارا حکم ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔ اگر غلام نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھیں۔ اگر اس کی بھی ہمت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائیں۔

وضاحت کے لئے یہ چار امثلہ کافی ہیں۔ ان آیات میں کسی نہ کسی لغزش کا ذکر کرنے کے بعد فدیہ کی صورت میں تلافی کی ہدایت کی گئی ہے تو گویا فدیہ، سزا، یہ کفارا ہے کسی لغزش کا۔ یا کسی فرض کو سرانجام نہ دینے کا۔ اپنے فرض کو پورا نہ کرنے والا یقیناً مجرم ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی اس کوتاہی کا وہی کفارہ ادا کر دے۔ جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ تو وہ اللہ کی نگاہ میں مجرم نہیں رہتا۔ احرام کی حالت میں سر منڈانا جُرم ہے۔ لیکن اگر کوئی حاجی مجبور ہو جائے

اور کفارہ ادا کر دے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی نگاہ میں مجرم نہیں رہے گا۔ ناحق قتل کی سزا۔ یہاں موت ہے اور عقبیٰ میں جہنم۔ لیکن اگر قاتل خون بہا ادا کر دے۔ تو وہ یہاں موت سے بچ سکتا ہے اور آخرت میں جہنم سے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ آپ قاتل سے خون بہا بھی لے لیں اور اسے موت کی سزا بھی دیدیں۔ خون بہا مقتول و قاتل ہر دو کی زندگی کی قیمت ہے قاتل نے پانچ یا دس ہزار روپیہ دے کر جہاں مقتول کی زندگی کی قیمت ادا کردی وہاں ورثائے مقتول سے اپنی زندگی بھی خرید لی۔

ان تمہیدی سطور کے بعد آیئے ذرا آیاتِ صیام پر غور کریں۔ اور دیکھیں کہ کیا تارک الصیام کوئی فدیہ دے کر اپنی کوتاہی کی تلافی کر سکتا ہے؟

قرآن حکیم میں صیام پر صرف چار آیات ہیں جو پارۂ دوم کے چھٹے رکوع میں یک جا دی ہوئی ہیں۔ تیسری آیت جس کا تعلق مباشرت و اوقاتِ صیام سے ہے۔ ہمارے مبحث سے خارج ہے۔

پہلی تین آیات یہ ہیں:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ

تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے۔ یہ اس لیے کہ تم متقی بنو۔ روزے چند دن ہیں۔ اگر تم بیمار یا مسافر ہو تو رمضان کے بعد گنتی پوری کرو۔ اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں

طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا
فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ
لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۞ شَهْرُ
رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ
هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ
الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ
مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ
كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ
مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ
لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ
مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۔

(اور پھر نہیں رکھتے) وہ فدیہ ادا کریں۔ یعنی (ہر روزہ کے عوض) ایک غریب کو کھانا کھلائیں۔ اگر وہ زیادہ خیرات کرنا چاہیں۔ تو ان کے لئے زیادہ اچھا ہے۔ اور بہتر تو یہی ہے۔ کہ تم (فدیہ کی جگہ) روزے رکھو۔ اگر صاحب علم ہو۔

ماہ رمضان میں قرآن نازل ہوا۔ جو دنیائے انسانی کے لئے ہدایت۔ دلیل ہدایت اور فرقان ہے۔ اگر تم رمضان کو پالو (سکان قطبین نہیں پا سکتے) تو روزے رکھو۔ اور بحالت سفر و مرض باقی ایام میں گنتی پوری کر لو۔ اللہ تمہارا سکھ چاہتا ہے دکھ نہیں چاہتا۔ گنتی کو پورا کرو۔ اور اس ہدایت کے بعد اللہ کی عظمت بیان کرو نیز شکریہ ادا کرو۔

آیات بالا میں یطیقونہ تشریح طلب ہے بعض مفسرین لکھتے ہیں، کہ اَطَاقَ یُطِیْقُ باب افعال ہے جس کا ایک خاصہ سلب ماخذ (نفی) بھی ہے اس لئے یطیقون کی تفسیر ہوگی لا یطیقون یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے مثلاً ضعیف، بوڑھے۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں وغیرہ۔

یہ تفسیر بہ وجوہ محلِ نظر ہے۔

اوّل۔ باب اِنفعال کا خاصہ صرف سلبِ ماخذ ہی نہیں۔ بلکہ چند اور خواص بھی ہیں۔ مثلاً

تعدیۂ (لازم کو متعدی بناکر دو مفعول لانا)

تصییرٌ (کسی چیز کو صاحبِ ماخذ بنانا)

بلوغٌ (ماخذ میں آنا)

مبالغہ (کسی شے کی کیفیت بہ مبالغہ بیان کرنا)

وجدانٌ (کسی چیز کو ماخذ کے ساتھ متّصف پانا)

تعریضٌ (مفعول کو محلِ ماخذ میں لے جانا)

حینونت (کسی چیز کا ماخذ کے وقت کو پہنچنا)

مطاوعتِ فِعل (فعل کے بعد اس غرض کے لئے استعمال کرنا کہ مفعول فاعل کا اثر قبول کر چکا ہے۔ بَشّرتہٗ فابْشَرَ)

نسبت بہ ماخذ (کسی چیز کو ماخذ کی طرف منسوب کرنا اکفرتُ نمیلَہا)

اِن تمام خواص کو چھوڑ کر یطیقونہٗ کو صرف سلبی معنوں میں استعمال کرنے کے لئے زبردست قرینہ درکار ہے۔ جو یہاں موجود نہیں۔ مزید یہ آں جب یُطیقون ایجابی معنوں میں استعمال ہوکر ایک نہایت مفید ہدایت ہم تک پہنچا رہا ہے۔ اور یہ ہدایت کسی اور نص سے متصادم نہیں ہو رہی اور نہ تقاضائے ید تقویٰ کے خلاف ہے (تفصیل آگے آرہی ہے) تو اسے خواہ مخواہ ایجابی معنوں سے محروم کرنا درست نہیں۔

سوم:۔ قرآن عربوں پہ اترا تھا۔ وہ اپنی زبان کے اسماء افعال کے خواص سے پوری طرح آشنا تھے۔ اور الفاظ کے تمام پہلوؤں پہ ماہرانہ نظر رکھتے تھے۔ آیئے ذرا تاریخ کی ورق گردانی کریں۔ اور دیکھیں کہ خود صحابۂ کرام نے اس آیت (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ الخ) کا مفہوم کیا سمجھا تھا؟ بخاری میں درج ہے:۔

وقال ابن نمیر حدثنا الاعمش حدثنا عمرو بن مرۃ حدثنا ابن ابی لیلیٰ حدثنا اصحاب محمد صلعم نزل رمضان فشق علیهم فکان من اطعم کل یوم مسکینًا ترک الصوم ممن یطیقه ورخص لهم فی ذلک فنسختها وَاَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ۔ فامروا بالصوم۔ (صحیح بخاری طبع مطبع عثمانیہ مصر ۱۳۵۱ھ کتاب الصوم ص۲۲۸ ج اول) ابن نمیر اعمش سے وہ عمرو بن مرہ سے۔ وہ ابن ابی لیلیٰ سے اور ابن ابی لیلیٰ صحابہ کرام سے راوی ہے کہ جب رمضان کے متعلق آیات اتریں اور صحابہ کو روزہ رکھنے میں تکلیف محسوس ہونے لگی۔ تو ان میں سے بعض کسی غریب کو کھانا کھلا دیتے۔ اور طاقتِ صوم کے باوجود روزہ نہ رکھتے۔ رسول اکرم صلعم نے انہیں اس سہولت کی اجازت دے رکھی تھی لیکن اس آیت وَاَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ (اگر تم روزہ رکھ لو تو بہتر ہے) نے اس سہولت (فدیۂ صیام) کو منسوخ کر دیا۔ اور تمام صحابہ روزہ دار بن گئے۔

اس حدیث سے مندرجہ ذیل نتائج واضح طور پہ نکلتے ہیں:۔

(۱) کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام (جن پہ قرآن نازل ہوا تھا) سب نے یطیقونہ کا مفہوم یُطِیْقُوْنَ ہی سمجھا تھا۔ نہ کہ لا یُطِیْقُوْنَ۔

(۲) کہ حضور علیہ السلام نے اس آیت کے مطابق صحابہ کو اجازت دے رکھی تھی کہ جو لوگ روزہ نہ رکھنا چاہیں۔ وہ فدیہ دے کر جان چھڑا لیں۔

(۳) کہ صحابہ اس سہولت سے مستفید ہوتے رہے۔ لیکن راوی کہتا ہے کہ یہ رعایت وَاَنْ تَصُوْمُوْا کی آیت نے منسوخ کر دی تھی۔ راوی کی یہ رائے بہ وجوہ قابل اعتراض ہے۔

(۱) یہ راوی کی اپنی رائے ہے۔ راوی ایک عام انسان ہے۔ اس پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ نہ اللہ نے اسے تنسیخ آیات کے اختیارات دے رکھے ہیں۔ اور نہ رسالت پناہ کا کوئی ایسا فرمان موجود ہے کہ فلاں راوی آیات کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اسلئے راوی کا یہ فیصلہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

(۲) تنسیخ آخری حربہ ہے۔ جو ایسے متباین و متعارض احکام پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں کوئی تاویل تطبیق پیدا نہ کر سکے۔ اور آیات زیر بحث میں تباین موجود ہی نہیں۔ آیات کا مفہوم اتنا صاف ہے کہ تصادم کا خیال تک نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھنے کے باوجود روزہ نہ رکھتے ہوں۔ وہ فدیہ ادا کریں۔ لیکن اگر وہ روزہ رکھ لیں تو بہتر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ راوی کو کونسی مشکل پیش آئی۔ کہ ایک ہی آیت کا ایک ٹکڑا جو غالباً ایک سیکنڈ پہلے اترا ہوگا، منسوخ کر ڈالا۔ غالباً راوی نے یہ مفروضہ قائم کر لیا تھا کہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ والا حصہ دو چار سال پہلے نازل ہوا تھا پھر "وان تصوموا" اترا۔ اور وہ رعایت منسوخ ہو گئی۔ حالانکہ یہ دونوں ہدایات ایک ہی آیت میں موجود ہیں اور مضمون بھی ہر لحاظ سے مسلسل ہے پھر

ہم یہ کیسے فرض کرلیں کہ فدیہ والی رعایت کا اعلان دو چار سال پہلے ہوا تھا، اس تمام عرصہ میں یہ آیت نامکمل پڑی رہی۔ اور ایک دن اچانک عرش کی بلندیوں سے یہ صدا گونجی کہ

وان تصوموخیر لکم

فوراً آیت کا پہلا حصہ منسوخ ہوکر رہ جا پڑا، اور آیت مکمل ہوگئی۔

ہم اس راوی اور دیگر قائلین نسخ سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں۔ کہ اگر یہ رعایت منسوخ ہوگئی تھی، تو رسول اللہ صلعم نے اسے قرآن میں کیوں رہنے دیا۔ جس طرح (بقول بخاری) رجم کی آیت منسوخ ہونے کے بعد قرآن سے نکال دی گئی تھی اسی طرح اس آیت کو بھی قلمزد کردیا جاتا، یا قرآن کے ساتھ منسوخ شدہ آیات کی فہرست لگادی جاتی تاکہ جو لوگ صحیح بخاری پڑھے ہوئے نہیں، وہ اس منسوخ شدہ آیت سے دھوکہ نہ کھاتے۔ اور فدیہ کو صوم کا کفارہ نہ سمجھتے۔

اور یہ بھی تو فرمایئے کہ اگر اس رعایت کو منسوخ تصور کریں تو وَاَن تصوموا کا مفہوم کیسے سمجھ میں آسکے گا۔ موجودہ صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہے۔

جو لوگ بلا عذر روزہ نہیں رکھتے۔ وہ فدیہ دیں لیکن روزہ فدیہ سے بہتر ہے۔ اگر پہلا حصہ اُڑادیں تو آیت صرف اتنی رہ جائے گی۔

"لیکن روزہ بہتر ہے"

سوال پیدا ہوگا کہ کس چیز سے بہتر ہے؟ پہلا حصہ تو منسوخ ہوگیا فدیہ کا قصہ ہی ختم ہوگیا۔ اب اس قدرتی سوال کا آپ کیا جواب دینگے؟ مجبوراً یہی کہیں گے کہ فدیہ سے بہتر ہے تو گویا آپ کیلئے بغیر اس کے اور کوئی چارہ ہی موجود نہیں کہ

فدیہ والی آیت کو زندہ اور قابلِ عمل حکم تسلیم کر کے اَنْ تَصُوْمُوْا کو اس کا ایک حصّہ قرار دیں۔ یہی ہم کہہ رہے ہیں اور یہی ہے فیصلہ صحیح بخاری کے شارح علامہ قسطلانی کا حدیث زیرِ نظر کی شرح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

قَوْلُہٗ فَنَسَخَتْهَا وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ فِیْ کَوْنِہٖ نَاسِخًا نَظَرٌ (بخاری حاشیہ ص۲۴۸)

(راوی کی یہ رائے کہ اَنْ تَصُوْمُوْا سے رعایتِ فدیہ منسوخ ہوگئی محلِ نظر ہے)

(۳) بغرضِ بحث ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ اللہ نے پہلے فدیہ والی آیت اُتاری اور بعد میں منسوخ کر دی۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں۔ کہ پہلے اُتاری کیوں تھی۔ آپ یہی کہیں گے۔ کہ عربوں کو روزے کی طرف بتدریج مائل کرنے کے لئے۔ کہ انہوں نے پہلے کبھی رکھے نہیں تھے۔ بہت اچھا! لیکن کیا ہم دریافت کر سکتے ہیں، کہ یہ رعایت صرف چند صحابہ کو کیوں دی گئی۔ اور بعد کے کروڑوں نومسلم اس سے کیوں محروم کر دیئے گئے۔ اگر صحابہ نومسلم ہونے کی وجہ سے روزے کو ایک مشکل فرض سمجھتے تھے۔ تو ایران، ہندوستان، افریقہ، چین اور روس کے نومسلموں کے متعلق یہ کیوں فرض کر لیا گیا۔ کہ یہ سب کے سب روزہ داری کے فن میں بڑے مشاق واقع ہوئے تھے اور انہیں کسی رعایت یا سہولت کی ضرورت نہ تھی۔ اور کیا خیال ہے۔ اُس نوجوان مسلم کے متعلق جو سنِ بلوغ کو پہنچ کر جون کے سخت رمضان میں پہلی مرتبہ روزے رکھتا ہے۔ اُسے روزے کی سابقہ مشق بھی نہیں۔ فرمایئے وہ رعایتِ فدیہ کا کیوں مستحق نہیں۔ اور چند صحابہ میں اس نوازش کا استحقاق کہاں سے پیدا ہو گیا تھا؟ اگر آپ یہ کہیں کہ اللہ نے پہلے یہ رعایت دی اور جب دیکھا کہ صحابہ کرام اس رعایت سے دھڑا دھڑ فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ اور کوئی روزہ

نہیں رکھتا۔ تو واپس لے لی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کو نہ تو صحابہ کی استعداد و صلاحیت کا علم تھا اور نہ وہ اس رعایت کے نتائج سے (خاکم بدہن) آگاہ تھا اس لئے ایک غلط حکم جاری کر کے فوراً واپس لے لیا۔ تاکہ نظامِ ملت درہم برہم نہ ہو جائے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اس غلط منطق کے نتائج کتنے پریشان کن ہیں۔

(۴) اللہ کا دعویٰ ہے۔

نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (قرآن)

(ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے)

لیکن حدیث ہمیں بتاتی ہے۔ کہ آیۂ رجم قرآن میں موجود تھی اور بعد میں کسی نے نکال دی (موطا و بخاری) سورۂ واللیل کی آیات میں تحریف ہو گئی ہے (صحیح مسلم) شہدائے بئر معونہ کے متعلق جو آیات اتری تھیں۔ وہ آج قرآن میں موجود نہیں۔ (بخاری و مسلم) حافظوا على الصلوات والصلوٰۃ العصر کی آیت منسوخ ہو گئی اور العصر کی جگہ الوسطی نے لے لی ہے۔ (مسلم) فدیۂ صیام والی آیت منسوخ ہو چکی ہے (بخاری) اور بیسیوں دیگر آیات منسوخ الحکم ہیں۔ اگر یہ احادیث درست ہیں۔ تو پھر اللہ کا وعدۂ حفاظت قرآن کہاں گیا۔ اور ہم کس منہ سے دنیا کو کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہمارا قرآن ہر لحاظ سے مکمل، صحیح، جامع اور محفوظ ہے۔ ایسا محفوظ کہ

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ

(جس میں باطل کسی راہ سے داخل نہیں ہو سکتا)

مگر قرآن کی کئی آیات غائب ہو چکی ہیں۔ بعض محرّف ہیں۔ اور بیسیوں مگر موجود ہیں لیکن قابلِ عمل نہیں یعنی منسوخ ہیں۔ تو پھر قرآن کا دعویٰ صحت و حفاظت کیسے درست ہو سکتا ہے؟

(۵) ہمارے عام علما میں دقتِ نظری کا ہمیشہ فقدان رہا ہے۔ جہاں کہیں دو آیات کے مفہوم میں ظاہری تصادم نظر آیا۔ جھٹ ایک منسوخ کر دی۔ حالانکہ تمام الہامی صحائف کا اسلوبِ بیان قدرے پیچیدہ ہوتا ہے۔ اور ایک سطحی النظر انسان کو جابجا متصادم افکار و احکام ملتے ہیں۔ اس ظاہری تصادم کو حصولِ علم۔ غور و فکر اور حقائق کونی کے مطالعہ سے دور کیا جا سکتا ہے۔ امام فخر الرازی کے زمانے میں نہ تو علم میں یہ وسعت تھی۔ اور نہ اسرارِ آفاق یوں عریاں ہوئے تھے۔ اسلئے قرآن کا طالب العلم متصادم نظریوں سے گھبرا کر ناسخ و منسوخ کی پناہ لیا کرتا تھا۔ آج کہ آدمِ جدید کا دستِ رسا مصحفِ قرآنی کے دامنِ جلال تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ آج کہ اس نے ستاروں کی بکھری بکھری محفل۔ کوہساروں کی بلند و پست چوٹیوں اور کائنات کے غیر مربوط مناظر میں وحدت و نظم اور ربط و ہم آہنگی کی ایک دنیا دیکھ لی ہے۔ صحیفۂ الٰہی کی سطحی بے آہنگی اسے کیوں کر پریشان کر سکتی ہے؟

اگر ہم اس ظاہری تصادم کی بنا پر آیات کو منسوخ کرنے بیٹھیں۔ تو سارے قرآن سے ہاتھ دھونا پڑیں۔ مثلاً یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ جس اللہ نے قرآن میں رسول صلعم اور صحابہ کرام کی تعریف کی ہے۔ وہ خود تمام تعریفوں کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(تمام تعریفوں کے قابل اللہ ہے) کو منسوخ سمجھیے۔ اسی طرح اِیَّاکَ نَعْبُدُ منسوخ ہو چکی۔ اس لئے کہ خدا نے آدم کو فرشتوں کا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اُن کے بھائیوں کا مسجود بنا ڈالا تھا۔ تو معلوم ہوا صرف خدا ہی ہمارا مسجود نہیں اور بھی ہیں۔ اسی طرح جو اللہ ایک جگہ یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ (جسے اللہ چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) کا اعلان کرتا ہے۔ وہ دوسری جگہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ (جس کا جی چاہے ہدایت حاصل کرے اور جس کا جی چاہے گمراہ بنے) اسلیئے ایک آیت کو منسوخ تصور کرنا پڑے گا۔ الغرض دس بیس نہیں سینکڑوں مقامات قرآن میں ایسے ہیں۔ جن میں سطحی تصادم نظر آتا ہے۔ تو کیا ہم ان تمام آیات کو منسوخ کر ڈالیں۔ اور ساتھ ہی قرآن کی صحت، حفاظت، تکمیل اور جامعیت کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتے جائیں۔ دُنیا سنے گی تو کیا کہے گی۔

ایک مثال

فرض کیجیئے کہ فضائی فوج کا ایک سالار ایک ہوا باز کو چند تحریری ہدایات دے کر کہتا ہے۔ کہ جاؤ گلگت کی محصور فوج کو راشن پہنچاؤ۔ اگر راہ میں بلند پہاڑوں، برفوں، بادلوں، بجلیوں وغیرہ کی وجہ سے کوئی دِقت پیش آئے۔ یا دشمن کے طیارے حملہ کر دیں۔ یا کہر میں پھنس جاؤ۔ تو ان ہدایات کو پڑھو۔ یہ ہدایات ہر لحاظ سے مکمل ہیں۔ اور ان کے ساتھ راہ کا نقشہ بھی شامل ہے۔

ہوا باز ہدایت کو غور سے پڑھتا ہے۔ اور پھر مندرجہ ذیل گفتگو ہوتی ہے:

ہوا باز۔ لیکن حضور! آپ نے ہدایات میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ دل کے ڈیڑھ

نیچے سری نگر کے اڈے پر اُترو۔ کیا وہ دشمن کے قبضے میں نہیں؟

سالار۔ ہاں ہے۔ لیکن یہ ہدایت منسوخ سمجھو۔

ہوا باز۔ تو کیا میں اسے کاٹ دوں؟

سالار۔ ہرگز نہیں۔ اگر ایک لفظ بھی کاٹا تو تمہارا کورٹ مارشل کر دیا جائے گا!

ہوا باز۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ منسوخ ہدایت کو نہ تو میں کاٹ سکتا ہوں اور نہ اس پر عمل کر سکتا ہوں۔ آخر اس ہدایت کو یہاں لکھنے کا مقصد کیا تھا؟

سالار۔ بکومت۔ ورنہ ......

ہوا باز۔ لیکن کیا حضور! میں ایک الگ کاغذ پر لکھ کر کہ فلاں ہدایت بیکار ہے۔ کتابچہ ہدایات کے ساتھ منسلک کر سکتا ہوں؟

سالار۔ ہرگز نہیں۔

(ہوا باز دیگر ہدایات کا مطالعہ کرتا ہے)

ہوا باز۔ اور حضور! یہ چند ایک ہدایات بڑی عجیب سی ہیں۔

سالار۔ (کڑک کر) مثلاً

ہوا باز۔ مثلاً یہ کہ ہوا میں جب چاہو پٹرول بند کر دو۔ پہاڑوں میں زیادہ سے زیادہ دس فٹ کی بلندی پر پرواز کرو۔ چلتے طیارے میں جب چاہو سو جاؤ۔ اور ......

سالار۔ خرافات بند کرو۔ یہ سب منسوخ شدہ ہدایات ہیں۔

ہوا باز۔ لیکن حضور جب اس کتابچہ میں اس قدر منسوخ یعنی ناقابل عمل ہدایات درج ہیں۔ تو کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ یہ ہدایت نامہ ہر لحاظ سے صحیح اور مکمل کیسے ہوا ؟

سالار۔ ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ بحث بند کرو۔ طیارہ میں بیٹھو، اور چلتے بنو۔

ہوا باز۔ لیکن جنابِ والا! میں ایسے ہدایت نامہ کے ساتھ کیسے روانہ ہو سکتا ہوں۔ جس میں بیسیوں ناقابلِ عمل، خطرناک اور منسوخ ہدایات درج ہیں۔ اور پھر کوئی ایسی فہرست بھی ساتھ شامل نہیں، جس سے میں منسوخ و غیر منسوخ میں امتیاز کر سکوں۔ ان ہدایات کے ساتھ اُڑنا خودکشی سے کم نہیں۔ اسلئے مجھے تعمیلِ ارشاد سے معذور سمجھا جائے۔

انصاف کیجئے کہ کیا آپ اس سالار کو صحیح الدماغ انسان تصور کریں گے؟ اگر نہیں، تو پھر کیا رائے ہے اُن حضرات کے متعلق جو ایک طرف تو قرآن کی اکملیت کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں۔ اور دوسری طرف بیسیوں احکام کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے
ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہئے

آیۂ نسخ کی تفسیر

ہمارے مفسرین نے جب قرآن میں یہ آیت دیکھی:-

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا

دہم جب کوئی آیت (دلیل۔ درس۔ نشان۔ منظر) مٹا یا بھلا دیتے ہیں، تو ویسی ہی یا اُس سے بہتر آیت لے آتے ہیں) تو لگے قرآن کی آیات کو منسوخ کرنے، حالانکہ اس آیت کا تعلق سلسلۂ تخلیق سے تھا۔ سمندر کے ابتدائی جرثومۂ حیات سے لے کر انسان تک سینکڑوں انواع منصۂ شہود پہ آئیں اور غیر نافع ہو جانے کی وجہ سے مٹ گئیں۔

وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ ۔

(کشمکشِ حیات میں صرف مفید اشیا باقی رہ سکتی ہیں)

پھر سلسلۂ ارتقا کی تکمیل کے بعد بھی ہزارہا اقوام محض اس لئے ناپید ہو گئیں۔ کہ اُن کا وجود غیر مفید ثابت ہو رہا تھا۔ اللہ کی یہ سنت آغازِ آفرینش سے کائنات میں کارفرما ہے اور رہے گی۔ اور اس سنت کی تشریح سے وہ سینکڑوں کتب لبریز ہیں۔ جو ماہرینِ تخلیق نے بود و نبود حیات پہ لکھیں اور بدستور لکھ رہے ہیں۔

اگر اس آیت کا تعلق تنزیل سے بھی ہو تو بھی قرآن کی آیات کو منسوخ کرنا اپنے گھر کو خود آگ لگانا ہے۔ آخر قرآن سے پہلے بھی سینکڑوں صحیفے مختلف انبیاء پہ نازل ہوئے تھے۔ جن میں سے بعض انسانی حافظوں سے اُتر گئے، مثلاً صحیفہ ابراہیم آج کہیں موجود نہیں۔ حالانکہ قرآن میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ اور بعض صحائف کی وقتی ہدایات منسوخ ہو گئیں۔ مثلاً یہود وادیٔ سینا میں رہ کر طعامِ واحد کھانے پہ مامور تھے۔ جس کے خلاف اُنہوں نے احتجاج بھی کیا تھا۔ (لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ) اور آیۂ زیر بحث

ہیں اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ کہ بعض صحائف کا ناپید ہو جانا یا بعض وقتی ہدایات کا منسوخ ہو جانا نوعِ انسانی کی رفتارِ ترقی کو نہیں روک سکتا اسلئے کہ ہم قرآن میں اُن بنیادی اور اصولی صداقتوں کو جن کا ذکر صحیفۂ ابراہیمؑ میں تھا۔ دوبارہ پیش کر رہے ہیں۔ اور عہد موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) کی وقتی ہدایات کو نظر انداز کر کے تمہیں بہتر ہدایات دے رہے ہیں ایسی ہدایات جو تمام زمانوں میں تمام طبقاتِ انسانی کے لئے کار آمد ہونگی۔

جب آیۂ نسخ کی تفسیر کئی طرح سے ہو سکتی ہے تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہم اس آیت کا اطلاق قرآن پہ کریں۔ اور اُس کتابِ عظیم میں قطع و بُرید شروع کر دیں۔ جس کے متعلق ہمارا دعوےٰ یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے مکمل محفوظ اور جامع و مانع ہے۔ اور پھر قطع و برید بھی ایک ہی آیت کے دو ٹکڑوں میں۔ کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ تخیل۔ کہ اللہ نے کہا۔

"اے مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی شخص بلا عذر روزہ نہ رکھے۔ تو وہ فدیہ دے" اور ابھی فقرہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ فرما دیا۔

"اور یاد رکھو کہ اس آیت کا پہلا حصہ منسوخ ہے"

اس کی مثال یوں ہے۔ کہ ایک ہیڈ ماسٹر طلبہ کو کہے۔ کہ "جو لڑکا سکول میں نہیں آئے گا۔ اُس پہ یومیہ ایک آنہ جرمانہ ہوگا۔ لیکن اس حکم کا پہلا حصہ منسوخ ہے" فرمایئے طلبہ کیا سمجھیں گے۔ اور ہیڈ ماسٹر کی دماغی حالت کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟

ہمارے بعض مفسرین نے جن میں زیادہ تعداد تقلید زدہ اور مفقود الفکر

مُلاّؤں کی تھی۔ کسی زمانے میں بھی نہیں سوچا۔ کہ اُن کے فتوؤں، فیصلوں، اور خانہ ساز تفسیروں سے قرآن عظیم پر کیا بیت رہی ہے۔ آئے تھے تفسیر کے لئے لیکن کرتے رہے تحریف۔ اُٹھے تھے تعمیر کے لئے لیکن کرتے رہے تخریب۔ بڑھے تھے قیادت کے لئے، لیکن پھیلاتے رہے شقاوت ہماری توقعات تو یہ تھیں کہ یہ لوگ موقفِ رسول کا خیال رکھتے ہوئے قرآن کی تعلیمات میں وہ وسعت۔ اس کی ہدایات میں وہ ہمہ گیری۔ اور اس کے بیان کردہ حقائق میں وہ جاذبیت۔ پیدا کریں گے۔ کہ اقوامِ عالم کو قرآن کے بغیر کہیں اور راہِ نجات نظر نہیں آئے گی۔ لیکن ان حضرات نے تنگ نظری، بے نظری، کج روی، شب پرستی، اور خانہ براندازی کا وہ مظاہرہ کیا۔ کہ اور تو اور خود مسلمانوں کی اکثریت قرآن سے مایوس ہو گئی۔ اور آج ہمارے مفکرین کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں پر عظمتِ قرآن کا نقش بٹھائیں تو کیونکر؟

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے (اقبالؒ)

سلبی ماخذ

بالفرض اگر ہم یُطِیقُونَ کو سلبی معنوں میں ہی لیں تو ترجمہ آیت یہ ہو گا:۔

"جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ فدیہ ادا کریں.... لیکن اگر وہ روزہ رکھ لیں تو بہتر ہے"

حیرت ہے کہ اللہ تعالٰے نے اُن لوگوں کو روزہ کی ترغیب دے رہا ہے

جن میں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں۔

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک ظالم افسر کسی گاؤں میں داخل ہو کر تمام بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کو حکم دے کہ ہر فرد ایک ایک من کا پتھر اٹھا کر دو فرلانگ دور پھینک آئے۔ اور جو بچے یا بوڑھے اتنا وزن نہیں اٹھا سکتے۔ وہ جوانوں کو اجرت دے کر یہ کام کرالیں۔ لیکن اگر یہ لوگ (بچے اور ضعیف بوڑھے) اپنا وزن خود اٹھائیں تو بہتر ہے۔

کیا اس حکم میں کوئی معقولیت ہو سکتی ہے۔ جب وہ افسر دیکھ رہا ہے کہ چھوٹے بچوں اور سال خوردہ بوڑھوں میں اس وزن کو اٹھانے کی طاقت ہی موجود نہیں، تو انہیں بوجھ اٹھانے کی ترغیب دینا چہ معنی دارد؟ اسی طرح جب اللہ جانتا ہے کہ پیرانِ گور رسیدہ سے طاقتِ صوم کلیتہً سلب ہو چکی ہے۔ تو پھر انہیں ترغیب صوم دینے کا کیا مطلب؟ اس لئے ہم اس بدیہی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں۔ کہ اس آیت کے مخاطب وہی لوگ ہیں۔ جن میں روزہ کی طاقت تو ہے لیکن رکھتے نہیں۔

تفاسیر و تراجم

آیۂ زیر بحث کے سلسلے میں مختلف تراجم و تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ بعض مترجمین بخاری کی مذکورہ بالا حدیث سے مرعوب ہو کر نسخ کے قائل تھے۔ کچھ "یُطِیْقُوْنَ" کو سلبی معنوں میں لے رہے تھے۔ کچھ عقیدۂ عوام سے گھبرا کر دور از کار تاویلات میں اُلجھے ہوئے تھے۔ کچھ "یُطِیْقُوْنَ" کی تفسیر "یطوقون" کر رہے تھے (یعنی جو لوگ روزہ میں تکلیف محسوس کرتے ہیں وہ فدیہ دیں) کچھ آیت کا ترجمہ تو وہی پیش کر رہے

تھے، جو میں عرض کر چکا ہوں۔ لیکن تفسیر میں من مانی تشریحات سے کام لے رہے تھے۔ اور کچھ ایسے بھی تھے جو اس آیت کا صحیح مفہوم بیان کرتے تھے۔ لیجئے یہ کہانی اِن حضرات کی اپنی زبانی سنیئے!

(۱) مولانا نذیر احمد دہلوی۔

"اور جن (بیماروں اور مسافروں) کو کھانا دینے کا مقدور ہے۔ ان پہ ایک روزہ کا بدلہ ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے۔"

(ترجمۃ القرآن مولانا نذیر احمد)

اس ترجمہ کو سمجھنے کے لئے اصل آیت کو پھر دیکھیئے۔ وہاں درج ہے کہ بیمار اور مسافر رمضان کے بعد گنتی پوری کر لیں۔ مولانا نذیر احمد فرماتے ہیں، کہ فدیہ کا حکم انہی مسافروں یا بیماروں کے لئے ہے کہ یہ لوگ فدیہ بھی دیں۔ اور بعد میں روزے بھی رکھیں۔ ہم لفظِ فدیہ کی تشریح کے ضمن میں یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں۔ کہ فدیہ کسی فرو گذاشت کا کفارہ ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ قاتل سے فدیہ (خون بہا) بھی لے لیں۔ اور پھر اُسے پھانسی پہ بھی لٹکا دیں۔ یا ایک قیدی کا فدیہ لے کر اُسے جیل ہی میں ٹھونسے رکھیں۔ یا اپنی بیوی سے فدیہ لے کر اُسے زنجیرِ زوجیت میں بدستور باندھے رکھیں۔ عربی کے مشہور لغت المنجد میں لفظ فدیہ کا مفہوم امثلہ سے یوں واضح کیا گیا ہے۔

(۱) فدی الرجل من الاسیر

فلاں نے قیدی کو قید سے فدیہ دے کر چھڑا لیا۔

(۲) فَدَتِ المرأۃ نَفْسَھَا من زوجھا
بیوی نے فدیہ دے کر اپنے آپ کو قید زوجیت سے آزاد کرا لیا۔
(۳) الفداء والفدا والفدیٰ والفدیہ ما یُعطیٰ من مالٍ ونحوہٖ عوضَ المفتدیٰ۔
فداء۔ فَدیٰ و فِدیٰ و فدیہ سے مراد وہ رقم وغیرہ ہے۔ جو کسی چیز کے عوض ادا کی جائے۔

ان امثلہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ صوم اور فدیۂ صوم یکجا جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی روزہ دار نے فدیہ ادا کر دیا ہے تو وہ صوم کا مکلف نہیں رہا۔ مولانا نذیر احمد سے ترجمہ میں غلطی اس لئے سرزد ہوئی، کہ لفظ فدیہ کا مفہوم پوری طرح اُن پر واضح نہ تھا۔ آخر مسافر اور مریض سے کونسا قصور سرزد ہوا ہے۔ کہ وہ روزے بھی رکھیں اور فدیہ بھی ادا کریں۔ نہ سفر اپنے اختیار میں نہ مرض اپنے بس کی بات۔ اگر حکومت کا کوئی ملازم رمضان میں تبدیل ہو جائے یا کوئی شخص بیمار پڑ جائے۔ تو ان کا کیا قصور؟ تبدیلی کی صورت میں قصور حکومت کا ہے۔ اور مرض اللہ کی طرف سے ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ لوگ پہلے جرمانہ ادا کریں۔ اور پھر روزے رکھیں۔ کیوں؟ کیا "یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ" (اللہ تمہیں ہر ممکن سہولت دینا چاہتا ہے) کا مفہوم یہی ہے؟

اس ترجمہ پر ایک اور اعتراض بھی وارد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ علمائے لسان کے ہاں مرجع ضمیر سے پہلے ضمیر کا ذکر ایک مشہور عیب ہے جس سے

کلامِ الٰہی لازماً مبرّا ہونا چاہیئے۔ لیکن مولانا نذیر احمد یُطِیْقُوْنَہٗ کی ضمیر کا مرجع فِدْیَۃٌ کو قرار دے کر قرآن میں اضمارِ قبل از ذکر کا عیب پیدا کر رہے ہیں۔

(۲) علامہ جلال الدین محمد بن احمد المحلّی الشافعی اپنی مشہور تفسیر "جلالین" میں یُطِیْقُوْنَ کو سلبی معنوں میں لیتے ہیں۔ اور اس پر کافی بحث ہو چکی ہے۔

(۳) مولانا ابوالکلام آزاد:۔

"اور جو لوگ ایسے ہوں کہ ان کے لئے روزہ رکھنا ناقابلِ برداشت ہو۔ تو ان کے لئے ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے۔"

(ترجمان القرآن حصہ اول ص ۲۶۹)

مولانا آزاد نے بھی یطیقون کو سلبی معنوں میں استعمال کیا ہے۔

(۴) مولانا محمد علی لاہوری یطیقون کو یطوقون کا مترادف سمجھ کر لکھتے ہیں

And those who find it hard to do so may effect a redemption by feeding a poor man.

(اور جنہیں روزہ گراں گزرتا ہو وہ ایک غریب کو کھانا کھلا کر اس فرض سے بچ سکتے ہیں)

(۵) علامہ عبداللہ یوسف علی (انگریزی ترجمہ قرآن)

And for those who consider it a hardship: is a ransom, the feeding of one that is indigent.

(اور جنہیں روزہ رکھنے میں تکلیف ہوتی ہو۔ وہ ایک غریب کو کھانا کھلا کر روزے سے بچ سکتے ہیں)

(۶) حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی :-

"اور جن کو طاقت ہے۔ تو بدلا ہے۔ ایک فقیر کا کھانا۔"

(ترجمہ شاہ عبدالقادر)

حاشیہ پر اس ترجمہ کی تفسیر یوں درج ہے

"اور جن کو طاقت ہے۔ یعنی بلا عذر ہیں اور چاہیں کہ پھر قضا کریں۔ تو بالفعل ہر روزے کے بدلے ایک فقیر کو کھانا کھلا دیں۔"

ان حاشیہ نویس بزرگ سے کوئی پوچھے۔ کہ یہ "پھر قضا کریں" اور "بالفعل" کہاں سے نکال لائے۔ اللہ نے تو صرف مریض اور مسافر کو قضا کی اجازت دی تھی۔ اور آپ ہر فرد کو قضا کی رعایت سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ کوئی سند؟ کوئی دلیل؟ کوئی نہیں اور قطعاً کوئی نہیں۔

(۷) مولانا اشرف علی تھانوی :-

"اور جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں۔ اُن کے ذمے فدیہ ایک غریب کا کھانا ہے۔"

(بیان القرآن طبع ۱۳۵۳ھ ج ۱ ص ۱۰۲)

اس ترجمہ کی تفسیر یوں کرتے ہیں :۔

"اور دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہوگئی۔ یہ ہے کہ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں۔ اور پھر بھی روزہ رکھنے کو دل نہ چاہے تو اُن کے ذمہ روزے کا فدیہ یعنی بدلا ایک غریب کو کھانا کھلا دینا ہے۔"

مولانا تھانوی نے آیت کا ترجمہ ہر لحاظ سے صحیح کیا تھا لیکن تفسیر میں "جو بعد میں منسوخ ہوگئی" کی پخّر لگا کر حقیقت کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔

(۸) حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی :۔

"اور اوپر اُن لوگوں کے کہ طاقت رکھتے ہیں۔ اِس (روزے) کی بدلہ ہے کھانا ایک فقیر کا"......

مفہوم صاف ہے۔

(۹) حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی :۔

"اور جن کو طاقت ہے روزے کی، اُن کے ذمے بدلہ ہے ایک فقیر کا کھانا۔"

ترجمہ صاف ہے۔ لیکن مولانا شبیر احمد عثمانی، حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ یہ رعایت بعد میں منسوخ ہوگئی تھی۔

(۱۰) شیخ الاظہر علّامہ جوہری طنطاوی مصری، اپنی مشہور عالم تفسیر (۲۶ جلد) جواہر القرآن میں فرماتے ہیں :۔

"وَعَلَى المطيقين بالصيام ان افطر وَافِدية طعامُ مسكين"

(جواہر القرآن طبع ۱۳۵۰ھ ج ۱ ص ۱۲۵)

(اور جو لوگ روزہ نہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ اور پھر بھی نہیں رکھتے وہ فدیہ دیں۔ یعنی ایک غریب کو کھانا کھلا دیں)

اس آیت کی تفسیر یوں لکھتے ہیں :۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فيطوقونه اے يصومونه بجهد ومشقة ..... فدية اے جزاءً لما وقع من تقصير في العبادة۔

(اور جن لوگوں کو روزے میں اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ روزہ اُن کے گلے میں مصیبت کا ہار بن جاتا ہے۔ وہ فدیہ دے کر گلو خلاصی کرا سکتے ہیں۔) اور یہ فدیہ اس تقصیر فی العبادت کا بدلہ سمجھا جائے گا۔)

چونکہ ہمارے ائمۃ القراء نے "یطیقونہ" کی ایک قرأت یطوّقونہ بھی لکھ رکھی ہے۔ اسلئے ہمارے بعض مفسرین یطیقون کی تفسیر یطوّقون کرتے ہیں۔ اور یہی علامہ طنطاوی نے کیا ہے کہ ترجمہ کرتے وقت یطیقون کو پیش نظر رکھا۔ اور تفسیر میں یُطوّقون یہاں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ لا یطیقون اور یطوّقون کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لا یطیقون سے مراد صرف ضعیف اور سن رسیدہ بوڑھے ہیں اور یطوقون سے وہ لوگ جنہیں روزہ تکلیف دیتا ہو۔ خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھے۔ چونکہ گرمیوں کا روزہ تقریباً ہر آدمی کے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہر آدمی فدیہ دے سکتا ہے۔

رعایت فدیہ ضروری ہے

چونکہ اسلام تمام زمانوں، تمام انسانوں اور تمام ملکوں کا مذہب ہے۔ اس لئے

فدیہ کی رعایت مندرجہ ذیل لوگوں کے لئے ضروری ہے۔

اوّل:۔ ان ہزارہا اُمیدواروں کے لئے جن کے امتحانات رمضان کے معاً بعد شروع ہو رہے ہوں۔ تاکہ وہ کما حقہٗ تیاری کر سکیں اور ناکام نہ ہو جائیں۔ آپ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ طلبہ ہی ملّت کے معمارِ فردا ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کی ناکامی قوم کو بہت نازل پیچھے دھکیل دیتی ہے۔

دوم:۔ ان باشندگانِ منطقہائے حارہ کے لئے، جن کے لئے روزہ ایک مصیبت بن جاتا ہو۔

سوم:۔ اُن انجن ڈرائیوروں کے لئے جو جُون کی دوپہر کو سندھ اور بھکر کے صحراؤں میں ٹرینیں لئے جا رہے ہوں۔

چہارم:۔ ان مزدوروں کے لئے جو کوئلے، پٹرول اور فولاد کے کارخانوں میں کام کر رہے ہوں۔ اگر یہ لوگ کام بند کر دیں تو قوم کو کروڑوں روپیہ کا نقصان پہنچ جائے۔

پنجم:۔ ان کسانوں کے لئے جو مئی اور جون کی لوؤں میں ہل چلانے پر مجبور ہوں۔

ششم:۔ اُن مزدوروں کے لئے جو گرمی کی دوپہر میں سڑک کھودنے اور بوجھ اُٹھانے پر مامور ہوں۔

ہفتم:۔ ان فوجیوں کے لئے جو سرحدوں پر متعین ہوں۔ اور جنہیں خطرہ ہو کہ اگر روزے کی وجہ سے ذرا ڈھیلے پڑ گئے تو دشمن حملہ بول دیگا۔

ہشتم:۔ اُن ملازمین حکومت کے لئے جن کا روزہ انہیں سُست بنا دیتا ہو۔ اور وہ کام نہ نکال سکتے ہوں۔ پنجاب سیکرٹریٹ کے ہر شعبے میں ہر روز

سینکڑوں نئی اور اہم مسلوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ اگر دس کلرک روزے کی وجہ سے سست ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ مسلوں کے انبار جمع ہو جائیں گے۔ کام تقریباً رک جائے گا اور حکومت بدنام ہو جائے گی۔

نہم:۔ ان معلمین کے لئے جو جماعت میں اس ڈر سے بولنا بند کر دیتے ہوں کہ کہیں گلے کی رگیں خشک نہ ہو جائیں۔ اور پیاس تیز ہو جائے۔ ایسے معلم جہاں ترک فرائض کے مجرم بنتے ہیں۔ وہیں وہ طلبہ کو مہینہ بھر بیکار رکھ کر انہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔

دہم:۔ ناروے، سکاٹ لینڈ، فن لینڈ اور سوئیڈن کے اُن باشندوں کے لئے جن کے ہاں دن ۱۸ ، اور ۲۰ گھنٹوں کا ہوتا ہے۔ وقس علیٰ ھذا۔

فدیہ و صوم کا موازنہ

اللہ نے روزے کا مقصد تقویٰ بتایا ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (روزے اس لئے فرض کیے گئے کہ تم متقی بنو، اور تمہارے کردار میں پاکیزگی آ جائے)

اس حقیقت سے ہر مسلم آشنا ہے اور بیسیوں احادیث اس موضوع پر موجود ہیں کہ ایک بدکردار انسان کا روزہ بیکار محض ہے۔ اگر ایک شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولتا ہے، وعدے توڑتا ہے، رشوت کھاتا ہے، جوا کھیلتا ہے، غیبت اور غمازی اُس کا پیشہ بن چکا ہے، تو وہ بیشک روزہ نہ رکھے۔ اسلئے کہ روزے کا مقصد زبان، آنکھ، دل اور دماغ پر پہرے بٹھانا ہے۔ اور جو روزہ اس مقصد کے لئے مفید نہیں، وہ روزہ نہیں کچھ اور

بڑا ہے۔ پاکیزگی خواہشات پر قابو پانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور انسان کی سب سے بڑی خواہش زر اندوزی ہے۔ ہم نے زندگی میں بارہا دیکھا کہ بعض لوگوں نے جان دے دی۔ لیکن پیسہ نہ دیا۔ اور یہ بھی دیکھا کہ چند ٹکوں کی خاطر بڑے بڑے خوبصورت نوجوان آگ میں کود پڑے۔ آپ دو جنگ ہائے عظیم دیکھ چکے ہیں۔ انگریز نے لاکھوں جوان ہمارے ملک سے سترہ روپے پر خریدے اور جنگ کی بھٹی میں جھونک دیئے۔ ان نوجوانوں نے سترہ روپوں کو اتنی بڑی دولت سمجھا کہ ان کی خاطر مرگ و ہلاکت کے گھونٹ لیتے ہوئے جہنم میں کود پڑے۔

ایک چور آبادی سے دور غاروں میں رہتا ہے۔ جہاں بھر کے مصائب سہتا ہے۔ رات کو میلوں سفر کر کے دبے پاؤں کسی فصیل سے کود کر کسی گھر میں داخل ہوتا ہے۔ گھر والوں کو بے رحمانہ قتل کرتا ہے۔ سارا شہر اس کا محاصرہ کرتا ہے۔ وہ گالیاں، اینٹ، پتھر، لاٹھیاں اور گولیاں کھاتا ہوا پھر واپس میلوں بھاگتا ہے۔ جانتے ہو کس لئے؟ صرف مال کے لئے۔ مال بڑی پیاری چیز ہے۔ اتنی پیاری کہ اِدھر حضور علیہ السلام کی آنکھ بند ہوئی اور اُدھر ایک پورے قبیلے نے اللہ کی راہ میں مال پیش کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

تُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (قرآن)

(مال کی حرص و محبت تمہاری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے)

پاکستان میں ایسے اُمراء و اغنیاء کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے جو مسلم

ہونے کے باوجود زکواۃ کا ایک پیسہ تک ادا نہیں کرتے۔ قوم پر بڑی سے بڑی مصیبت بن جائے، وہ ایک کوڑی تک نہیں دیتے۔ کیوں؟ اسلئے کہ دولت بڑی پیاری چیز ہے۔ چونکہ اسلام اس طرح کی تمام شیطانی خواہشات کو کچلنے کے لئے آیا تھا۔ اس لئے اس نے زکواۃ کو مذہب کا اصل الاصول بنا دیا۔ اور اعلان کیا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

(کہ جب تک ہماری راہ میں اپنی پیاری دولت خرچ نہیں کرو گے کبھی کامیاب نہیں ہو گے) اور ساتھ ہی دھمکایا کہ ہم تمہاری جمع کردہ دولت سے تمہارے اجسام کو داغیں گے۔ اور تم پر ذلّت و لعنت برسائیں گے۔

صحابۂ کرام خدائی منشا کے سانچے میں یوں ڈھل چکے تھے کہ شہنشاہی میں بھی فقیری کو ترجیح دیتے تھے۔ روم و ایران کے خزائن۔ مصر و شام کے بے پایاں دفائن اُن کے قدموں میں پھینک دیئے گئے تھے لیکن اُن تقویٰ شعاروں نے ان انبارہائے دولت کی طرف نگاہ تک اُٹھانا نگاہ کی توہین سمجھی۔ اور تمام خواہشات کو کچلتے ہوئے معالیٔ حیات کی طرف اس انداز سے بڑھے کہ انسان تو ایک طرف ملائکہ و رب الملائکہ تک نے اُن پر تمجید و ثنا کے پھول برسائے۔

ان تفاصیل سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ انسان میں مال کی محبت کتنی شدید ہے۔ اور اس سے مال لینا گویا گوشت سے ناخن کو جدا کرنا ہے دنیا کی عقول اس حقیقت پر متفق ہیں کہ شخصی نیکی سے وہ نیکی یقیناً اچھی ہے

جس کا فائدہ دوسرے کو پہنچے۔ عابد سے عالم یقیناً بہتر ہے کہ اس کے علم سے دوسرے بھی مستفید ہوتے ہیں۔ روزہ شخصی نیکی ہے اور فدیہ سے غربا متمتع ہوتے ہیں۔ بدیگر الفاظ روزہ محض شخصی تقویٰ ہے اور فدیہ شخصی و متعدی ہر دو۔ فدیہ انسان سے مال کی قابلِ نفرت محبت دُور کرتا ہے۔ اور پھر اس مال سے غرباء کو مرفہ الحال بناتا ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حصول پاکیزگی میں روزہ بہترین معاون ہے۔ لیکن فدیہ بھی تو کوئی ایسی ویسی نیکی نہیں۔ اگر حکومتِ پاکستان تمام بے روزہ کش سے فدیہ جمع کرنے کا انتظام کرے تو پاکستان میں ایک بھی غریب باقی نہ رہے۔ پاکستان کی موجودہ آبادی ساڑھے سات کروڑ ہے جن میں مکلفین روزہ کی تعداد تین کروڑ سے کم نہیں ہوگی۔ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ روزے والوں کی تعداد کہیں بھی پانچ فیصدی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس حساب سے ملک بھر میں صرف ۱۵ لاکھ مسلمان روزے رکھتے ہیں۔ چلو پچاس لاکھ سہی۔ اور اڑھائی کروڑ روزہ اور فدیہ ہر دو ہضم کر جاتے ہیں۔ اور پھر نفاق کا یہ عالم کہ دن بھر اپنی روزہ داری کا بھی چرچا کرتے رہتے ہیں۔ اگر ایک غریب کے طعام کا خرچ فی وقت آٹھ آنے اور فی یوم ایک روپیہ ہو تو صرف ایک روزہ خور کا فدیہ ماہ رمضان میں تیس روپے بنتا ہے۔ اس حساب سے اڑھائی کروڑ روزہ خوروں کا فدیہ پچھتر کروڑ بنے گا۔ اور یہ رقم اتنی بڑی ہے کہ اس سے تمام ملک کی غربت کا مسئلہ صرف ایک سال میں حل ہو سکتا ہے۔

لیکن یاد رکھیئے کہ فدیہ ادا کرنا آسان نہیں۔ اگر ایک گھر میں بیوی سمیت پانچ

LIBRARY
No. 33501
Date 21-5-60
SRINAGAR

بالغ افراد ہوں۔ تو ان کے فدیہ کی رقم ایک سو پچاس روپیہ بنتی ہے۔ اور یہ اتنی بڑی رقم ہے جسے ایک متوسط الحال عیالدار کسی صورت میں ادا نہیں کر سکتا اگر ہماری حکومت اور ادارے عامہ بل کر ہر مسلمان کو صوم یا فدیہ پہ مجبور کر دے تو روزہ خوروں کی بہت بڑی اکثریت زر فدیہ سے بچنے کے لئے یا تو روزہ دار بن جائے گی۔ اور یا اسلام چھوڑ جائے گی۔

خاتمہ

میری اس تحریر کا مقصد مسلمانوں سے روزے چھڑانا نہیں۔ بلکہ قرآن عظیم کے ایک بھولے ہوئے اہم حکم کو پھر زندہ کرنا ہے۔ اور صاف الفاظ میں اعلان کرنا ہے کہ مسلمانوں پہ دو میں سے ایک چیز فرض ہے۔ صوم یا فدیۂ صوم۔

جو لوگ روزہ رکھ سکتے ہوں۔ وہ ضرور رکھیں۔ اور جو نہ رکھیں، اُن سے حکومت، مسلم لیگ یا رضاکاروں کی جماعت، فدیہ وصول کرنے کا انتظام کرے، جن لوگوں کے دلوں میں اللہ کا ڈر موجود ہے۔ وہ مطالبہ سے پہلے ہی غربا کی یہ رقم ادا کر دیں اور جو لوگ نہ روزہ رکھیں اور نہ فدیہ دینا چاہیں بہتر ہے۔ کہ وہ اسلام چھوڑ کر سناتن دھرم اختیار فرما لیں کہ اسلام میں نفس پرستوں اور تن پرستوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ALLAMA IQBAL LIBRARY
33501

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.